Thankful to Daily Ummat

ممبئی مافیا کے چھ دہائیاں

PdfStuff.blogspot.com

ایس حسین زیدی

ڈونگری تا دوبئی

PdfStuff.blogspot.com

قسط نمبر 1

ترجمہ: عبدالقادر

PdfStuff.blogspot.com

ممبئی انڈرورلڈ کا بانی حاجی مستان معمولی قلی تھا

PdfStuff.blogspot.com

اٹھارہ برس کی عمر تک سائیکلوں کی مرمت کرتا رہا۔ جرائم کی دنیا میں ''ایمانداری'' نے گاؤں کے ان پڑھ لڑکے کو ''ڈان'' بنایا۔ پچاس کی دہائی میں ممبئی میں جیب تراشی اور چاقو کے زور پر اسٹریٹ کرائم ہوا کرتے تھے۔ نوے کی دہائی میں داؤد ابراہیم نے جرائم کو نئی جہت دی۔ بھارتی مصنف کی کتاب ''ڈونگری سے دبئی'' کے اقتباسات

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی مِرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

PdfStuff.blogspot.com

ڈونگری سے دبئی: ممبئی مافیا پر میری یہ تحریر چھ دہائیوں کا ایک پیچیدہ اور مشکل ترین سفر ہے۔ 1995ء میں کرائم رپورٹنگ شروع کرنے سے لے کر اس تحریر تک میں نے کبھی اتنا کٹھن وقت نہیں گزارا۔ سب سے بڑا چیلنج یہ تھا کہ ایک جانب تو ممبئی کی زیرزمین دنیا (انڈرورلڈ) کے بارے میں درست حقائق کا کھوج لگایا جائے اور دوسری طرف تحریر میں ایسا انداز اپنایا جائے کہ عام قارئین کے لیے تحریر میں دلچسپی کا سامان بھی ہو۔ ابتداً میرے سامنے یہ سوال موجود تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں مسلمان نوجوان ممبئی میں جرائم کی جانب کیونکر راغب ہو رہے تھے، اس کے پس منظر میں داؤد ابراہیم کی شخصیت کا سحر تھا یا معاشی مسائل اس رویئے کے پس پشت کارفرما تھے۔

میری کہانی کا آغاز ڈونگری کے علاقے سے ہوتا ہے۔ ڈونگری سے میری مراد وہ حدود اربع نہیں، جو کہ زکریا مسجد کے قریب مندوی سے شروع ہو کر کرافورڈ مارکیٹ تک جاتا ہے۔ تاریخ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ڈونگری ایک پہاڑی تھی اور اس کے اردگرد میدانی علاقہ ہوا کرتا تھا۔ پرتگالیوں کو یہاں سے پیچھے دھکیل کر انگریزوں نے اس علاقے کی فصیل تعمیر کرکے اسے قلعے کی شکل دے دی۔ اس علاقے کے بالائی حصے میں مسلمانوں کی اکثریت آباد تھی۔ جزیرہ ممبئی کے مشرقی حصے میں مسلمان ایک زمانے سے بھاری اکثریت میں چلے آرہے ہیں اور آج بھی صورت حال کچھ ایسی ہی ہے۔ وقت کے ساتھ ڈونگری کا علاقہ کاروباری سرگرمیوں اور آبادی کے حوالے سے ترقی کرتا چلا گیا۔ داؤد ابراہیم کے ڈونگری کی طرز زندگی پر اثرانداز ہونے سے بہت عرصہ قبل ہمیں یہاں چند دیگر گینگ مافیاز کے کرداروں کے نام بھی ملتے ہیں جن میں چنکا دادا، ابراہیم دادا، حاجی مستان، کریم لالہ اور باشو دادا قابل ذکر ہیں۔ الفرڈ ڈبلیو ڈیوس عرف گن مین وہ برطانوی رپورٹر تھا جس نے اس علاقے میں کرائم رپورٹنگ میں بڑا نام پیدا کیا۔ الفرڈ کے سائے میں پنپنے والے رپورٹر عثمان غنی مقدم نے بھی اپنی ذہانت اور تحقیقی صلاحیتوں کے پیش نظر بڑا نام کمایا۔ عثمان غنی اور دیگر اہم کرائم رپورٹروں کے ساتھ طویل انٹرویوز اور اپنی تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ڈونگری ہمیشہ سے ہی جرائم کی آماجگاہ رہا ہے۔ جرائم کی پشت پناہی اور ان سے صرف نظر نے ڈونگری میں جرائم پیشہ افراد کی کافی حوصلہ افزائی کی۔ لہٰذا دیگر علاقوں کے جرائم پیشہ افراد نے بھی اس سرزمین کا رخ کرنا شروع کیا۔ اس طرح ڈونگری کے لڑکوں کو جرم کی دنیا میں قدم رکھنے کے بیش بہا مواقع میسر آنے لگے۔ تاہم جس انداز سے داؤد ابراہیم نے ڈونگری کو دبئی تک پہنچایا۔ ڈونگری میں ایسا کوئی دوسرا شخص پھر دیکھنے کو نہ ملا۔ زیرنظر کتاب میں داؤد ابراہیم کے پیش روؤں اور بالخصوص داؤد ابراہیم کے نقش قدم پر چلنے والوں کے تعاقب کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈونگری کا ایک ایسا نوجوان جس نے جرائم کو نئی جہتوں میں پیش کیا۔ اور جس نے اپنی سرزمین سے اڑان بھری لیکن انڈیا کو کبھی نہ چھوڑا۔

نوے کی دہائی میں بھارت میں ایک دو کام ہوئے جس کا اثر ممبئی کی مافیا پر ہوا۔ جس وقت میں نے ممبئی مافیا پر قلم اٹھانے کی ٹھانی داؤد ابراہیم یہاں کے ساحلوں سے کوسوں دور جا چکا تھا۔ تین سال قبل 1993ء میں ممبئی دھماکوں میں داؤد ابراہیم کا نام بطور اہم کردار سامنے آیا۔ یہ وہ وقت تھا جب وزیراعظم نرسمہا راؤ نے بھارت کو لائسنس کلچر سے آزاد کرانے کی ٹھان لی تھی اور بھارت نے آزاد معیشت میں قدم رکھا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں بھارت میں معاشی ترقی کے مواقعوں نے جنم لینا شروع کیا جس کی بو سب سے پہلے مافیا تک پہنچی۔ اس وقت تک یہ مافیا بالی ووڈ کی گنگا میں پہلے ہی نہا رہی تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

جلد ہی رئیل اسٹیٹ کے کاروبار نے زور پکڑنا شروع کیا۔ مل مالکان نے ملیں بند کرکے پلاٹ بیچنا شروع کر دیئے تھے۔ اس وقت تک ممبئی میں موجود

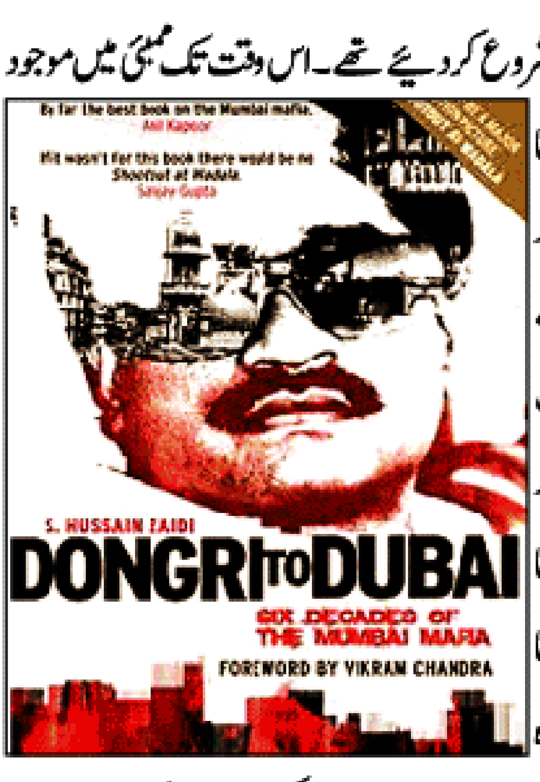

واحد مافیا ڈان، ارون گاؤلی، کا زیادہ تر وقت سلاخوں کے پیچھے گزر رہا تھا۔ اشون نائیک مفرور تھا جبکہ داؤد ابراہیم دبئی میں بیٹھا انڈرورلڈ کی ڈوریں ہلا رہا تھا۔ اس کا بھائی انیس ابراہیم اس وقت فیلڈ میں زیادہ متحرک تھا۔ اس وقت ابوسالم سے تعلقات منقطع تھے۔ چھوٹا راجن نے داؤد ابراہیم سے تعلق توڑ کر ایک ہندو کو بیٹا بنا رکھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور ایک دوسرے کے کاروبار کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ جبکہ ممبئی پولیس ہولناک واقعات کی نذر ہونے والی لاشوں کی گنتی میں مصروف تھی۔ اس وقت کے ایک پولیس کمشنر نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ لوگ اپنی حفاظت کی غرض سے ہاکی اور ڈنڈے ساتھ رکھیں۔ گو کہ میں اس نسل میں شامل نہ تھا جس نے داؤد ابراہیم کو ارتقا کی منازل طے کرکے ڈان بنتے دیکھا البتہ میں ان کارروائیوں کا باقاعدہ حصہ رہا ہوں جس کے نتیجے میں اس مافیا کو توڑا گیا۔ ان کے بارے میں کہانیاں لکھنے کے دوران مجھے ان کا پیچھا کرنا پڑا، ان کمین گاہوں کی نشاندہی اور ان کے نیٹ ورک کا سراغ بھی لگانا پڑا، ان رنگ رلیوں اور بالی ووڈ سے ان کے تعلقات کی نشاندہی بھی۔ میں کئی ڈان (غنڈوں) سے ان کی کہانیاں ان کی زبانی سننے کے لیے بنفس نفیس ملا۔ اسی سلسلے میں جنوبی ممبئی میں واقع سول جیل، اورنگ آباد میں میری ملاقات دگدی پاول کے علاقے کے ڈان ارون گاؤلی سے ہوئی۔ داؤد ابراہیم کے خلاف انگارے اگلنے والے چھوٹا راجن سے بھی میں ملا۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جبکہ وہ داؤد ابراہیم کا قریبی دوست اور مربی تھا۔ پھر میری ملاقات داؤد ابراہیم کے آدمی چھوٹا شکیل، ابوسالم اور اشون نائیک سے بھی ہوئی۔ بطور کرائم رپورٹر میری کہانی اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی تھی جب ممبئی کے ساحلوں کو چھوڑ کر دور سے بیٹھ کر ڈوریں ہلانے والے شخص (داؤد ابراہیم) سے میری ملاقات نہ ہو جاتی۔ اس وقت تک ہر شخص داؤد ابراہیم کے بارے میں کچھ نہ کچھ تحریر کر رہا تھا البتہ اس سے روابط کے تمام ذرائع مفقود ہو چکے تھے۔ البتہ 1993ء سے قبل داؤد ابراہیم نے صحافیوں کو انٹرویو دیئے تھے۔ 1995ء سے داؤد ابراہیم میڈیا سے مکمل طور پر کنارہ کش ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس کے لیے میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور چھوٹا شکیل ممبئی نیٹ ورک پر کام کرنا شروع کر دیا۔ میں اس کے حوالہ آپریٹروں، گینگ منیجروں اور دیگر ذرائع سے ملتا رہا۔ میں وہ پہلا صحافی تھا جو چند ماہ کے اندر ہی چھوٹا شکیل کے ساتھ براہ راست رابطہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ بالآخر میں نے چھوٹا شکیل سے داؤد ابراہیم کے ساتھ ایک انٹرویو رکھنے کی فرمائش کر ڈالی۔ انہی دنوں میں ابوسالم کے ہاتھوں ٹی سیریز کا مشہور موسیقار گلشن کمار مارا گیا۔ چھوٹا شکیل اس تگ و دو میں تھا کہ اس قتل کا الزام داؤد ابراہیم پر نہ لگنے پائے۔ بہرحال، داؤد ابراہیم نے ایک انٹرویو کے لیے حامی بھر لی۔ انٹرویو کی شرائط طے پاگئیں جس کے مطابق مجھے داؤد ابراہیم کا انٹرویو کسی بھی تحریف کے بغیر جوں کا توں شائع کرنا تھا۔ نیز داؤد ابراہیم تک پہنچانے والے شخص کا مجھے پھر کبھی پیچھا نہ کرنا تھا۔ یہ اس انٹرویو کی ایک بہت بڑی قیمت تھی جو کہ مجھے چکانے کو کہا گیا۔

PdfStuff.blogspot.com

اس انٹرویو کی تفصیل میں جانے سے پہلے کتاب میں موجود ممبئی انڈرورلڈ کے بانی حاجی مستان کا قصہ بیان کرتے چلیں جو ایک معمولی قلی تھا لیکن پھر جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ بن گیا اس کے لیے پچاس کی دہائی کے ممبئی کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اسی لیے پہلے اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ (ترجمہ نگار)

پچاس کی دھائی سے ہی ممبئی شہر معاشی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگوں کو اپنی جانب کھینچتا رہا ہے۔ مختلف علاقوں سے آنے والے نوجوان اس شہر میں تعلیم کی جانب راغب ہوئے یا پیسہ کمانے کے مختصر راستے ڈھونڈتے تھے۔ ان میں جیب کاٹنا اور راہگیروں کو چاقو دکھا کر لوٹ لینا ان کی زندگی گزارنے کا ایک آسان راستہ تھا۔ پولیس کے قدیم ریکارڈ سے اندازہ ہوتا ہے کہ الہ آباد سے آنے والا ننھے خان لوگوں کو چاقو سے ہراساں کرنے والا پہلا شخص تھا، جلد ہی الہ آباد کے چند دیگر لوگوں نے ننھے خان کے ساتھ ہاتھ ملا لیا اور اس طرح ''الہ آبادی گینگ'' وجود میں آگیا۔ وہاب پہلوان اور چنکا دادا، ننھے خان کے نائب تھے۔ چنکا دادا نے اس پیشے میں ٹیکنالوجی کو بھی متعارف کروایا۔ اس کی کمر کے ساتھ دو ریوالور بندھے رہتے تھے۔ تاہم الہ آبادی گینگ کی نیندیں تین عیسائی بھائیوں، بڑا جونی، چھوٹا جونی اور چکنا جونی نے اڑا رکھی تھیں۔ یہ دونوں گینگ جلد ہی ایک دوسرے کے خلاف متحارب حریفوں کے طور پر سامنے آئے۔ بعدازاں جونی گینگ نے ابراہیم دادا سے روابط قائم کر لیے۔ دوسری جانب اسی دوران الہ آبادی گینگ اسٹریٹ کرائم کی سطح سے ترقی کرتے ہوئے منشیات کی سپلائی جیسے بڑے بڑے کام کرنے لگا تھا۔ اب اس علاقے میں مختلف جرائم پیشہ گروہ مصروف تھے جن میں کانپوری، جونپوری اور رامپوری گروہ شامل تھے، ان گروہوں میں چند معمولی پڑھے لکھے افراد بھی تھے۔ البتہ ابراہیم دادا وہ پہلا گینگسٹر تھا جس نے میٹرک کیا ہوا تھا اور انگلش بھی بول سکتا تھا، اس کے کپڑے بھی قدرے صاف ستھرے اور ڈھنگ سے پہنے ہوئے ہوتے تھے۔

گینگسٹر کی دنیا میں یہ کہانی بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ابراہیم دادا اپنے ایک دوست سے ملنے امریکی سفارتخانے گیا تو ریسپشن پر موجود کرسچن لڑکی ماریہ اس کی محبت میں گرفتار ہوگئی، یہ بات جونی دادا کو ایک نظر نہ بھائی، جونی دادا نے ابراہیم دادا کو راستے میں روک کر کہا کہ تم ایک عیسائی لڑکی کو لے کر کیوں گھومتے ہو، لیکن ابراہیم دادا پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس پر جونی دادا نے ماریہ کو اولاً دھمکایا اور بعد میں اسے مذہب کا واسطہ بھی دیا، لیکن کوئی بھی ترکیب کارگر ثابت نہ ہوئی اور بالآخر ماریہ نے ابراہیم دادا سے شادی کرکے اسلام قبول کر لیا۔ مذہب کی بنیاد پر جونی دادا اور ابراہیم دادا کی دشمنی نے جونی گینگ کے مسلمان لڑکوں کو متنفر کر دیا اور انہوں نے جونی گینگ کو چھوڑ کر ابراہیم دادا کے گروہ میں شمولیت اختیار کرنا شروع کر دی۔ جونی نے ایک دن موقع پا کر اپنے ساتھیوں سمیت ابراہیم دادا پر لاٹھیوں اور چاقو سے حملہ کر دیا، اولاً تو ابراہیم دادا نے بہت مار کھائی لیکن بعد میں انہیں مار بھگایا۔ بعدازاں ابراہیم دادا نے جونی کو سبق دینے کی ٹھان لی۔ ایک دن کماٹھی پورہ کے مقام پر ابراہیم دادا نے جونی کو روک کر دوبدو لڑنے کا چیلنج دیا، اس نے نہ صرف جونی کو بڑی بے دردی سے مارا بلکہ اس کی بہت بے عزتی بھی کی۔ حتیٰ کہ جونی قریب المرگ ہوگیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جونی اس دن سے منظر عام سے غائب ہوگیا۔ اس کے دونوں بھائیوں کا بھی کچھ ایسا ہی انجام ہوا۔ چھوٹا جونی شام کو دکانداروں کی کمائی پر ہاتھ صاف کیا کرتا تھا، ایک دن تمام دکانداروں نے مل کر پروگرام بنایا کہ جونی کو سبق سکھانا چاہئے، چاہے اس کی جان ہی چلی جائے۔ انہوں نے لاٹھیوں کے سروں پر کیلیں لگا لیں، چھوٹا جونی اس اعتماد کے ساتھ دکانداروں سے بھتہ وصول کرنے آیا کرتا تھا کہ ہتھیار کے بغیر ہی اس علاقے میں چلا جاتا، اس مرتبہ جب وہ بازار گیا تو تمام دکانداروں نے گھیر کر اسے پیٹنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اسے جان سے مار ڈالا۔ عینی شاہدین بتاتے ہیں کہ لوگ مرنے کے بعد بھی اسے مارتے رہے، جبکہ تیسرا بھائی چکنا جونی اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ پکنک منانے کے لیے گیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پانی کی نذر ہوگیا، یوں اس گینگ کے تمام لڑکے دیگر گینگوں میں شامل ہوگئے۔

PdfStuff.blogspot.com

ابراہیم دادا قتل کے کیس میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے عمر قید کے لیے بند کر دیا گیا اور اس دوران اس کی بیوی نے ایک بیٹے کو جنم دیا، ابراہیم دادا کے جیل جانے کے بعد جونی دادا کی ہلکے پھلکے انداز میں زیرزمین سرگرمیاں جاری رہیں اور دوسری جانب ننھے خان کا گینگ تعداد، پیسے اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا، کماٹھی پورہ رنگ رلیوں اور گینگسٹروں کا مرکز بن چکا تھا، ایک گینگسٹر یہاں ایک کشمیری کلب چلا رہا تھا، حبیب کشمیری اس کشمیری گینگ کا سرغنہ تھا۔ کماٹھی پورہ کے اس گینگ کے دیگر گینگسٹروں میں احمد کشمیری، ایوب لالہ اور فیروز لالہ شامل تھے۔ ایوب پولیس کا مخبر نکلا اور اس نے گینگ کو خطرے میں ڈال دیا۔ بعدازاں احمد نے ایوب کی محبوبہ کو اغوا کر لیا اور اس کی پاداش میں ایوب نے احمد کو قتل کر ڈالا۔ جب ان مختلف گینگز کے درمیان کشمکش جاری تھی۔ ٹھیک اسی دوران ممبئی میں ایک 8 سالہ ان پڑھ اور دیہاتی لڑکے نے قدم رکھا۔ جو اپنے مزدور باپ کے ہمراہ روزگار کی تلاش میں اس شہر میں آیا تھا۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ لڑکا آگے چل کر ممبئی انڈرورلڈ کی بنیاد رکھے گا اور دنیا اسے حاجی مستان کے نام سے جانے گی۔

PdfStuff.blogspot.com

☆......☆......☆

PdfStuff.blogspot.com

مستان حیدر مرزا المعروف حاجی مستان یکم مارچ 1926ء کو تامل ناڈو کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا، 1934ء میں مستان مرزا کا باپ حیدر مرزا اپنے بیٹے کو لے کر ممبئی آگیا۔ سارا دن محنت کرکے بھی باپ بیٹا 5 روپے روزانہ کما سکتے تھے۔ کرافورڈ مارکیٹ سے گزر کر مستان مرزا روزانہ گھر جایا کرتا تھا۔ ہر روز وہاں سے گزرتے مستان حیدر مرزا چمکتی دمکتی گاڑیوں اور عالیشان بنگلوں کو دیکھ کر یہ سوچتا کہ کیا کبھی وہ بھی اس قابل ہو پائے گا کہ ایسے بنگلوں میں رہے اور ایسی گاڑیوں میں سفر کرے۔ یہ تمام نظارے اسے اکساتے رہتے اور وہ ہر وقت اسی سوچ میں گم رہتا کہ کسی طرح بڑا، امیر اور طاقتور بن جائے، لیکن غیر تعلیم یافتہ، غیر ہنرمند اور کاندھوں پر خاندان کا بوجھ ہونے کی وجہ سے وہ محض ان سڑکوں کو ناپ سکتا تھا۔

جب مستان مرزا کی عمر 18 برس ہوئی تو وہ سائیکلوں کی مرمت کیا کرتا تھا لیکن پھر اس نے سائیکل مرمت کرنے کا کام چھوڑ کر کچھ بہتر کام کرنے کی ٹھان لی۔ مستان کا باپ ایک مذہبی انسان تھا جو ہمیشہ اسے محنت اور دیانت کا درس دیتا تھا، اس کے باپ نے اسے بندرگاہ پر مزدوروں کے ساتھ کام کرنے کی اجازت تو دے دی لیکن اسے نصیحت بھی کی کہ اس نے بڑی ایمانداری کے ساتھ اس کی پرورش کی ہے، وہ ہر جگہ اس پر نظر رکھنے کے لیے موجود نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اب یہ خود اس کی ذمہ داری ہے کہ خود کو بے ایمانی، لڑائی جھگڑے اور چوری سے محفوظ رکھے اور ترقی کی خاطر ان برائیوں کو کبھی نہ اپنائے۔

PdfStuff.blogspot.com

1944ء میں مستان نے ممبئی کی بندرگاہ پر موجود ایک ڈاکس میں بطور قلی مزدوری شروع کی، وہ دبئی، عدن، ہانگ کانگ اور دیگر شہروں سے آنے والے سامان کو اتارنے پر مامور تھا۔ گو کہ اس وقت ممبئی کی بندرگاہ خاصی بڑی نہ تھی لیکن شہر کے ساتھ ساتھ اس کا حجم بھی بڑھ رہا تھا۔ 1947ء میں تقسیم ہند تک مستان کو ڈاکس پر بطور قلی کام کرتے تین سال گزر چکے تھے۔ مستان اس بات کو خوب سمجھ چکا تھا کہ انگریز آنے والے سامان پر درآمدی ڈیوٹی وصول کیا کرتے تھے، اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اگر کسی طرح اس ڈیوٹی سے سامان کو بچا لیا جائے تو اچھا خاصا منافع کمایا جا سکتا ہے۔ ان دنوں فلپس کے ٹرانسسٹر اور درآمد شدہ گھڑیاں ممبئی میں بہت مشہور تھیں۔ مستان نے سوچا کہ اگر یہ سامان کسٹم سے نہ گزرے تو ڈیوٹی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس طرح مال کو مالکان تک پہنچا کر وہ اچھا خاصہ پیسہ کما سکتا ہے اس کے نزدیک ایسا کرنے میں کوئی بے ایمانی کا عنصر شامل نہیں تھا۔ اس نے خیال کیا کہ کسٹم ڈیوٹی انگریزوں کا چھوڑا ہوا ایک ورثہ ہے اور اس کی پیروی نہ کرنے میں کوئی غلط بات نہیں ہے۔

مستان نے اندازہ لگایا کہ مال کو کسٹم ڈیوٹی سے بچا کر وہ اپنی آمدن میں 15 روپے ماہوار (اس زمانے میں 15 روپے بڑی رقم ہوا کرتی تھی) تک اضافہ کر سکتا تھا۔ ابھی وہ اس منصوبے پر غور کر ہی رہا تھا کہ اس کی ملاقات ایک عرب نژاد شیخ محمد الغالب سے ہوئی۔ غالب کو بھی ایسے ہی کسی پھرتیلے نوجوان کی ضرورت تھی جو کہ مال کو کسٹم سے بچانے میں اس کی مدد کر سکے۔ اس وقت تک اسمگلنگ کے کاروبار پر لوگوں کی نظر نہ گئی تھی اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کسٹم ڈیوٹی کی مد میں کتنی بڑی رقوم بچائی جا سکتی ہیں۔ اس وقت اسمگلنگ کرنے والے بھی مال صرف اتنی ہی مقدار میں لایا کرتے تھے کہ کوئی خطرہ لاحق نہ ہو یعنی چھ سات گھڑیاں، سونے کے دو تین بسکٹ یا چار پانچ ٹرانسسٹر وغیرہ۔

PdfStuff.blogspot.com

غالب نے مستان کو بتایا کہ وہ بآسانی سونے کے چند بسکٹ اپنی پگڑی، چند گھڑیاں اپنے انڈرویئر اور پگڑی میں کئی ٹرانسسٹر چھپا سکتا تھا، چونکہ وہ وہاں قلی تھا اس لیے کسی کو شک بھی نہ ہوتا۔ مستان نے اس سے پوچھا کہ اس کے بدلے میں اسے کیا ملے گا۔ غالب اس سے بہت اچھے صلے کا وعدہ کر لیا۔ لہٰذا دونوں نے ایک ساتھ کام کرنے کی ٹھان لی۔ چند ماہ کے اندر ہی مستان کی ماہانہ آمدن 15 روپے اور پھر اس سے بھی بڑھ کر 50 روپے ماہوار تک جا پہنچی۔ اسے اس کام میں بہت مزہ آنے لگا اور جلد ہی وہ ایک عرب کا بیٹا مشہور ہوگیا۔ اب وہ ایک ایسا قلی بن گیا تھا جس کا کام نظر رکھنا تھا۔ ایک بااثر عرب شخص سے اس کے تعلقات نے اسے علاقے کے غنڈوں کی توجہ کا مرکز بنا دیا۔ انہی غنڈوں میں سے ایک شیر خان پٹھان بھی تھا۔ شیر خان ان دنوں اسی بندرگاہ پر آیا جایا کرتا تھا، ان دنوں ممبئی بندرگاہ پر کوئی مزدور یونین نہ تھی، شیر خان اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ڈاکس پر قلیوں سے بھتہ وصول کیا کرتا تھا اور بھتہ نہ دینے والوں کی پٹائی کی جاتی تھی۔ مستان کئی دن تک یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں اکثر یہ خیال آتا کہ ایک ایسا شخص جو کہ نہ تو قلی تھا اور نہ کوئی سرکاری اہلکار کیونکر اس طرح سب قلیوں سے رقم وصول کیا کرتا ہے۔ بالآخر اس نے شیر خان سے نمٹنے کی ٹھان لی۔

(جاری ہے)

ممبئی انڈرورلڈ کے مرکزی کردار (دائیں سے) حاجی مستان، وردا راجن، کریم لالہ، داؤد ابراہیم، رما نائیک، چھوٹا شکیل اور ابوسالم

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

ترجمہ: عبدالقادر

دوسری قسط

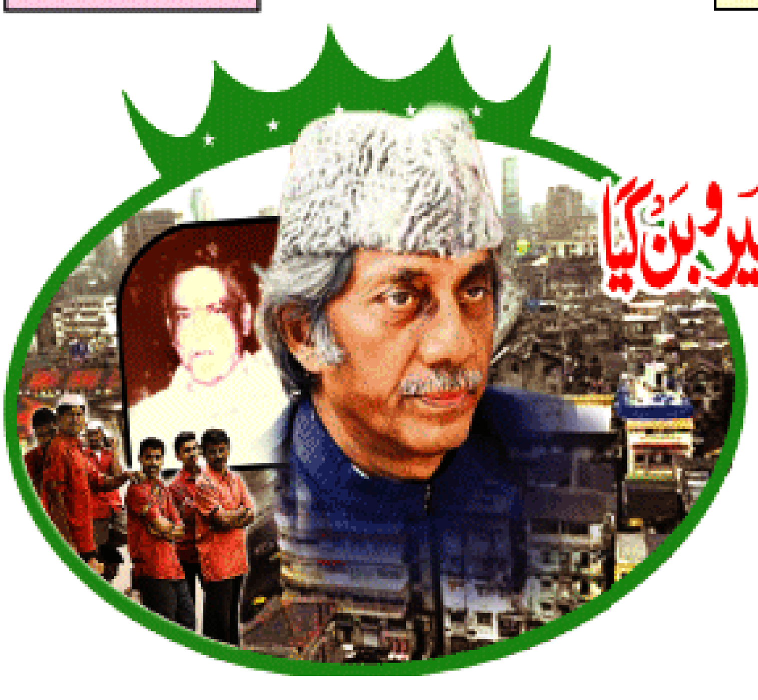

بھتہ خوروں کو مار بھگانے پر حاجی مستان قلیوں کا ہیرو بن گیا

PdfStuff.blogspot.com

سونے سے بھرے کریٹ نے مستان کی زندگی بدل ڈالی- جرائم کی دنیا کا ہندو ڈان وردارا جن بھی قلی تھا- شراب کی اسمگلنگ میں دولت کمانے کا ریکارڈ قائم کیا- مرتے دم تک لنگر تقسیم کرتا رہا- آج اس کا خاندان اس سلسلے کو برقرار رکھے ہوئے ہے- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرر ان ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردارا جن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

پچھلی قسط کے اختتام پر ذکر کیا گیا تھا کہ حاجی مستان نے قلیوں سے بھتہ وصولی کے لیے بندرگاہ آنے والے شیر خان سے نمٹنے کی ٹھان لی۔ اگلے روز مستان نے اپنے قلی ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ شیر خان بھی ان جیسا انسان ہے پھر اس سے ڈرنا کیسا، بلکہ قلیوں کے ہاتھ مزدوری کے سبب زیادہ مضبوط ہیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ذرا سی ہمت کر کے ان غنڈوں سے جان چھڑائی جا سکتی ہے۔ اگلے جمعہ کے دن جب شیر خان بھتہ وصول کرنے آیا تو اس نے محسوس کیا کہ لمبی قطار سے دس قلی غائب تھے۔ اس سے قبل کہ شیر خان کو صورتحال کا اندازہ ہوتا مستان نے اپنے دس ساتھیوں سمیت شیر خان پر حملہ کر دیا۔ پٹھان رامپوری چاقو سے مسلح تھے جب کہ مستان اور اس کے ساتھیوں کے پاس ڈنڈے اور لاٹھیاں تھیں۔ پٹھان کے پاس صرف چار افراد تھے جب کہ مستان کے پاس دس افراد تھے۔ انہوں نے مار مار کر شیر خان اور اس کے ساتھیوں کو لہولہان کر دیا اور بالآخر انہیں اپنی جانیں بچا کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔

اس فتح نے مستان کی شہرت اور افرادی قوت میں اضافہ کر دیا۔ غالب کی نظر میں بھی مستان کی عزت بڑھ گئی اور اب اس نے مستان کو محض ٹپ دینے کی بجائے اسے باقاعدہ اپنے منافع میں شراکت دار بنالیا۔ غالب نے مستان کو اپنے منافع میں دس فیصد کا شراکت دار بنالیا۔ اس نے مستان کو یہ بھی سکھایا کہ کس طرح سونے کی جانچ کی جاتی ہے اور کس طرح سونے کو مقامی مارکیٹ میں بیچنا ہوتا ہے۔ 1952ء میں مرارجی ڈیسائی نے جو اس وقت وزیر اعلیٰ برائے ممبئی پریذیڈنسی تھے۔ شراب اور دیگر اشیاء پر پابندی لگا دی، اس پابندی کے بعد اسمگلروں کی چاندی ہوگئی۔ اب یہ لوگ ان اشیاء کی قلت کے پیش نظر منہ مانگے دام وصول کر سکتے تھے۔ مستان اور غالب نے موقع کا خوب فائدہ اٹھایا اور پیسے میں کھیلنے لگے۔ مستان نے اپنے لیے ایک سائیکل خرید لی۔ جلد ہی اس نے اپنا گھر بھی بنالیا۔ اب وہ تمام قلیوں کا سرغنہ بن چکا تھا۔ لیکن اس کی یہ خوشیاں زیادہ عرصہ نہ چل سکیں۔ غالب کو پولیس نے گرفتار کر لیا اور مستان کے امیر بننے کے خواب چکنا چور ہونے لگے۔

PdfStuff.blogspot.com

غالب کی گرفتاری کے بعد مستان کے عروج کی کہانیاں زبان زد عام ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ غالب کی گرفتاری کے دوران مستان نے سونے کا ایک بکس وصول کیا۔ اس نے سوچا کہ سونا بیچ کر پیسے حاصل کرے اور اس پیسے سے مزید کاروبار کرے، یا پھر بکس کو چھوئے بغیر غالب کی رہائی کا انتظار کرے۔ تاہم اپنے اندر ہونے والی اس کشمکش میں اس نے اپنی لالچ پر قابو پالیا اور بکس کو کھولے بغیر گھر میں کہیں چھپا کر رکھ دیا۔ غالب کو تین سال قید کی سزا سنائی گئی تھی، مستان واپس بندرگاہ پر آ گیا اور قلیوں اور دیگر چھوٹے موٹے اسمگلروں کی مدد کرنے لگا۔ غالب سزا کاٹنے کے بعد واپس آیا تو اس کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ دوران قید اس نے اپنی تمام جمع پونجی مقدمات کی نذر کر دی تھی۔ اس کے گھر والے بھی پریشانی کا شکار تھے۔ اب وہ منصوبے بنا رہا تھا کہ گھوڑوں کا کام شروع کرے، ہوٹل کھولے یا اپنے وطن دبئی واپس چلا جائے۔ لیکن فوری طور پر وہ کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

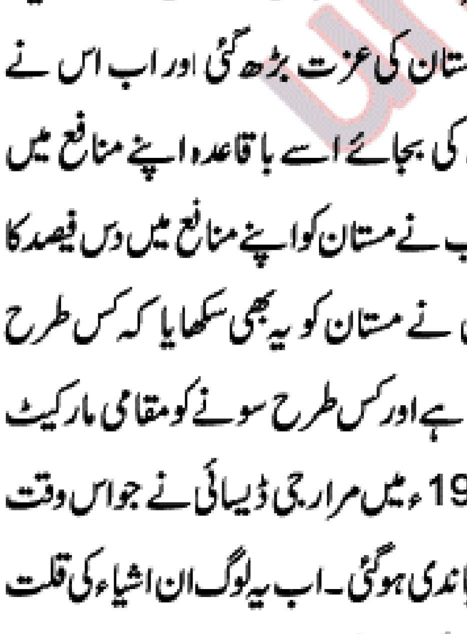

PdfStuff.blogspot.com

چار ہفتے غالب پریشان رہا اور گھر کا سامان بیچ بیچ کر گزارا کرتا رہا، اسی اثناء میں اس کی ملاقات اپنے اس پرانے ملازم مستان سے ہوگئی۔ مستان اسے گھر لے گیا اور اسے لکڑی کا وہ کریٹ دکھایا جسے تین برسوں کے دوران اس نے ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔ غالب کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مستان نے کہا کہ اگر پولیس آتی تو تلاشی لیتی لہٰذا میں نے اس کریٹ کو گندے کپڑوں کے نیچے چھپا رکھا تھا اس لیے اس کی جانب کسی کا دھیان نہیں گیا۔ غالب نے مستان سے کہا کہ تم یہ سونا لے کر فرار کیوں نہ ہوئے، تم ممبئی کے بادشاہ بن سکتے تھے، مستان نے کہا کہ مجھے میرے والد نے نصیحت کی تھی کہ تم سب کو دھوکہ دے سکتے ہو لیکن اپنے بنانے والے کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد مستان نے کہا کہ میں اب بھی ممبئی کا بادشاہ بن سکتا ہوں۔ یہ بات سن کر فرط جذبات سے غالب کی آنکھیں بھر آئیں اور اس نے کہا کہ بے ایمانی سے بھری اس دنیا میں آج بھی ایماندار لوگ موجود ہیں۔ غالب نے کہا کہ وہ مستان کو اس سونے میں آدھے حصے کا شریک بنائے گا۔ مستان نے کہا کہ یہ میری زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ ہے جب کہ میں تمہارا دوست اور پارٹنر بن گیا ہوں۔ دونوں نے ہاتھ ملالیا۔ اس کے بعد سونے کی اسمگلنگ نے مستان کے دن پھیر دیئے۔ 1955ء میں مستان پانچ لاکھ روپوں کا مالک تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

مستان نے نوکری چھوڑ کر اسمگلنگ کو ہی اپنا پیشہ بنالیا۔ غالب، ممبئی سے چلا گیا اور مستان کو دبئی، عدن اور افریقہ سے سونا، گھڑیاں اور دیگر اشیاء بھیجنے لگا۔ اب دونوں ففٹی ففٹی کے پارٹنر تھے، مستان، اسمگلنگ کی دنیا میں اپنی ایمانداری کی وجہ سے بہت مشہور ہو گیا اور اس کی دولت میں بے پناہ اضافہ ہوتا چلا گیا اور پھر ایک وقت آیا کہ مستان شکر نارائن بکھیا کی ٹکر پر آ گیا اور گجرات کا سب سے بڑا اسمگلر اور مالدار ترین شخص بن گیا۔ بعد ازاں بکھیا اور مستان بھی پارٹنر بن گئے اور انہوں نے علاقے آپس میں بانٹ لیے، یوں دیکھتے ہی دیکھتے مستان ممبئی کا طاقتور ڈان بن گیا۔ حاجی مستان کے عروج و زوال اور اس کی دیگر سرگرمیوں کا ذکر کتاب میں آگے چل کر مختلف مقامات پر کیا گیا ہے جو اسی مناسبت سے بیان کیا جاتا رہے گا۔ اس سے پہلے جرائم کی دنیا میں حاجی مستان کے ایک ہم عصر ہندو گینگسٹر وردارا جن کی داستان بیان کرنا ضروری ہے۔ اتفاق سے وہ بھی نہ صرف یہ کہ تامل ناڈو سے ممبئی آیا بلکہ حاجی مستان کی طرح قلی بھی تھا۔

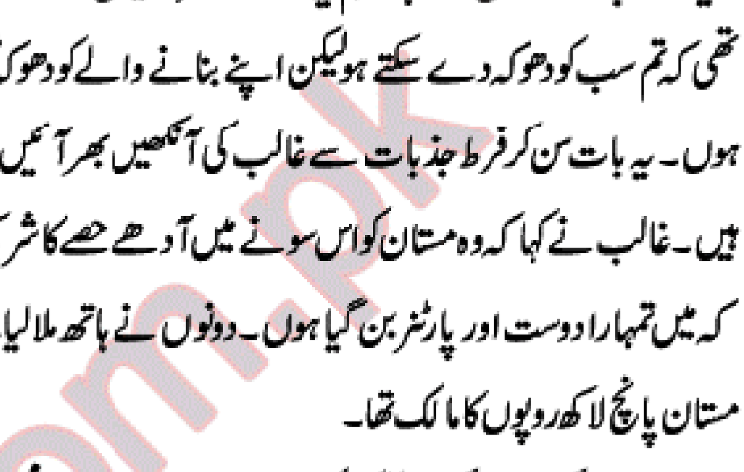
حاجی مستان اپنے لے پالک بیٹے سندر شیکھر کے ساتھ

PdfStuff.blogspot.com

جھلستی دھوپ میں ایک دوپہر تامل ناڈو سے آیا ہوا ایک لڑکا وردارا جن بڑی محنت اور بے جگری سے وکٹوریا اسٹیشن پر کام میں مصروف تھا۔ یہی وہ دور تھا جبکہ حاجی مستان زندگی کی گاڑی کو کھینچنے کی خاطر بمبئی پورٹ پر قلی کا کام کیا کرتا تھا۔ لیکن دونوں اس بات سے قطعی ناآشنا تھے کہ مقدر انہیں ایک دوسرے کے قریب لانے والا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ دونوں نے ایک دن بطور ڈان جرم، پیسے اور طاقت کی دنیا میں قدم رکھنا ہے۔ کہانی مشہور ہے کہ یہ مدراسی کالا بابو بمبئی میں ایک کلچر کو تبدیل کرنے کا باعث بنا۔ اس نے چائے کی جگہ کولا کو رواج دیا۔ ان دنوں ایک چائے والا بمبئی کے مرکز میں واقع پولیس اسٹیشنوں میں موجود افسران اعلیٰ کی میزوں پر چائے کی جگہ کولا رکھ دیا کرتا تھا۔ کولا رکھنے کی دیر ہوتی تھی کہ ان افسران کے کمروں میں موجود جونیئر افسران فوری باہر نکل جایا کرتے تھے۔ دراصل کولا کا میز پر موجود ہونا اس بات کا پیغام ہوتا تھا کہ کالا بابو (وردارا جن) پولیس اسٹیشن کی جانب رواں دواں ہے۔ یہ کالے بابو کا پیغام ہوتا تھا کہ ''میں تم سے ملنے آ رہا ہوں۔ مناسب بندوبست کر کے رکھو۔'' بمبئی میں مافیا کو اس انداز سے چلانے والا پھر کوئی پیدا نہ ہوا۔

PdfStuff.blogspot.com

وردارا جن منی سوامی موڈالیار، تامل ناڈو کے ایک قصبے ویلور میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس خاندان کے معاشی وسائل کافی محدود تھے۔ 1926ء کی بات ہے جب محض 7 برس کی عمر میں وردارا جن نے ماؤنٹ روڈ مدراس پر واقع ایک فوٹو اسٹوڈیو میں باہر والے کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی یوں وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کر پایا۔ لیکن تامل ناڈو میں موجود اپنے خاندان میں وہ واحد شخص تھا جو کہ انگریزی زبان پڑھ لکھ سکتا تھا۔ وردارا جن بمبئی محض اپنے سہانے خواب لے کر آیا تھا اور بالآخر وکٹوریا اسٹیشن پہنچا۔ وہ بچپن سے ہی سخی اور فیاض تھا۔ سارا دن سخت محنت کرنے کے بعد شام کو ایک درگاہ پر جا کر غریبوں میں لنگر اور نیاز تقسیم کیا کرتا۔ یہ بسم اللہ شاہ بابا کا 260 سالہ قدیم مزار تھا جہاں وہ نہایت عقیدت کے ساتھ حاضری دیا کرتا تھا۔ جوں جوں یہ ترقی کرتا گیا مزار پر غریبوں کے لیے اس کا دسترخوان بھی وسیع ہوتا چلا گیا۔ قلی سے ڈان بننے تک اس نے درگاہ سے اپنا عقیدت اور لنگر کا رشتہ قائم رکھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ وہ اس درگاہ کا مقروض ہے۔ اسی درگاہ نے بمبئی آنے کے بعد اس کو چھت فراہم کی تھی۔ اس کے خاندان والے آج تک اس روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ آج ان کے دسترخوان سے 19000 افراد پیٹ بھر کھانا کھاتے ہیں۔ البتہ پولیس کے کھاتوں میں ہمیں صرف اس کے جرم کی کہانیاں ملتی ہیں۔ البتہ اس کی سخاوت کی کہانیاں بمبئی بالی ووڈ کی فلموں ''نیا کان'' اور ''دایا دان'' میں دکھائی گئی ہیں۔

ویلور کا یہ معصوم لڑکا بمبئی کی بل کھاتی گلیوں میں خالی ہاتھ قسمت آزمانے آیا تھا۔ اس کے ساتھی قلی چھوٹے موٹے چور بن گئے لیکن اس نے بہت جلد بہت سارا پیسہ کمانے کے گر سیکھ لیے تھے۔ دن بھر کی محنت سے اس کے ہاتھ صرف چند سکے اور راہ گیروں کی گالیاں ہی آتی تھیں۔ لیکن اس نئے حلقے میں اسے اس تنہائی سے بھرے شہر میں بڑے گہرے دوست میسر آ گئے۔

PdfStuff.blogspot.com

1952ء میں جب مرارجی ڈیسائی نے نشہ آور اشیا بالخصوص شراب پر پابندی لگائی تو اس سے شراب نوشی کے غیر قانونی دھندے کو بہت فروغ ملا۔ یہ پابندی وردارا جن موڈالیار کے لیے ایک نیا موڑ ثابت ہوئی۔ اپنے مقامی نیٹ ورک کے ذریعے اس نے ان لوگوں تک رسائی حاصل کی جو کہ اس دھندے میں پہلے ہی سے ملوث تھے۔ ایک پولیس والا جس نے کبھی خراب دنوں میں اسے گرفتار کیا تھا بتاتا ہے کہ ''وہ زبان کا دھنی تھا۔ شراب مافیا کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو کہ لفاظی کے ذریعے ان کے پھنسے کام نکال سکتا ہو اور اس میں یہ گر موجود تھا۔ اس میں یہ صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ وہ اپنی کوئی بھی بات منوا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ پوری فوج کو موت کے گھاٹ اتار کر بھی اس کا جواز پیش کر سکتا تھا۔'' اسے اینٹاپ ہل سینٹرل بمبئی میں اپنا بیس بنانے میں چند ہی دن لگے۔ اسی علاقے نے وردا کو وردا بھائی بنا دیا۔ اس علاقے کے گلی کوچوں نے ایک معصوم نوجوان کو ایک مشہور ڈان میں ڈھلتے دیکھا ہے۔

PdfStuff.blogspot.com

اس علاقے کے جغرافیہ نے اسے وردا کے کاروبار کے لیے انتہائی موزوں بنا دیا تھا۔ جگہ جگہ پھیلی جھگیوں میں جانا اور جرائم پیشہ افراد کو تلاش کرنا پولیس کے بس کی بات بھی نہ تھی۔ غریب جھگی باسیوں کے ساتھ ہی بہت سے غیر قانونی تارکین وطن بھی وہاں آباد تھے۔ ایک پولیس والے کے مطابق ''ان دنوں اس علاقے میں یہ بات لوگوں کے لیے فخر کا باعث تھی کہ ان کا نام پولیس کی چارج شیٹ میں موجود ہے۔ یہ لوگ ایف آئی آر میں اپنے نام ایسے فخر سے گنواتے تھے گویا کہ انہیں کوئی ایوارڈ مل گیا ہو۔ چھوٹے موٹے جرائم میں پکڑے جانے والوں کا تو خوب مذاق اڑایا جاتا تھا۔'' مقامی افراد اور رشوت خور پولیس والوں کی مدد سے بمبئی شہر میں مے خانے کھولے جانے لگے۔ جس دوران وردارا جن نے اس کاروبار میں قدم رکھا ان دنوں یہ کام اپنے اولین مراحل سے گزر رہا تھا۔ یہ علاقہ ان دنوں غیر برہمن تاملوں سے بھرا پڑا تھا۔ جگہ جگہ شراب کی بھٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ پولیس کی فائلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وردارا جن نے اس کاروبار میں سب سے زیادہ پیسہ کمایا۔ اس نے جنوبی ہندوستان سے اپنے تعلق کا خوب فائدہ اٹھایا۔ اس نے لوگوں کو ہمنوا بنا کر منی تامل ناڈو اور شراب کے دھندے کی بنیاد رکھی۔ اس نے اپنے نیٹ ورک کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کی غرض سے دیگر علاقوں کا رخ بھی کیا۔ تامل ناڈو سے آنے والے تمام بے روزگار افراد بالآخر وردارا جن سے ملنے اور اس کے اس دھندے کا حصہ بن جاتے۔ ٹھیے سے دکان، دکان سے بھٹی، بھٹی سے سپلائی اور بالآخر پرائیویٹ آرمی کی صورت میں یہ شخص اپنا اثر و رسوخ بڑھاتا ہی چلا گیا۔

ایک صحافی پرادیپ شند جو کہ اس کاروبار پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا لکھتا ہے کہ ''وردا بھائی کی بادشاہت کا دارومدار مکمل طور پر غیر قانونی شراب کی وصولی اور تقسیم پر تھا۔ شراب، ٹائر کی ٹیوبوں میں بھر کر سپلائی کی جاتی تھی۔'' وہ مزید لکھتا ہے کہ ''اس کی شراب سپلائی کرنے والوں میں بہت سے ریٹائرڈ اور معطل کئے گئے پولیس والے شامل تھے جنہوں نے پیسے کی چکا چوند دیکھ کر اپنی لائن تبدیل کر لی تھی۔'' ٹائر کے علاوہ شراب کی سپلائی مشکیزوں اور کار کی ڈگی میں رکھے ڈرموں میں بھی کی جاتی رہی۔

PdfStuff.blogspot.com

رپورٹ کے مطابق ''بمبئی میں ان گاڑیوں کو با آسانی پہچانا جا سکتا تھا۔ ان کی اگلی سیٹ زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کرنے کی غرض سے ہٹالی جاتی تھی۔ ایسی پولیس چیک پوسٹیں جہاں انہیں سخت تلاشی دینا پڑتی تھی اسے وہ لوگ ''گرم جگہوں'' کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ ایسی پوسٹوں سے گزرنے والی سپلائی کے ساتھ ایک گاڑی اور چلا کرتی تھی۔ سخت چیکنگ کی صورت میں اس گاڑی کا کام پولیس والوں کو مصروف رکھنا ہوتا تھا۔''

وردا کے ہاتھ اس وقت بے تحاشا قوت آئی جب وہ بمبئی شہر میں کسی بھی شخص کے لیے غیر قانونی راشن کارڈ، بجلی کا کنکشن اور پانی کی سپلائی وغیرہ حاصل کرنے کے قابل ہو گیا۔ وہ مقامی انتظامیہ کے مقابلے میں زیادہ مستعدی سے کسی شخص کو وہاں کا شہری بنا سکتا تھا۔ لوگوں کا ایک طوفان بمبئی شہر کی جانب امڈنے لگا۔ آنے والوں میں بالخصوص جنوبی بھارت کے لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ یہ لوگ کرناٹک، تامل ناڈو، آندھرا پردیش اور کیرالہ جیسے پسماندہ علاقوں سے یہاں آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کچی آبادیاں دور دور تک پھیلنے لگیں۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ آرائی نہ ہوگی کہ وردا نے دھروی کے علاقے کو ایشیا کی سب سے بڑی کچی آبادی بنا ڈالا۔ اس نے کچھ ایسا بندوبست کر رکھا تھا کہ لوگ اندھا دھند اس کے لیے کام کئے جا رہے تھے۔ 1960ء کی دہائی کی پریس رپورٹوں کے مطابق صرف غیر قانونی شراب کے دھندے سے ہی وہ 12 کروڑ روپے سالانہ کما رہا تھا۔ یہ اس وقت ایک بہت بڑی رقم تھی۔ ان دنوں کسی خفیہ کاروبار میں اتنی بڑی رقم کمانا معنی رکھتا تھا۔ وردارا جن کا کنٹرول نہ صرف اپنے کاروباری حلقے میں تھا بلکہ ارد گرد کے لوگ بھی اس کے زیر اثر آ چکے تھے۔ جب وردا کے کارندے شراب بناتے تو برتنوں کی آواز سے قریب ہی رہنے والے ایک پڑوسی کو بہت الجھن محسوس ہوتی۔ اس پر اس نے اینٹاپ ہل پولیس اسٹیشن میں شکایت کر دی۔ وہ شخص آج تک اینٹاپ ہل پولیس اسٹیشن کے ریکارڈ میں لاپتہ افراد کی فہرست میں موجود ہے۔

PdfStuff.blogspot.com

وردا کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ اپنے نام پر چلائے جانے والے اس دھندے میں سے انتہائی ہوشیاری کا مظاہرہ کرنا تھا۔ گو کہ اس نے رشوت کے بل بوتے پر انٹیلی جنس نیٹ ورک تو ناکام بنا دیا تھا لیکن دوسرا اسرا اب بھی کھلا تھا۔ ساٹھ کی دہائی میں چھپنے والی ایک پریس رپورٹ میں کئی انکشافات کئے گئے۔ رپورٹ کے مطابق پولیس، فی اڈہ 5000 روپے بھتہ وصول کر رہی تھی۔ ہر پولیس اسٹیشن کی زیر نگرانی اس قسم کے 75 سے 150 اڈے چلائے جا رہے تھے۔ اڈے کے مالکان صرف ایک مضافاتی علاقے سے 50,000 روپے ماہوار کما رہے تھے۔

وردا نے کام کو مزید بہتر بنانے کی غرض سے علاقوں کو بانٹ رکھا تھا۔ ایک علاقہ کے کارکن دوسرے علاقے میں مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔ ان لوگوں کے مابین زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی دوڑ لگی رہتی تھی۔ اپنے کاروبار پر نظر رکھنے کی غرض سے اس نے تامل ناڈو سے آئے ہوئے دو افراد کو اپنا نائب مقرر کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک تھامس کورین عرف خاجہ بھائی اور دوسرا موہندرا سنگھ وگ عرف بڑا سوما تھا۔ آہستہ آہستہ وردا بھائی حکومتی زمینیں بھی ہتھیانے لگا۔ اس نے یہ زمینیں قبضہ کر کے ہجرت کر کے آنے والے نئے لوگوں کو من مانے داموں پر دینا شروع کر دیں۔ یہ لوگ بمبئی میں کاٹن مل کے مراکز دادر، سیون متونگا، دھروی اور وڈالا میں قابض ہونے لگے۔

PdfStuff.blogspot.com

شراب کے ساتھ ساتھ وردا جسم فروشی کے دھندے سے بھی وابستہ ہو گیا۔ گو کہ وردا اس دھندے میں ذاتی طور پر ملوث نہ تھا لیکن اسے اس بات کا علم تھا کہ اس کے کارندے اس دھندے سے بڑا پیسہ کما رہے تھے۔ ایک پولیس کمشنر کے مطابق اس نے اپنے کارندوں سے کبھی بھی اس دھندے کو ختم کرنے کو نہ کہا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بذات خود بھی اس منافع میں دلچسپی رکھتا تھا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ اس دھندے کے کرتا دھرتا ہیجڑے ہوا کرتے تھے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں ان ہیجڑوں کی کوئی حیثیت نہ تھی اتنی طاقت ہاتھ آنے پر وہ وردا بھائی کے بے حد مشکور تھے۔ گو کہ وردا بھائی کا بزنس اب دس گنا بڑھ چکا تھا لیکن اب تک ساٹھ کی دہائی میں اصل دھندہ اسمگلنگ کو ہی سمجھا جاتا تھا۔ اسمگلنگ کی دنیا میں منافع کا سب سے بڑا حصہ سونے کی اسمگلنگ میں پنہاں تھا۔ عرب ممالک میں اپنے مضبوط روابط کی وجہ سے سونے کی اسمگلنگ پر مسلمان چھائے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک حاجی مستان تھا۔ آگے چل کر سونے کی اسمگلنگ نے بالآخر ان دونوں کو آپس میں ملانا تھا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

منگل 23 اکتوبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

تیسری قسط

ترجمہ: عبدالقادر

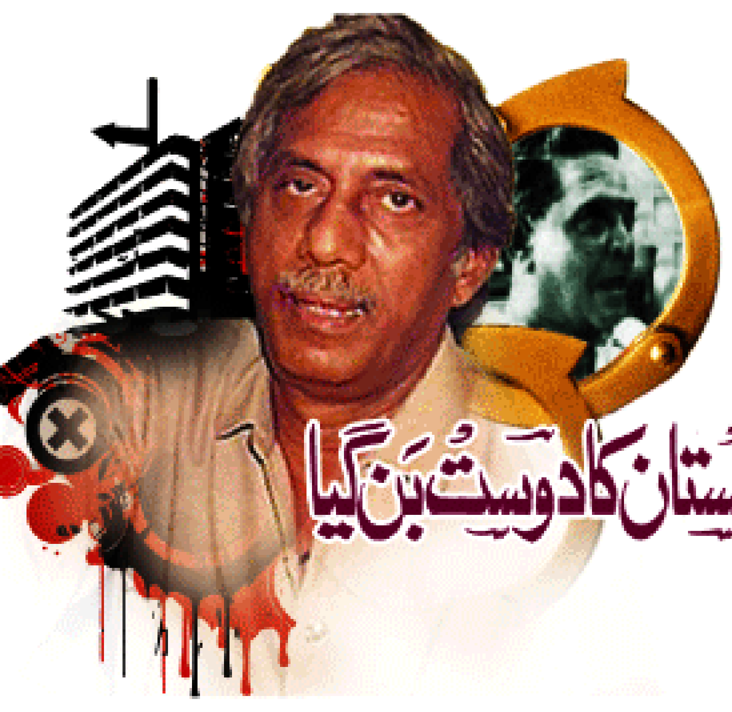

PdfStuff.blogspot.com

حوالات سے چھڑانے پر ورادا راجن۔ حاجی مستان کا دوست بن گیا

چوری کا اعتراف کرانے کیلئے کسٹم حکام جب ورادا راجن پر تھرڈ ڈگری تشدد کی تیاری کر رہے تھے تو ڈرامائی انداز میں حاجی مستان آ پہنچا۔ ورادا راجن کو ساتھ مل کر کام کرنے کی پیشکش کر ڈالی۔ اس روز بمبئی کے دو ڈان ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج ممبئی ٹیرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرر ان ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارادا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

گزرتے وقت کے ساتھ حاجی مستان کی مالی حیثیت مستحکم سے مستحکم تر ہوتی چلی گئی، لیکن ھل من مزید کی آگ اب تک ٹھنڈی نہ پڑی تھی۔ اس لیے ایک مرتبہ جب بات چیت کے دوران اس کے ساتھی بکھیہ نے حاجی مستان سے کہا کہ گجرات کا رخ کرنے سے قبل اسے چاہئے کہ وہ خود کو پوری طرح بمبئی کا بادشاہ بنائے، تو حاجی مستان کو یہ بات کانٹے کی طرح چبھی۔ اتنے بڑے اسمگلر کے لیے یہ بات منہ پر طمانچے سے کم نہ تھی۔ حاجی مستان نے شہر بھر پر قبضے کی ٹھان تو رکھی تھی، لیکن اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ اس کام کے لیے اسے کسی بھیم شحیم اور طاقتور شخص کی ضرورت تھی جس کے اعصاب بھی فولادی ہوں۔ صرف ورادا راجن ہی وہ شخص تھا، جو کہ حاجی مستان کے معیار پر اس مقصد کے لیے پورا اتر سکتا تھا۔ اس وقت اگرچہ ورادا راجن صرف بمبئی کے مرکز میں ایک ڈان کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن پورے شہر میں کچھ بھی کروانے کی سکت اس میں تھی۔ نندو مستام جیسے اس کے کارندے ویرسووا، وسائی، ویرار اور پلغار جیسے دور دراز ساحلوں تک مال پہنچا سکتے تھے۔ مستان کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا، جو اسے ورادا راجن کے قریب لے آئے۔ اور پھر ایسا موقع آ ہی گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت بھی ان دونوں کو ملانا چاہ رہی تھی۔

ورادا کسٹم ڈاکس سے ایک اینٹینا چرانے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ دراصل یہ کنسائنمنٹ (کھیپ) یونین منڈی سے تعلق رکھنے والے ایک سیاست دان کے لیے بطور خاص منگوایا گیا تھا۔ اولاً تو کسٹم حکام اور محکمۂ پولیس کو اس سلسلے میں کوئی اشارہ نہ مل سکا کہ اس چوری کے پیچھے ماسٹر مائنڈ کون تھا۔ تاہم محض شبہے میں ورادا کو دھراوی میں اس کی کمین گاہ سے اٹھا لیا گیا۔ پولیس والوں نے ورادا کو معاملے کی نزاکت سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ اگر اس نے اس سلسلے میں زبان نہ کھولی تو اسے تھرڈ ڈگری ٹارچر کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آزاد میڈن کے حوالات میں بیٹھا ورادا راجن گہری سوچ میں غرق تھا کہ اس نے سفید لباس میں ملبوس ایک شخص کو اپنی جانب آتے دیکھا، جو اپنے حلئے سے انتہائی باثروت دکھائی دیتا تھا۔ وہ شخص 555 مارکہ سگریٹ کے دھویں کو اڑاتے ہوئے بڑے باوقار انداز سے آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ حوالات کی سلاخوں کے پاس آ کر رکا۔ یہ حاجی مستان تھا۔ اس اثنا میں کسی پولیس والے کی ہمت نہ ہوئی کہ اسے روکے۔ سالہا سال کی اسمگلنگ نے نہ صرف کئی کسٹم حکام کو مستان کا ہمنوا بنا دیا تھا، بلکہ بہت سے کسٹم والے تو اسی کے ٹکڑوں پر پل رہے تھے۔ حاجی مستان نے کسٹم والوں کو اس بات کی یقین دہانی کرا دی تھی کہ ان کا کنسائنمنٹ بازیاب کرانا اس کا کام ہے، لیکن ورادا کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ اس وقت بمبئی کی مافیا میں دو ہی تامل ڈان تھے۔ حاجی مستان اور ورادا راجن۔ لیکن یہ دونوں اپنی ذات میں زمین و آسمان کی طرح مختلف تھے۔ حاجی مستان اپنے رکھ رکھاؤ کی وجہ سے مشہور تھا۔ جبکہ دوسری جانب ورادا راجن ایک انتہائی ناشائستہ غنڈے کی شہرت کا حامل تھا۔ حاجی مستان ورادا کے قریب آیا اور اسے ''ونا کم تھالیوار'' کہا۔ ورادا تامل زبان میں حاجی مستان کی زبان سے سلام سن کر بہت حیران ہوا۔ ورادا کچھ دیر ورطۂ حیرت میں پڑ گیا۔ اس کے بعد دونوں میں کچھ دیر تامل زبان میں تبادلۂ خیال ہوا۔ دراصل ''تھالیوار'' کسی شخص کو انتہائی عزت دینے کے لیے کہا جاتا ہے۔ جب سے ورادا حوالات میں پڑا تھا، کسی شخص نے پہلی مرتبہ اس سے تمیز کے ساتھ بات کی تھی اور وہ بھی اس کی اپنی زبان میں۔ ایک جانب تو باعزت انداز سے ورادا کو پکارنے کے سبب وہ حاجی مستان کا ہمنوا بنا۔ جبکہ دوسری جانب حاجی مستان تامل زبان میں اس لیے بات کر رہا تھا کہ پولیس والوں کو اس بات کا قطعاً اندازہ نہ ہو، حاجی مستان، ورادا کے ساتھ مل کر کام کرنے کا کوئی منصوبہ بنا رہا ہے۔

کچھ یہاں وہاں کی باتیں کرنے کے بعد جب حاجی مستان کو اندازہ ہوا کہ اب دونوں کے درمیان حائل اجنبیت کی گھائی پاٹی جا چکی تو اس نے ورادا سے براہ راست اپنا مدعا پیش کر دیا: ''ان لوگوں کو اینٹینا واپس کر دو اور میرا یقین کرو کہ میں تمہیں ایسے ایسے گر بتاؤں گا کہ پہلے سے زیادہ دولت میں کھیلو گے۔'' اس بات نے ورادا کو حیرت زدہ کر دیا۔ ورادا سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ حاجی مستان کسٹم والوں کی زبان بولے گا۔ اس بات پر اس نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا: ''اور اگر میں یہ کہوں کہ میرے پاس اینٹینا ہے ہی نہیں یا اگر ہے بھی تو میں کبھی بھی انہیں نہیں دوں گا تو۔''

مستان نے بڑے ہی دھیمے اور ٹھنڈے انداز سے کہا۔ ''اگر تم سمجھتے ہو کہ ایسا کر کے تم کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہو تو یہ تمہاری غلط فہمی ہوگی۔ نہ اس سے میرا کوئی نقصان ہوگا۔ میرا کاروبار تو سونا اور چاندی ہے۔ میں چور بازار میں بیچی جانے والی چھوٹی موٹی چیزوں پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ میں تمہیں ایک ایسی پیشکش کر رہا ہوں جسے کوئی ذی شعور انسان ٹھکرانے کی بے وقوفی نہیں کر سکتا۔ اینٹینا واپس کر دو اور سونے کے کاروبار میں میرے شریک بن جاؤ۔''

ورادا ایک مرتبہ پھر گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ گویا کہ مستان نے چند ہی الفاظ میں پورا فلسفۂ حیات اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ نہ صرف اپنے انداز گفتگو سے حاجی مستان نے ورادا کے خدشات کو کافی حد تک رفع کر دیا تھا، بلکہ اسے ایک ایسی پیشکش بھی کر دی تھی جسے ٹھکرانا بہت مشکل تھا۔ یہ ایسا وقت تھا کہ حاجی مستان، ورادا کے مقابلے میں نہ صرف انتہائی باثروت انسان تھا بلکہ اس کا اثر و رسوخ بھی مثالی تھا۔ دوسری جانب ورادا نے اس دنیا میں ابھی نام پیدا کرنا تھا۔ اس باہمی تفاوت نے ورادا کو حاجی مستان کی شخصیت کی جانب کھینچنا شروع کر دیا۔ گویا کہ مقناطیس لوہے کو اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔ حاجی مستان نے ورادا کو اتنی بڑی پیشکش کر کے گہری سوچ اور شش و پنج میں مبتلا کر دیا تھا۔ ورادا نے پوچھا۔ ''ان سب باتوں سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟'' اس پر مستان نے بڑی صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''مجھے بمبئی جیسے شہر میں تم جیسے طاقتور انسان اور اس کے کارندوں کی ضرورت ہے۔''

PdfStuff.blogspot.com

ورادا نے اس زندگی کے خم و پیچ دیکھے تھے۔ اسے اندازہ تھا، کسٹم حکام کی جانب سے تذلیل اور تشدد سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک سنہرا موقع قدرت نے اسے فراہم کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے اینٹینا کے بارے میں زبان کھولنے اور حاجی مستان کی پیشکش قبول کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کر دی۔ اور پھر پولیس والوں نے وہ عجیب منظر بھی دیکھا کہ سفید رنگ کے نفیس کرتے میں ملبوس حاجی مستان اپنی شخصیت کی انتہائی ضد دھوتی بنیان پہنے ورادا راجن سے پرجوش انداز میں مصافحہ کر رہا تھا۔

کسٹم حکام کو کنسائنمنٹ مل گیا اور ان کی نوکریاں محفوظ ہو گئیں، جبکہ دوسری جانب حاجی مستان کو ایک با اعتماد ساتھی مل گیا۔ دریں اثنا ورادا کو اپنی آنکھوں میں سجے خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے نظر آنے لگے۔ کسٹم حکام نے اپنے الفاظ کی پاسداری کرتے ہوئے ورادا کو حوالات سے رہا کر دیا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

PdfStuff.blogspot.com

بیرون ملک اسمگل چاندی مستان کے نام پر بکتی تھی

لوگوں کو یقین ہوتا تھا کہ یہ سو فیصد خالص چاندی ہے۔ مستان کا ساتھی بننے پر

ورادا راجن خوشی سے نہال تھا۔ جلد ہی بمبئی پورٹ پر اس نے چالبازی کا ایسا نیٹ ورک

قائم کردیا کہ کروڑوں میں کھیلنے لگا۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، واردا راجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

PdfStuff.blogspot.com

جب ورادا راجن اپنی کمین گاہ واپس لوٹا تو اس کے ساتھی اس بات کی توقع کر رہے تھے کہ وہ انتہائی غصے کے عالم میں ہوگا اور زخمی شیر کی طرح دھاڑ دھاڑ کر انہیں باور کروائے گا کہ وہ آج بھی پہلے کی طرح ان کا غیر متنازعہ سرغنہ ہے۔ اس کے کارندے سوچ رہے تھے کہ وہ انہیں اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کرے گا کہ اس کی گرفتاری کو اس کی کمزوری سمجھنے کی غلطی نہ کی جائے۔ ان تمام توقعات کے برعکس ورادا انتہائی مطمئن اور خوشی سے لبریز چہرہ لے کر ان کے سامنے نمودار ہوا۔ اس نے آتے ہی ایک دعوت کے اہتمام کا حکم صادر کر دیا۔ ورادا کے انتہائی قریبی ساتھی بھی اس رویے سے ششدر تھے۔ وہ اس بات پر بھی انگشت بدنداں تھے کہ ورادا نے انہیں ایتھینا کنسائنمنٹ واپس کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ ان کی سوچ صرف واقعات کا تعاقب اسی حد تک کر پا رہی تھی کہ ایسا کرنا تو ایک بڑے مالی نقصان پر منتج ہوگا۔ لیکن ان تمام فکروں سے آزاد ورادا نے اپنے تمام لوگوں کو ایک دعوت کا اہتمام کرنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ اس کے کارندے اس بات سے نا آشنا تھے کہ درخت اب پھلدار ہو چکا ہے، اسی لیے اس میں جھکاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اس نے ایتھینا کنسائنمنٹ کے بدلے اپنی زندگی کا سب سے بڑا سودا کیا تھا۔ حاجی مستان کے ساتھ کام کرنا تو ہمیشہ سے اس کا دیرینہ خواب تھا۔ لیکن وہ محض ایک کارندے کی حیثیت سے کام کرنے کے بجائے پلیٹ میں اپنے بھرپور حصے کا خواہاں تھا۔ حوالات میں تو پرتپاک تال لفاظی کے ذریعے حاجی مستان اور ورادا آپس میں ایک معاہدہ کر چکے تھے۔ رہائی کے بعد ورادا ایک ہفتے اپنے بستر پر لیٹے یہی خواب دیکھتا رہا کہ قدرت نے اسے چھوٹے موٹے کاموں سے نکل کر چڑھتے سورج حاجی مستان کا بازو بننے کا سنہرا موقع فراہم کیا ہے۔

ورادا کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ اسمگلنگ میں قدم رکھنا اس کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اسمگلنگ کے دھندے میں بڑے بڑے ہاتھیوں نے پہلے ہی اپنے علاقے بانٹ رکھے تھے۔ اب وہ اسمگلنگ جیسے انتہائی ثمر آور دھندے میں قدم جمانے کے بہت قریب تھا۔ انتہائی شاطر ورادا کے نزدیک قانونا درآمد کئے جانے والے سامان کو بذریعہ اسمگلنگ بیچ کر منافع کمانے میں بڑی کشش محسوس ہو رہی تھی۔ اس مقصد کے لیے اسے بمبئی پورٹ ٹرسٹ ڈاکس پر اپنے کارندوں کو مستعد کرنا تھا۔ کرائم برانچ کے ریکارڈ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ورادا نے اپنے زمانے کے تعلقات کو اس ضمن میں بخوبی استعمال کیا جب وہ ایک قلی ہوا کرتا تھا۔ سارے معاملات انتہائی رازداری اور باریک بینی سے طے پا رہے تھے۔ ورادا کا نیٹ ورک مضبوط ہوتے ہی تھرن الویلی سے آئی ہوئی سستی لیبر کو بڑی تعداد میں کام پر لگا دیا گیا۔

اس نیٹ کے تانے بانوں سے لیبر، کسٹم حکام اور افسران اور بمبئی پورٹ ٹرسٹ ڈاکس کے اہلکاروں کو بڑی احتیاط کے ساتھ جوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر یہ نیٹ ورک اپنی مطلوبہ شکل میں نمودار ہوا۔ تیس ہزار مربع فٹ پر محیط رقبے میں قائم 53 شیڈز میں جیسے ہی مال اتارا جاتا، اس کا خاطر خواہ حصہ ''لاپتہ کارگو'' کی نذر ہو جاتا۔

ورادا کی جانب سے بھرتی کرائے گئے کارکنان ڈاکس پر فوراً سے پہلے مال کو ادھر ادھر کر دیا کرتے تھے۔ پھر اس سامان کو غلط ڈیلیوری، لاپتہ سامان، غلط جگہ پر پہنچایا گیا سامان، شارٹ لینڈنگ اور غرضیکہ ہر اس درجہ بندی کے مطابق منقسم اور منسوب کر دیا جاتا تھا کہ ٹرانسپورٹر کی بک میں ہر ممکنہ اندراج ہو جائے۔ درآمد کنندہ مال کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروانے کے بعد اپنی رقم انشورنس کمپنی سے وصول کر لیا کرتا تھا۔ سامان ورادا کے قبضے میں آجاتا تھا جو کہ درآمد کنندہ سے انشورنس کی آدھی رقم وصول کرنے کے بعد بغیر ڈیوٹی ادا شدہ مال اونے پونے داموں میں درآمد کنندہ کو پہنچا دیا کرتا تھا۔ اولاً تو درآمد کنندگان کو ان جرائم سے پریشانی محسوس ہوئی، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ورادا سے گٹھ جوڑ کرنے میں انہیں دہرا فائدہ ہے تو انہوں نے ورادا سے ملاپ کر لیا۔ اس سارے کھیل میں اصل نقصان انشورنس کمپنیوں کو ہو رہا تھا۔ انشورنس کمپنیوں نے اس بات کا بذریعہ تفتیش کھوج لگا لیا کہ ایک سازش کے تحت پورٹ پر اترنے والے مال کو ڈاکس پر پھیلا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اس قسم کی کارروائیوں کی روک تھام کی غرض سے زیادہ مستعدی کا مظاہرہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے ورادا نے ایک نئی حکمت عملی ترتیب دی۔ اس نئی حکمت عملی کے مطابق ''گمشدہ سامان'' ڈاکس پر اس وقت تک پڑا رہے گا، جب تک انشورنس کمپنیاں مایوس ہو کر درآمد کنندگان کو ادائیگیاں نہ کر دیں۔ اب وہ انشورنس کمپنیوں کی کارروائی تک مال کو مخصوص جگہوں پر چھپا رکھتے اور پہلے سے طے شدہ وقت کے مطابق مال کو ''غیر دعویدار'' مال کے بطور وہاں سے نکال لیتے۔ کرتا دھرتا کی ناکوں کے نیچے ورادا راجن ان کارروائیوں کے ذریعے مال بنانے میں مصروف تھا۔

ایک پولیس والے کے مطابق، اس قسم کی مستعدی اور چالاکی کا مظاہرہ دوسرے بھی نہ کر پائے تھے جو کہ ورادا کی شخصیت میں موجود تھی۔ ورادا نے پورٹ پر اپنا نظام انتہائی چالاکی کے ساتھ بنایا تھا۔ کروڑوں روپوں کے ان گھپلوں میں نہ کوئی گولی چلتی تھی اور نہ ہی کوئی اپنی جان سے ہاتھ دھوتا تھا۔ ورادا کے کارندے بذریعہ بوٹس ایسا مال اڑانے میں تربیت یافتہ تھے، جن کی مالیت اچھی ہو اور وہ درآمد کنندہ سے بھی جوڑ توڑ کر لیتے تھے کہ انہیں ان کا مال انشورنس کے پیسے میں حصے کے بدلے اونے پونے مل جائے گا۔ یہ سارا کام انتہائی رازداری سے کیا جا رہا تھا۔

غیر قانونی شراب کی تجارت، ہیجڑوں کے ذریعے جسم فروشی کا دھندہ، ڈاکس پر سامان کی چوری اور جنوبی ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے افراد کو جرائم کی دنیا میں کھپانے کی وجہ سے ورادا ان کچی آبادیوں کا ان داتا بنتا جا رہا تھا۔ قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کی نظر میں بہر حال وہ ایک بلوائی تھا، جو کہ ہر وقت مدراسی غنڈوں کے حصار میں موجود رہتا تھا۔ ورادا لوگوں کی نفسیات جانتا تھا۔ لوگ ہر وقت اس سے مل سکتے تھے اور وہ لوگوں کے مسائل کے حل کے لیے تگ و دو کرتا تھا۔ پولیس کے مطابق کوئی بھی شخص ایک دکھ بھری داستان گھڑ کے ورادا کی پناہ میں آسکتا تھا۔ دھروی، چیمبور، متونگا، اینٹاپ ہل، کولیواڑہ اور دور دراز مضافاتی علاقوں میں پھیلتی کچی آبادیاں اب ایک اچھا خاصا ووٹ بینک بن چکی تھیں۔ اس کا مظاہرہ ورادا نے متونگا گنیش پانڈل کی تقریبات میں خوبی سے کیا۔ ایک مذہبی انسان ہونے کے ناتے ورادا متونگا کے علاقوں سے ہٹ کر بھی گنیش پانڈلوں پر خوب خرچ کیا کرتا تھا۔ ورادا کی شان و شوکت کے ساتھ ساتھ پانڈل کی شان و شوکت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بہت سی اہم شخصیات پانڈل میں عبادات کی غرض سے آیا کرتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ جب امیتابھ بچن فلم قلی کی شوٹنگ کے دوران زخمی ہو گیا تو جیا بچن بھی یہاں دعا کے لیے آیا کرتی تھی۔

پولیس والوں کو بخوبی یاد ہے کہ ورادا زبان کا کتنا تیز تھا۔ پولیس والوں کو یاد ہے کہ کئی مرتبہ اس کے کارندے جب پولیس کو دھوکہ دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے تو ورادا کے کہنے پر خود کو پولیس کے حوالے کر دیتے تھے۔ وہ دونوں اطراف کے لوگوں کو خوش رکھنا جانتا تھا۔ حوالات میں جانے کے بعد ملزم کو یقین ہوتا تھا کہ اس کی ضمانت تو ہو ہی جانی ہے۔

PdfStuff.blogspot.com

ورادا کے ساتھ اتحاد کو حاجی مستان ایک صحیح فیصلہ سمجھ رہا تھا۔ حاجی مستان کو اس بات کا مکمل ادراک تھا کہ اپنی بڑھتی ہوئی سلطنت کے پیش نظر اسے پولیس والوں سے زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ حاجی مستان نے اندازہ لگایا کہ اس سلطنت کو محفوظ بنانے کے لیے اسے پولیس والوں اور سیاست دانوں کو اپنا ہمنوا بنانا ہوگا۔ حاجی مستان کو اس بات کا اندازہ بھی ہو گیا کہ اگر ایک جانب غیر ملکی سونا بھارت میں بہت مقبول تھا تو دوسری جانب بھارتی چاندی کی بیرون ملک بڑی مانگ تھی۔ اب حاجی مستان ان ممالک میں چاندی کی اینٹیں اسمگل کرنے لگا، جہاں سے وہ سونا منگوایا کرتا تھا۔

حاجی مستان کی سلطنت اس قدر پھیل چکی تھی کہ ہر آپریشن پر نظر رکھنا اس کے لیے ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ اس لیے اس نے یوسف پٹیل نامی ایک شخص کی خدمات حاصل کر لیں۔ یوسف پٹیل، حاجی مستان کو اپنا محسن مانتا تھا۔ اس نے حاجی مستان سے گر سیکھ کر بہتی گنگا میں بہت ہاتھ دھوئے۔ یوسف کو معلوم تھا کہ چاندی کی اینٹیں جو کہ حاجی مستان بیرون ملک اسمگل کر رہا تھا بہت خالص تھیں۔ بیرون ملک میں یہ اینٹیں ''مستان کی چاندی'' کے نام سے بکتی تھیں۔ اسمگلنگ کے بزنس میں ایمانداری کی وجہ سے حاجی مستان بھروسے کا دوسرا نام بن چکا تھا۔

بنگلے اور غیر ملکی کاروں کا مالک بننے کی خواہش رکھنے والا مستان اب حاجی مستان تھا۔ مالابار ہلز میں اس کا ایک شاندار بنگلہ تھا اور اس کے آگے پیچھے کئی گاڑیاں تھیں۔ حاجی مستان نے مدراس کی صبیحہ بی سے شادی کی جس سے اس کی تین بیٹیاں قمر النسا، مہر النسا اور شمشاد پیدا ہوئیں۔ حاجی مستان کا کاروبار اور طاقت کا حجم ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اب چمبور، ویروسووا اور تھانے کریک کے پورٹ حاجی مستان کی زیر نگرانی کام کر رہے تھے۔ 1970ء کے اوائل میں ورادا بمبئی کے وسط میں، حاجی مستان جنوبی ہند اور مغرب میں اور ان کا ایک بہت ہی اہم کارکن کریم لالہ بمبئی کے ڈان اور اسمگلروں کو سارے بمبئی میں افرادی قوت فراہم کر رہا تھا۔ جب بھی ان افراد کا نام ایک ساتھ لیا جاتا تو بھارت کے چھوٹے موٹے نوجوان غنڈوں کے دلوں میں خواہشات کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا تھا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

PdfStuff.blogspot.com

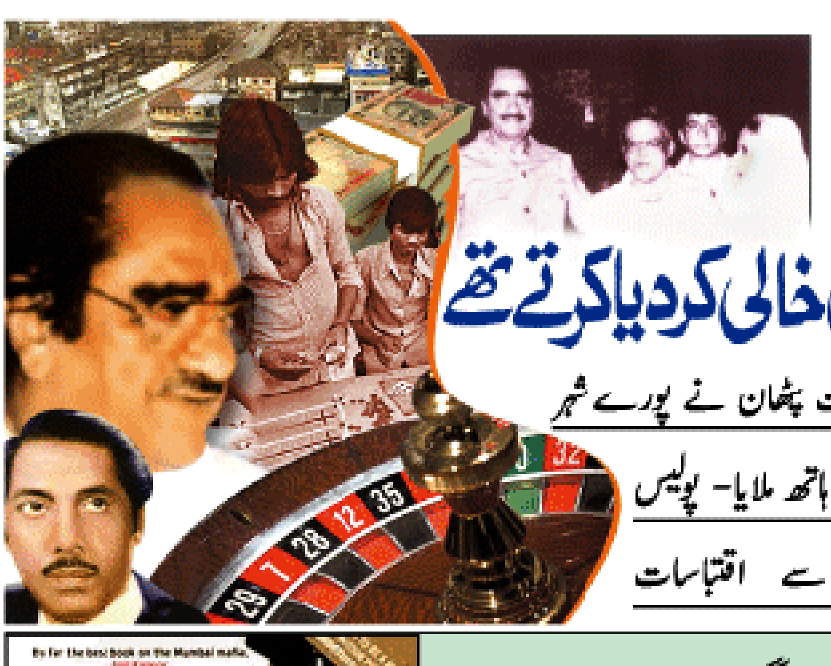

کریم لالہ کی چھڑی کے خوف سے لوگ مکان خالی کردیا کرتے تھے

روزگار کی تلاش میں پشاور سے بمبئی پہنچنے والے سات فٹ طویل القامت پٹھان نے پورے شہر میں اپنی دہشت جما رکھی تھی۔ جس روز کریم لالہ اور حاجی مستان نے ہاتھ ملایا۔ پولیس والوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

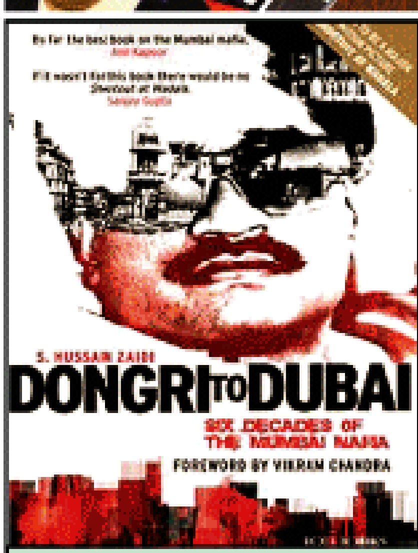

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردارا جن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

کریم لالہ کب بمبئی آیا اس کا کچھ پتہ نہیں۔ حتیٰ کے اس کے گھر والے بھی اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ صرف اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ 1930ء کی دہائی میں کریم لالہ بمبئی آیا تھا۔ بمبئی اس وقت بھی ایک آفاقی شہر کے بطور جانا جاتا تھا۔ نیپالی، برمی، سری لنکن اور کابلی والا (پٹھان) تلاش معاش کی خاطر یہاں کا رخ کرتے رہتے تھے۔ ان کے لیے کھٹمنڈو، کولمبو اور کابل سے بڑھ کر بمبئی میں روشن مستقبل بنانے کے مواقع میسر تھے۔

عبدالکریم خان عرف کریم لالہ 7 فٹ لمبا اور توانا جسامت کا پٹھان تھا۔ اپنے لیڈر خان عبدالغفار خان کے برعکس اسے تحریک آزادی ہند سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ پختون جرگہ ہند کا ممبر ہونے کے باوجود اس نے اس تحریک میں حصہ نہ لیا، بلکہ بمبئی کو ہی اپنا وطن بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کریم لالہ دیگر لوگوں کی طرح اپنے شہر پشاور سے روزگار کی تلاش میں بمبئی آیا تھا۔ اس نے گرنٹ روڈ اسٹیشن کے قریب بیڑہ گلی میں ایک مکان کرائے پر لیا۔ تعلیم اور ہنر سے بے بہرہ کریم لالہ نے اپنا کاروبار شروع کرنے کی ٹھان لی۔ روزگار کی تلاش میں دربدر ہونے پر بالآخر کچھ عرصے بعد ہی کریم لالہ نے اپنی رہائش سے قریب ہی ''سوشل کلب'' نامی جوئے کا اڈہ قائم کر لیا۔ مزدوروں سے لے کر متوسط طبقے اور متوسط طبقے سے لے کر مالدار لوگوں تک سبھی اس کلب کا رخ کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی کریم لالہ نے ادھار لینے والوں سے دس فیصد سود کی وصولی شروع کر دی۔ اس کارروائی سے کچھ لوگ تو کٹ گئے لیکن کلب کی شہرت میں کوئی خاص فرق نہ پڑا۔ جب کریم لالہ نے محسوس کیا کہ اس سودی رقم سے اس کا گلا بھرنے لگا ہے تو اس نے باقاعدہ سود پر قرضے دینے کا کاروبار شروع کر دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب عبدالکریم، کریم لالہ کے نام سے شہرت پانے لگا۔

کریم لالہ اس کام میں اکیلا نہ تھا، بلکہ ڈونگری میں جیل روڈ سے قریب اس کا بھائی عبدالرحیم خان عرف رحیم لالہ بھی ایک سوشل کلب چلا رہا تھا۔ کچھ دیگر پٹھان بھی اردگرد موجود تھے، جو کہ سوشل کلب تو نہ چلاتے تھے لیکن اس قدر مالدار تھے کہ سودی قرضوں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بمبئی شہر میں پٹھان کمیونٹی زور پکڑنے لگی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کریم لالہ کا سوشل کلب جرائم کے اڈے کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔ پرتشدد کارروائیاں، چھینا جھپٹی اور مار پیٹ اب روزمرہ کا معمول تھیں۔ ان کارروائیوں کی وجہ سے کریم لالہ کا واسطہ پولیس والوں اور کرائم برانچ کے اہلکاروں سے بھی پڑتا رہتا تھا، لیکن کریم لالہ نے قانونی کارروائیوں سے بچنے کے لیے ان اہلکاروں کا منہ رشوت سے بھرنا شروع کر دیا۔ اس طرح اس کی قوت اور دولت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اب چند لوگ اسے کریم دادا کے نام سے پکارنے لگے تھے۔ اپنے قبائلی کلچر کی پاسداری کرتے ہوئے اردگرد کے پٹھانوں نے کریم لالہ کو اپنا سردار ماننا شروع کر دیا۔ کریم لالہ بھی مشکل وقت میں ان کے کام آنے لگا تھا۔ جلد ہی جنوبی بمبئی میں کریم لالہ کا نام گھر گھر گونجنے لگا۔ کسی کو کوئی مسئلہ حل کروانا ہے یا کھولی خالی کروانا ہو تو کریم لالہ کے نام کا سکہ چلتا تھا۔ لوگ عدالتوں کی بجائے اپنے مسائل کے حل کے لیے کریم لالہ کے فیصلوں پر زیادہ اعتماد کرنے لگے تھے۔ اولاً تو کریم لالہ صرف برادری کے فیصلے کیا کرتا تھا، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ثالثی کا یہ کردار بمبئی بھر کے تنازعات کے حل کے لیے مشہور ہونے لگا۔ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کریم لالہ کے جگری دوستوں مراد خان اور یعقوب خان نے اپنا راستہ جدا کرنے کی ٹھان لی۔ ان دنوں جنوبی بمبئی میں پگڑی سسٹم کی بنیاد پر گھر لینے کا رواج عام تھا۔ پگڑی کے تنازعات کے سلسلے میں بھی لوگ کریم لالہ کو ہی یاد کیا کرتے تھے۔

کریم لالہ نے محسوس کیا کہ ہر مہینے کی دس تاریخ تک سودی قسط کے انتظار میں بیٹھے رہنے سے بہتر ہے کہ ان تنازعات کو نمٹا کر فی الفور پیسہ کمایا جائے۔ جب کریم لالہ نے اس کاروبار میں قدم رکھا، اس کے خوف سے کئی لوگ خود ہی مکان خالی کر دیا کرتے تھے۔ کسی مالک مکان کے کہنے کی دیر ہوتی تھی کہ ''مجھے لالہ کو بلانا پڑے گا'' قابض شخص اس بات کو خاطر میں لائے بغیر کہ وہ صحیح ہے یا غلط، فوراً مکان خالی کر دیا کرتا تھا۔

انڈیا کی آزادی کے کئی سال بعد کریم لالہ ممبئی میں پٹھانوں کا بے تاج بادشاہ بن چکا تھا۔ اس کی اصل عمر کا اندازہ تو نہیں ہے، لیکن 50ء کی دہائی کے اوائل میں کریم لالہ نے اپنی پچاسویں سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی تھی۔

کریم لالہ نے کلف شدہ پٹھانی لباس کو خیرباد کہہ کر سفید سفاری سوٹ زیب تن کر لیا تھا۔ جدید لباس، کالے چشمے اور سگار کے دھوئیں نے کریم لالہ کی شخصیت کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ کریم لالہ کے اسٹائل میں اس قیمتی چھڑی نے چار چاند لگا دیئے تھے، جو اس کے کسی چاہنے والے نے اسے پچاسویں سالگرہ پر بطور تحفہ دی تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

یہ چھڑی مسجد میں بھی کریم لالہ کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ کسی شخص کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ کریم لالہ کی نماز کے دوران ساتھ پڑی ہوئی چھڑی کو ادھر ادھر کر دے۔ کسی صوفے پر اگر یہ چھڑی پڑی ہوتی تو کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ اس صوفے پر بیٹھ جائے۔ یہ چھڑی بذات خود ایک خوف کی علامت بنتی جا رہی تھی۔

چمن سنگھ اور عبدالقریشی جیسے مالک مکان جو کہ باقاعدگی کے ساتھ کریم لالہ کی بیٹھک میں آیا کرتے تھے، محسوس کرنے لگے، ہر مرتبہ مکان خالی کروانے کے سلسلے میں انہیں لالہ اور اس غنڈوں کو بھاری رقوم دینا پڑتی تھیں۔ اس لیے اس رقم میں کٹوتی کی غرض سے یہ لوگ کئی مرتبہ لالہ کا نام استعمال کرنے پر ہی اکتفا کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ اندرون خانہ ایک منصوبہ بنائے بیٹھے تھے، لیکن لالہ کو قائل کرنے کے لیے کسی مناسب وقت کے منتظر تھے۔ جس دوران لالہ سی آئی ڈی اور پولیس والوں کے ہاتھوں مشکل وقت سے گزر رہا تھا، انہوں نے لالہ کو مشورہ دیا کہ مکانات خالی کروانے کے لیے وہ بذات خود مواقع پر نہ جایا کریں اور نہ ہی اپنے بندے جمع کے جمع بھیجا کریں۔ اس پر لالہ نے کہا، پھر کھولی کون خالی کرائے گا۔ جواباً انہوں نے کہا کہ ہماری کھوپڑی میں ایسا منصوبہ ہے جس سے لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی اور سانپ بھی مر جائے گا۔

اب جب بھی انہیں کوئی گھر خالی کروانا ہوتا تو وہ کریم لالہ کی چھڑی اس گھر کے باہر رکھ دیتے۔ یہ ترکیب کافی کامیاب رہی۔ بہت سے کرائے دار محض چھڑی کے خوف سے ہی آناً فاناً مکان خالی کر دیا کرتے تھے۔

اس سے پہلے کبھی کسی نے اس انداز سے خوف رائج نہ کیا تھا۔ اس عمل سے نہ صرف کریم لالہ کی دہشت میں مزید اضافہ ہوا، بلکہ حاجی مستان کی نظریں بھی اس پر جا ٹھہریں۔ حاجی مستان ہمیشہ سے کسی ایسے فرد کی تلاش میں تھا جو کہ مشکل کاموں کو کسی بلوے، فساد کے بغیر کر سکے۔ حاجی مستان نے کریم لالہ کو ملنے کے لیے پیغام بھجوایا۔ کریم لالہ نے حاجی مستان کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا، لیکن دونوں کی کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی۔

ان دونوں کی ملاقات گرنٹ روڈ مسجد میں بروز جمعہ ہوئی اور اس کے بعد یہ لوگ بیڑہ گلی میں موجود کریم لالہ کے گھر دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے چلے۔ کریم لالہ نے حاجی مستان کے لیے بڑی ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ کھانے کے دوران ہی دونوں پرانے دوستوں کی طرح گھل مل گئے۔ کھانے کے بعد انہیں اصل مسائل پر بات کرنا تھی۔

حاجی مستان نے کہا ''خان صاحب! آپ سے دوستوں کی طرح بات کر کے خوب مزہ آیا، لیکن اب میرے خیال میں کچھ باتیں کاروبار کی ہو جائیں''۔ حاجی مستان اتنا کہہ کر کریم لالہ کے ردعمل کا انتظار کرنے کے لیے ایک لمحہ رک گیا۔ کریم لالہ نے کہا ''کوئی بات نہیں مستان بھائی، بولو، آپ کے ذہن میں کیا ہے؟''۔

پانی کا ایک گھونٹ بھرتے ہوئے حاجی مستان بولا ''تمہیں تو معلوم ہے کہ ڈاکس پر میرا بہت ہی منافع بخش کاروبار چل رہا ہے، لیکن مجھے اس سلسلے میں افرادی قوت کی ضرورت ہے۔ پتہ نہیں تم مجھے اس کام کے لیے اپنے بندے دو گے یا نہیں''۔

کریم لالہ کی آنکھوں میں گویا ایک چمک سی پیدا ہو گئی۔ کریم لالہ نے کہا ''ہم آپ کے دوست ہیں مستان بھائی، آپ بتاؤ ہمارے بندوں کو کرنا کیا ہوگا؟''۔

حاجی مستان نے کہا ''کوئی خطرناک کام نہیں۔ بمبئی ڈاکس پر میرا بہت مال آتا ہے، انہیں اس مال کو تیزی کے ساتھ اتروا کر اسٹوروں اور ویئر ہاؤسوں میں پہنچوانا ہوگا اور پھر اس کے بعد وہ مال وہاں سے باہر نکالا جائے گا۔ تمہارے بندے ہمارے بندوں کی حفاظت پر مامور ہوں گے۔ یہاں تک کہ مال کو وہاں سے نکال کر بیچ دیا جائے، بس!'' حاجی مستان نے اس انداز سے اپنا مدعا بیان کیا کہ کریم لالہ کو اس کام میں کسی قسم کا خطرہ محسوس نہ ہو۔

PdfStuff.blogspot.com

کریم لالہ پیچھے کی جانب جھکا اور اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ گہری سوچ میں حاجی مستان کی پیشکش پر غور کرنے لگا اور پھر بولا ''اچھا تو اس کام میں کوئی لڑائی وڑائی بھی ہوگا؟''۔

حاجی مستان مسکرایا۔ اسے اندازہ تھا کہ کریم لالہ کچھ متفکر تھا۔ حاجی مستان نے کہا ''لالہ! اگر تمہارا لوگ ادھر ہوگا تو غم کس بات کا۔ اور ویسے بھی جھگڑے ٹنٹے کا کوئی چکر نہیں ہے''۔

کریم لالہ نے کہا ''تو پھر ٹھیک ہے۔ مگر مستان بھائی ہم کو اس کام سے کیا فائدہ ہوگا؟''۔

مستان نے کہا ''خان صاحب! اس سلسلے میں کوئی پکا وعدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے حصے کا انحصار اس مال کی مالیت پر ہوگا جسے تمہارے بندے وہاں سے نکلوائیں گے۔ تو ہم مال کی بنیاد پر اپنے حصے کیوں نہ مقرر کر لیں؟''۔ حاجی مستان کو اندازہ تھا کہ یہ آفر کریم لالہ کو سوچ میں ڈال دے گی، لیکن بالآخر اسے ماننا ہی پڑے گا۔ کچھ دیر کے لیے ذرا سناٹا سا چھا گیا اور حاجی مستان گہری سوچ میں غرق اس شخص کو مسلسل دیکھتا رہا۔ بالآخر کریم لالہ نے ایک گہری سانس لی اور حاجی مستان کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔ دونوں نے بڑے پرتپاک انداز سے ہاتھ ملایا۔ یہ بمبئی انڈرورلڈ میں بہت ہی خطرناک ڈیل ہوئی تھی۔ ذہن حاجی مستان کا اور بازو کریم لالہ کے۔ بعدازاں کریم لالہ نے اس وسیع گروہ میں بڑی تیزی سے اپنا مقام بنایا۔

یہ نیا اتحاد پولیس والوں کے لیے بہت ہی پریشان کن تھا۔ ایک جانب ایک منجھا ہوا اسمگلر اور دوسری جانب بے رحم انسان کی طاقت۔ گو کہ حاجی مستان کے سیاسی تعلقات اس قدر مضبوط تھے کہ ایجنسیاں اسے تنگ نہ کر سکتی تھیں لیکن حاجی مستان، کریم لالہ کے بازوؤں کو بھی آزمانا چاہتا تھا۔

انتہائی احتیاط کے ساتھ پولیس نے کریم لالہ اور اس کے بھائی رحیم لالہ کے جوئے کے اڈوں پر چھاپے مارے۔ ان کے ہوٹل منیجروں کو گرفتار کر کے ان سے سخت تفتیش کی گئی۔ بیڑہ گلی میں پولیس والوں کے چکر دن بدن بڑھنے لگے۔ بالآخر رشوت نے اپنا رنگ دکھایا اور یہ طوفان تھمنے لگا۔ کبھی کبھار کریم لالہ کو بھی سی آئی ڈی آفس طلب کیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی کریم لالہ کو پولیس ڈپٹی کمشنر حضور احمد خان کے سامنے پیش کرنے کی دھمکی بھی دی جاتی۔ لیکن جب کریم لالہ کے ہاتھ جیبوں میں جاتے تو پولیس والوں کا رویہ بدل جاتا، گویا کہ وہ چندہ لینے آئے ہوں۔

ان پولیس والوں میں صرف ایک ہی اہلکار تھا جس کی کریم لالہ بہت عزت کیا کرتا تھا۔ اس کا نام تھا حوالدار ابراہیم کاسکار۔ نہ تو ابراہیم نے کبھی رشوت لی تھی اور نہ ہی کبھی کریم لالہ کے سامنے جھکا تھا۔ بلکہ محض ایک کانسٹیبل ہونے کے باوجود بھی ابراہیم اسے سختی سے ڈانٹ دیا کرتا تھا۔

یہ دونوں ایک دوسرے کو عرصہ دراز سے جانتے تھے۔ ابراہیم کی شدید خواہش تھی کہ کریم لالہ اپنے جوئے کے اڈے اور سود کا کاروبار بند کر دے۔ کیونکہ دونوں کام اسلام کی رو سے حرام تھے۔

PdfStuff.blogspot.com

کریم لالہ کبھی کبھی اتنے بڑے ڈان کے سامنے ابراہیم کی جرأت پر حیران بھی ہوا کرتا تھا۔ ابراہیم ایک غریب انسان تھا، لیکن محض 75 روپے ماہانہ کی تنخواہ وصول کرنے کے باوجود اس نے کبھی رشوت کا راستہ نہ اپنایا تھا۔ کریم لالہ نے ساری زندگی کبھی کسی کی اتنی عزت نہ کی تھی جتنی ابراہیم کی۔ اس کی نظر میں ابراہیم ایک عظیم انسان تھا۔ کریم لالہ، ابراہیم سے تقریباً دس سال بڑا ہونے کے باوجود اسے ابراہیم بھائی کہہ کر پکارتا تھا۔ لیکن کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اس ایماندار ابراہیم کاسکر کا بیٹا داؤد ابراہیم ایک دن انڈرورلڈ کا بے تاج بادشاہ بنے گا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

جمعۃ المبارک 26 اکتوبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

PdfStuff.blogspot.com

قسط نمبر 6

ترجمہ: عبدالقادر

باشو دادا نے جیل میں لوہے کی سلاخ موڑ کر دھاک بٹھادی

ڈان بننے سے قبل باشو بمبئی کی گلیوں میں مارا مارا پھرتا تھا - سائیکل مکینک بنا - باہر والے کے طور پر بھی کام کیا - باڈی بلڈنگ کے شوق نے مضبوط جسم کا مالک بنا دیا - حاجی مستان سے ملاپ اسے اسمگلنگ کی دنیا میں لے آیا - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

تیلی محلہ میں گورنمنٹ جے جے اسپتال کے قریب تین لوگ اس خطرناک انداز سے بیٹھے تھے کہ ہر آنے جانے والا ان سے بچ کر گزرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خالد پہلوان، رحیم پہلوان اور لال خان ہٹے کٹے نوجوان تھے۔ خود کو پہلوان کہلوانے کے لیے انہوں نے باس کے اکھاڑے میں دن رات محنت کے ساتھ ورزش کی تھی۔

یہ تینوں اپنے اپنے مضبوط پٹھوں سے گزرتے لوگوں کو ڈرانے میں مصروف تھے کہ چمکدار سیاہ رنگ کی مرسیڈیز سامنے آکر رکی۔ گویا کہ کوئی اصلی ڈان آپہنچا ہو۔ جیسا کہ ایک لمحے کے لیے تیلی محلے کی بے رونق فضا جھلملا اٹھی ہو۔ 70ء کی دہائی کے اوائل میں بمبئی کی سڑکوں پر بہت کم مرسیڈیز دیکھنے کو ملتی تھیں۔ احمد خان عرف ڈان یا باشو دادا، ان چند افراد میں سے ایک تھا، جو ان دنوں مرسیڈیز خریدنے کی سکت رکھتے تھے۔

جیسے ہی گاڑی اس کے دفتر کے قریب آکر رکی باشو دادا کے کارندے تینوں پہلوان چوکنے کھڑے ہو گئے۔ باشو دادا کے قریبی ساتھیوں کے مطابق باشو دادا ان پڑھ تھا، حتیٰ کہ دستخط تک نہیں کر سکتا تھا، اس کے باوجود ڈونگری کی نگری میں 70ء کی دہائی میں وہ اپنے اردگرد اچھی خاصی طاقت جمع کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

ڈان نے گاڑی سے باہر قدم رکھا۔ جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس توانا جسم کا مالک باشو دادا جسمانی لحاظ سے اپنے کارندوں سے کسی بھی طور کم نہ دکھائی دیتا تھا۔ باشو نے کبھی بھی پوری آستینیں نہ پہنی تھیں۔ اپنے لباس اور چال ڈھال سے وہ ہر وقت یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا کہ اس کی ذہانت اور جسامت دونوں قابل رشک ہیں۔

باشو دادا بینچ پر بیٹھے ان پہلوانوں کے قریب آیا اور آتے ہی ان پر برس پڑا۔ ''سالا کس قسم کا پہلوان لوگ ہے تم؟'' وہ گرجتے ہوئے بولا۔ ''تم لوگ کسی وقفے کے بغیر سو مرتبہ اٹھک بیٹھک کر سکتے ہو؟''

خالد اور رحیم پہلوان کی قابلیت کو کبھی کسی نے اس طرح سے چیلنج نہ کیا تھا۔ حتیٰ کہ باشو دادا نے بھی۔ آج ان کے پاس خود کو ثابت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ''کیوں نہیں، میں کر سکتا ہوں۔'' رحیم نے جواباً کہا۔ گویا کہ اپنے زخموں پر مرہم رکھ رہا ہو۔

''اچھا تو چلو پھر کرو''۔ باشو نے کہا اور خالد سے کہا ''تم بھی اس کے ساتھ لگ جاؤ''۔ تھوڑی دیر میں ایک مجمع وہاں اکٹھا ہو گیا۔ دونوں پہلوانوں نے پوزیشن سنبھال لی تھی۔ ہتھیلیاں کسی ہوئی، پٹھے تنے ہوئے اور اکڑی ہوئی ٹانگیں، زمین پر صرف ان کے پنجے گڑھے تھے۔

الٹی گنتی شروع ہوئی پانچ، چار، تین، دو، ایک۔

PdfStuff.blogspot.com

باشو دادا بھی پٹھوں کی اس جنگ میں کود پڑا۔ لوگوں کا جوش و خروش قابل دید تھا۔

ابھی بیسویں بیٹھک ہی ہوئی تھی کہ خالد اور رحیم ہانپنے لگے۔ لیکن باشو دادا کے چہرے پر تھکاوٹ کے کوئی آثار نمایاں نہ تھے۔ 70 تک گنتی پہنچتے پہنچتے، انہیں اٹھک بیٹھک جاری رکھنا پہاڑ سر پر اٹھانے جیسا لگ رہا تھا۔ ہر بیٹھک کے بعد رحیم کے لیے اٹھک دشوار سے دشوار تر ہوتی جا رہی تھی۔ 83 کے بعد اس کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اس کے پھیپھڑوں سے خارج ہونے والی ہوا نے اس کے منہ کو خاکستر کر دیا۔

خالد صرف تین مزید اٹھک بیٹھک کر سکا۔ اس نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ رحیم پہلوان کی طرح ڈھیر نہیں ہوگا۔ اتنی قریب پہنچ کر اب وہ ہار بھی نہیں ماننا چاہتا تھا۔ تھکاوٹ سے چور وہ نہ اٹھنے کا رہا نہ بیٹھنے کا۔ سر آگے جھکائے کھڑے اور بیٹھے رہنے کی درمیانی حالت میں جا رکا۔ وہ پورا زور لگا کر اپنے بھاری بھر کم جسم کو حرکت دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اب تک باشو دادا سب کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔ نوے کی گنتی کو پار کر کے اب باشو دادا سنچری کے قریب تھا۔ لیکن سنچری کرنے کے باوجود بجائے رکنے کے باشو دادا نے بڑی تیزی سے اٹھک بیٹھک جاری رکھی۔ 110 کی گنتی پر باشو دادا کی سانسیں بھی بھاری پڑ گئیں، لیکن اس نے اپنی رفتار مدھم نہ پڑنے دی۔ بالآخر 120 پر جا کر باشو دادا رک گیا۔ اس کی ٹی شرٹ پسینے سے شرابور ہو چکی تھی۔ اس نے اوپر اٹھتے ہوئے مسکرا کر اپنے باڈی گارڈز کی جانب دیکھا۔ باشو دادا نے اپنی برتری ظاہر کر دی تھی۔ کچھ کہے بغیر باشو دادا نے تین گلاس بادامی شربت کا آرڈر دیا۔ غالباً یہ شربت خالد اور رحیم پہلوان کی سخت مشقت کا انعام تھا۔

یہ دونوں اتر پردیش تیلی محلے میں باشو دادا کے ہاں کام کیا کرتے تھے۔ باشو دادا کے کلب میں دیواروں پر شیشے لگے ہوئے تھے اور جدید مشینیں رکھی تھیں۔ یہی وہ مقام تھا جہاں سے باشو دادا اپنی اسمگلنگ اور دادا گیری کی کارروائیاں کیا کرتا تھا۔ بمبئی شہر میں ڈونگری کی نگری سب سے زیادہ مشکل علاقہ تھا۔ اپنے زمانے کا ایک بڑا ڈان باشو دادا سونے اور چاندی کی اسمگلنگ کیا کرتا تھا۔

باشو دادا پر پولیس بھی ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ کرتی تھی۔ بجائے اس کے مقامی پولیس والے اکثر اوقات باشو دادا سے کیس حل کرنے کے سلسلے میں مدد مانگا کرتے تھے۔ باشو دادا کی مدد سے پولیس والے جیب کتروں اور سائیکل چوروں سے لے کر خطرناک ملزموں اور جوئے کے اڈے چلانے والوں تک با آسانی پہنچ جاتے تھے۔ باشو دادا کی جانب سے پولیس کی امداد رائیگاں نہ جاتی تھیں۔ جب کسٹم ڈپارٹمنٹ نے باشو دادا کو اسمگلنگ کیس میں پھنسانے کی کوشش کی۔ ڈونگری پولیس اسٹیشن یا پائیدھونی پولیس اسٹیشن کی پولیس مخمصے میں پڑ گئی۔ اپنی عزت بچانے کے لیے یہ پولیس والے باشو دادا کے اڈوں پر دکھاوے کے چھاپے مارنے لگے۔ کچھ دور جیپ رکتی اور پولیس افسر ایک سپاہی کے ساتھ باشو دادا کو سلام کر کے لوٹ آتا۔ کبھی کبھار باشو دادا ان افسران اور جوانوں کی بادامی شربت سے تواضع بھی کیا کرتا تھا اور کبھی کبھار باشو دادا انہیں کسی سوال جواب کے بغیر ہی لوٹا دیا کرتا تھا۔ بمبئی کے بڑے بڑے پولیس والے باشو دادا کی نگری میں آکر لائن پر آگئے۔

PdfStuff.blogspot.com

تقسیم ہند سے قبل باشو انتہائی غربت اور ناامیدی کی حالت میں بمبئی آیا تھا۔ ایک نوجوان لڑکا بمبئی کی گلیوں میں کھانے کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اس نے سائیکل مکینک اور باہر والے کے بطور کچھ وقت گزارا، لیکن اتنی محنت کرنے کے باوجود بھی وہ پیٹ بھر کھانا کھانے سے محروم رہ جاتا تھا۔ ایک دن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق باشو نے شالیمار ٹاکیز کے سامنے سے ایک مارواڑی بزنس مین کا چمڑے کا بیگ چھین لیا اور پوری قوت کے ساتھ بھاگتا ہوا فرار ہو گیا۔ جب اس مارواڑی نے شور مچایا تو لوگوں کا ایک ہجوم باشو کے پیچھے دوڑ پڑا۔ نل بازار کے نکڑ پر ایک پولیس کانسٹیبل نے باشو کو دبوچ لیا اور اس کے ہاتھ سے بیگ چھین لیا۔ یہ بیگ نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔

اس جرم کی پاداش میں باشو کو ڈونگری ریمانڈ ہاؤس بھیج دیا گیا۔ یہ کم عمر بچوں کی سب سے بڑی جیل تھی۔ پندرہ برس کی عمر میں اسے بڑے بڑے مجرموں کی طرح جسمانی مشقت اٹھانا پڑ رہی تھی۔ اس سخت محنت کے باعث باشو کے جسم میں توانائی پیدا ہونے لگی۔ اب اس نے باڈی بلڈنگ میں دلچسپی لینا شروع کی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باڈی بلڈنگ اس کا جنون بنتا گیا۔ اپنے مضبوط پٹھوں کی وجہ سے اب باشو جیل میں سب کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔ اب اس کے ساتھی اور وارڈن بھی اس کے غصے سے ڈرنے لگے تھے۔ کہانی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کم کھانا دینے پر باشو نے ایک باورچی کے تھپڑ رسید کر دیا۔ غصے میں بھرے باورچی نے باشو کو لوہے کی سلاخ سے مارنا شروع کر دیا۔ باشو نے سلاخ پکڑ کر با آسانی موڑ دی۔ یہ ناقابل یقین منظر دیکھ کر بہت سے لوگ باشو سے خائف رہنے لگے۔ پہلے تو انتظامیہ نے اس حرکت کی پاداش میں باشو کو سزا دینے کی ٹھانی، لیکن پھر اس کی کم عمری اور سزا کا پورا ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے معاملے کو ختم کر دیا۔

رہائی پاتے ہی باشو نے چند بے روزگار نوجوانوں کے ساتھ ایک گروہ بنا لیا۔ لیکن یہ دوستی زیادہ عرصہ نہ چل سکی۔ اپنی رہائی سے قبل ہی باشو ایکشن سے بھرپور زندگی کی منصوبہ بندی کر چکا تھا۔ جیل کے اندر ہی چند مجرم لڑکوں نے باشو کو پیسہ کمانے کے آسان گر سکھا دیے تھے۔ جلد ہی اس نے کچھ ایسے ہمنوا ڈھونڈ نکالے جو جلد از جلد پیسہ کمانے کی خواہش دل میں لیے بیٹھے تھے۔ یہ نیا تیار شدہ گینگ بمبئی ڈاکس کے باہر مسجد کے قریب ڈیرے جمائے رکھتا اور درآمد شدہ کپڑے اور الیکٹرونکس کا سامان لے جانے والے ٹرک ان کا نشانہ بنتے تھے۔ ان ٹرکوں سے سامان اڑا کر باشو اور اس کے ساتھی ہزاروں روپے بنا لیتے تھے۔ ان حرکتوں کی وجہ سے بہت جلد باشو ''گودی کا چوہا'' مشہور ہو گیا۔

اب باشو اتنے پیسے کمانے لگا تھا کہ اس کی زندگی عیش و عشرت کے ساتھ گزرنے لگی۔ لیکن جلد ہی خطروں بھری ان چھوٹی موٹی کارروائیوں سے باشو کو اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔ باشو نے اب اپنی نظریں اسمگلنگ کے کاروبار کی جانب گھمائیں۔ اپنی پہلی ہی راڈو اور رولیکس گھڑیوں کی اسمگلنگ کھیپ میں باشو نے بہت زیادہ مال کمایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے باشو آگے بڑھتا گیا اور بالآخر ایک دن حاجی مستان اور اس کے ساتھی بکھیا ڈان سے جا ملا۔ اب باشو مہنگی گاڑیوں اور بمبئی اور حیدر آباد دکن میں مہنگی جائیداد کا مالک بن چکا تھا۔ اندر ہی اندر باشو، حاجی مستان اور بکھیا سے نفرت کرتا تھا۔ وہ اس مقام تک اپنے بازوؤں کے زور پر پہنچا تھا اور اس دھندے میں کسی بھی شخص کو معتبر مقام دینے کے حق میں نہ تھا۔ ان تمام بدلتے حالات کے باوجود باشو سے باڈی بلڈنگ کا جنون نہ چھوٹا۔ اس لیے حاجی مستان یا دیگر اسمگلروں کی طرح اسے یہاں وہاں سے بازو اکٹھے کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ بہت سے دیگر ڈانوں کی طرح باشو بھی پولیس اور موجودہ نظام سے نفرت کرتا تھا۔ البتہ اتنی آسانی سے اس سے پہلے کبھی کسی ڈان نے پولیس کو اپنا ہمنوا نہ بنایا تھا۔ اس کے ہمنواؤں میں ریٹائرڈ پولیس کانسٹیبل ابراہیم کاسکر بھی شامل تھا، جس کی کریم لالہ بہت عزت کیا کرتا تھا۔ باشو بہت سے ریٹائرڈ پولیس والوں سے اپنے لیے کام لے رہا تھا۔ ابراہیم بھی ان میں سے ایک تھا۔ دراصل باشو، ابراہیم کو دوستی کا جھانسہ دے کر اس سے کام لے رہا تھا۔ وہ ابراہیم کے تجربے اور علم کی بدولت اپنی اسمگلنگ کا نام چمکا رہا تھا۔ پولیس والوں کے لیے اپنی تمام تر نفرت کے باوجود باشو کا رویہ ابراہیم سے یکسر مختلف تھا۔ باشو کو ابراہیم کی ایمانداری اور بے لاگی بہت پسند تھی۔ وہ اکثر ابراہیم سے کہا کرتا تھا۔ ''اگر تو پولیس میں نہ ہوتا تو میرے ساتھ ہوتا''۔ ایک مرتبہ باشو نے تنگ آکر ابراہیم بھائی کا غرور توڑنے کی ٹھان لی۔ کیونکہ کسی میں اتنی جرأت نہ تھی، لیکن صرف ابراہیم میں کہ بری طرح باشو کو جھڑک دیا کرتا تھا۔ باشو کو اس بات کا اندازہ تھا کہ اپنی تمام تر ایمانداری اور ہردلعزیزی کے باوجود کم ہی لوگ تھے جو کہ ابراہیم بھائی کا ساتھ دے سکتے تھے۔ انہی میں سے ایک عبدالرحیم بھی تھا، جس کے ساتھ ابراہیم پل کر بڑا ہوا تھا۔ چھوٹی جسامت اور پھرتیلے جسم کا مالک، عبدالرحیم کچھ عرصہ باشو اور حاجی مستان سے اسمگل شدہ اشیا لے کر موہتا مارکیٹ اور فیشن مارکیٹ میں بیچا کرتا تھا۔ اس طرح اسے کچھ نہ کچھ کمیشن حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ رحیم اسمگلنگ کے دھندے میں جانا پہچانا نام تھا اور ابراہیم بھائی عموماً اس وقت اس کے کام آتا تھا جب وہ کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاتا تھا۔ عبدالرحیم اور ابراہیم بھائی لنگوٹیے یار تھے اور سگے بھائیوں سے زیادہ ان میں پیار تھا۔ باشو کو معلوم ہوا کہ عبدالرحیم کچھ خاص پیسے نہیں کما رہا تھا اور اکثر خالی ہاتھ گھومتا رہتا تھا تو اس نے عبدالرحیم کو بلوایا اور اپنے لیے بطور منیجر کام کرنے کے لیے 500 روپے ماہوار تنخواہ آفر کر دی۔ عبدالرحیم کے لیے یہ بہت بڑی رقم تھی اس لیے اس نے بلاتوقف یہ آفر قبول کر لی۔ لیکن عبدالرحیم نے باشو سے صاف صاف کہہ دیا ''دوست بنا کر رکھیں گے تو دوستی میں جان بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن غلامی نہیں کروں گا باشو بھائی''۔ باشو کو عبدالرحیم میں کچھ بہت اچھا لگا اور اس طرح یہ دونوں مل کر کام کرنے لگے۔ گو کہ باشو نے عبدالرحیم کی خدمات کو تنخواہ پر حاصل کیا تھا، لیکن اسے جلد ہی اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ عبدالرحیم بڑے ہی کام کا بندہ تھا۔ عبدالرحیم نے اپنی ذہانت سے باشو کے بزنس کا منافع کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ جلد ہی باشو کو اندازہ ہونے لگا کہ اب وہ عبدالرحیم کے مشوروں کے بغیر نہ چل سکے گا۔ گویا کہ عبدالرحیم باشو کا تھنک ٹینک تھا۔ حالات بدلتے رہے اور سب بھول گئے کہ باشو ابراہیم بھائی کو نیچا دکھانا چاہتا تھا، لیکن تاریخ کی یادداشت کبھی کمزور نہیں ہوا کرتی۔ (جاری ہے)

PdfStuff.blogspot.com

☆☆☆☆☆

قسط نمبر 7

ترجمہ: عبدالقادر

بمبئی کے سارے ڈان کانسٹیبل ابراہیم کاسکار کی عزت کرتے تھے

PdfStuff.blogspot.com

ابراہیم بھائی، حاجی مستان - کریم لالہ و دیگر سے ادھار لے کر غریبوں کی مدد کیا کرتے تھے - ایک بزرگ نے انہیں بتایا تھا ان کا دوسرا بیٹا بڑا طاقتور اور مالدار ہوگا - اسی بیٹے نے آگے چل کر بمبئی پر راج کیا - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

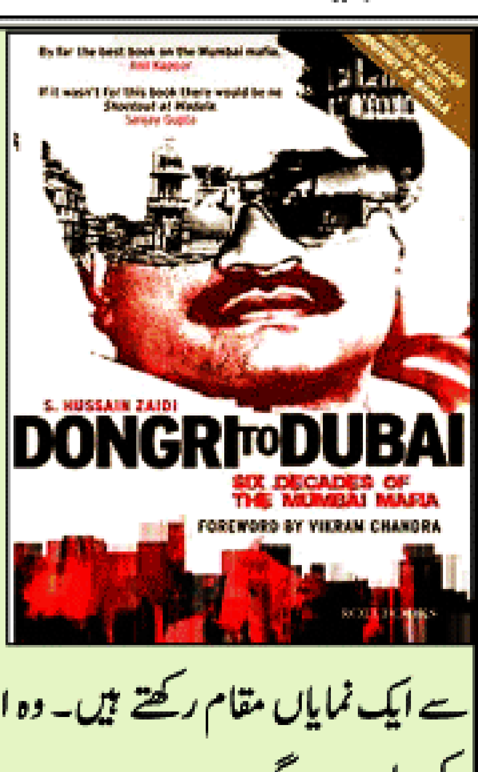

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارداراجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کیلئے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

PdfStuff.blogspot.com

ابراہیم کاسکار کا تعلق مہاراشٹر کے ڈسٹرکٹ رتنگیری کے گاؤں ممکا سے تھا۔ ابراہیم کاسکار کے والد حسن کاسکار ناز کٹنگ سیلون کے نام سے چارنل ڈونگری میں حجامت کی ایک دکان چلایا کرتے تھے۔ ابراہیم کے تین بھائی تھے۔ احمد، محمود اور اسماعیل۔ یہ تمام بھائی رتنگیری کے قریب ایک گاؤں خید میں آباد تھے۔ ان سب میں ابراہیم ہی وہ شخص تھا، جس نے بمبئی میں اپنا مکان اور نام بنایا۔ باقی تمام لوگ انتہائی غریب اور گمنام تھے۔ یہ کانسٹیبل ڈونگری کے علاقے میں ایک جانا پہچانا نام تھا۔ ان دنوں مسلم کمیونٹی سے بہت ہی کم ہیڈ کانسٹیبل ہوا کرتے تھے اور ہیڈ کانسٹیبل کو ڈپٹی کمشنر پولیس سے بھی زیادہ اثر و رسوخ والا اہلکار سمجھا جاتا تھا۔

اس وقت تک حاجی مستان اور کریم لالہ کافی مستحکم ہو چکے تھے اور جرم کی اس نگری پر راج کر رہے تھے۔ البتہ ایک شخص جو کبھی بھی ان کے دربار میں دھڑلے کے ساتھ داخل ہو سکتا تھا اس کا نام تھا ابراہیم کاسکار۔ ابراہیم بھائی کو اس حلقے میں کتنی عزت اور تکریم حاصل تھی، غالباً اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہ تھا۔

جب سے کریم لالہ نے ابراہیم کو ابراہیم بھائی کہا تھا، گویا کہ سب نے اپنے اوپر اس بات کو لازم کر لیا کہ اب ابراہیم کاسکار کو ابراہیم بھائی ہی کہنا ہے۔ جب بھی، علاقے میں کسی بھی قسم کا تنازعہ ہو جاتا، لوگ ابراہیم بھائی کو ضرور بلاتے۔ جھگڑا دو بھائیوں کے درمیان ہو یا میاں بیوی کے درمیان یا جائیداد کا کوئی تنازعہ، ابراہیم بھائی کی ثالثی پر سب کو اعتماد تھا۔ ابراہیم بھائی کی مداخلت کے بعد ان مسائل کا حل ہو جانا بھی ناگزیر سمجھا جاتا تھا۔ اس قسم کے جھگڑے نمٹانے کے علاوہ ابراہیم بھائی غریبوں کا خیال رکھنے کی کوشش بھی کیا کرتے تھے۔ غریبوں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کو روٹی، کپڑا اور چھت مہیا کرنے کیلئے بھی ابراہیم بھائی کافی مشہور تھے۔ اگر ان کے پاس کسی غریب کی مدد کرنے کیلئے کبھی پیسے نہ ہوتے تو وہ کسی ڈان کے پاس جا کر ادھار لانے میں بھی توقف نہ کرتے تھے۔ ہر حال میں اس غریب کی غرض کو پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

علاقے میں اتنی عزت و تکریم اور اثر و رسوخ والا ابراہیم بھائی جب کسی سید مسلمان کو دیکھتا تو اس کی عزت و تکریم کیلئے کھڑا ہو جایا کرتا تھا۔ گو کہ مسلمانوں میں ذات پات کا کوئی نظام رائج نہیں ہے، لیکن سید زادوں کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ ابراہیم بھائی کے اسی مذہبی جذبے سے کبھی کبھار بعض لوگ غلط فائدہ بھی اٹھا لیتے تھے۔

سی آئی ڈی میں بیس سال ایک ایماندار کانسٹیبل کے بطور خدمات انجام دینے کے باعث ابراہیم کاسکار کو اپنے محکمے میں بڑا اعتماد حاصل تھا۔ 1960ء کی دہائی کے اوائل میں یوسف حوالدار، آدم حوالدار اور ابراہیم کاسکار کا ایک ایسا تکون بن چکا تھا کہ مجرموں کی ٹانگیں ان کے خوف سے کانپنے لگتی تھیں۔ یہ لوگ تفتیش کے دوران اس قسم کے نفسیاتی اور جسمانی حربے آزماتے تھے کہ، ٹھگ لوگ کہا کرتے تھے، یہاں تو دیواریں بھی بولتی ہیں۔

ابراہیم بھائی بطور کانسٹیبل مختلف پولیس اسٹیشنوں پر خدمات سرانجام دیتے رہے، جن میں کولابہ، ماہیم، مالا بارہل اور ٹریفک پولیس ہیڈ کوارٹر شامل ہیں۔ ان کی آخر پوسٹنگ کرائم برانچ میں ہوئی تھی۔ اس وقت تک صرف ایک ہی کرائم برانچ تھی، جو کہ کمشنر کے ہیڈ کوارٹر میں بنائی گئی تھی۔ یہ برانچ انتہائی اہم اور مستعد اہلکاروں پر مبنی تھی۔

قسمت کی ستم ظریفی دیکھیں کہ یہ وہی کمرہ تھا، جہاں کبھی ابراہیم بھائی کو بڑی تعظیم کے ساتھ سلیوٹ کیا جاتا تھا، لیکن اب اسی کمرے میں ایک بہت ہی بڑے ڈان کے بارے میں گفتگو چل رہی تھی۔ یہ ڈان کوئی اور نہیں تھا، بلکہ بذات خود ابراہیم کاسکار کا اپنا بیٹا تھا۔

کاسکار اپنی بیوی آمنہ اور دو سالہ بیٹے صابر کے ساتھ 10x10 کے ایک کوارٹر میں جنوبی بمبئی کے محلہ تمکار میں رہا کرتے تھے۔ اسی کوارٹر میں ابراہیم بھائی کا یہ دوسرا بیٹا 26 دسمبر 1955ء کو پیدا ہوا، جس نے باپ کے نقش قدم پر چلنے سے یکسر انکار کر دیا۔ گو کہ ابراہیم بھائی پہلے ہی ایک بیٹے کے باپ تھے، لیکن دوسرے بیٹے کی پیدائش کی خبر سنتے ہی ابراہیم بھائی خوشی سے دیوانا ہو گئے۔ جس وقت ابراہیم بھائی کو دوسرے بیٹے کی پیدائش کی خبر ملی اس وقت ابراہیم بھائی مالا بار ہل ٹریفک پولیس میں سڑکوں پر ٹریفک کے ساتھ مصروف تھے۔ انہوں نے فوراً چھٹی لی اور اپنی بیوی آمنہ کے پاس جا پہنچے۔

جیسے ہی ابراہیم بھائی نے اپنے شیر خوار بچے کو ہاتھ پیر مارتے دیکھا تو ان کے ذہن میں وہ بات آ گئی، جو چند دن قبل نرالے شاہ بابا نے ان سے کہی تھی۔ ابراہیم بھائی، نرالے شاہ بابا کی بڑی عزت و تکریم کیا کرتے تھے۔ بابا نے ابراہیم بھائی سے کہا تھا کہ خدا انہیں چھ بیٹوں سے نوازے گا، لیکن اس کا دوسرا بیٹا بہت ہی مشہور، طاقتور اور مالدار ہوگا۔

ابراہیم کاسکار بذات خود بہت ہی مذہبی اور نیک انسان تھے۔ جب انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور بابا کی پیشن گوئی کے مطابق بچے کا مالدار اور طاقتور ہونا یاد آیا تو انہوں نے سوچا کہ اس بچے کا نام داؤد سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا اور اس طرح سے اس بچے نے اپنا نام پایا۔ یعنی داؤد ابراہیم کاسکار۔

پشاوری پہلوان کریم لالہ وہ پہلا شخص تھا، جس نے کاسکار کے گھر کے باہر یہ خوش خبری سنی تھی۔ کہتے ہیں کہ ابراہیم بھائی کے پاس بیٹے کی پیدائش کی خوشی منانے کیلئے پیسے نہ تھے، اس لیے کریم لالہ نے داؤد کی پیدائش پر ایک پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ خوش قسمتی سے کوئی صاحب کشف بزرگ اس ضیافت میں شامل نہ تھا ورنہ وہ ابراہیم کاسکار سے کہتا کہ اس بچے کی پیدائش پر خوشیاں منانے کی بجائے ماتم کرو۔

ابراہیم بھائی اولاد کو خدا کی نعمت سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کی فیملی بڑھتی ہی چلی گئی۔ ابراہیم بھائی نے داؤد کے بعد پانچ مزید بیٹے پیدا کیے، جن کے نام انیس، نورا، اقبال، مستقیم اور ہمایوں تھے۔ ان کی چار بیٹیاں بھی تھیں۔ ان میں سب سے بڑی کا نام سعیدہ تھا۔ اتنے بڑے کنبے کے ساتھ گزارا کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اسی لیے اکثر گھر میں فاقوں کا راج رہتا تھا۔ ان تمام حالات کے باوجود ابراہیم بھائی کی شدید خواہش تھی کہ اس کے بچے پڑھ لکھ جائیں۔ انہوں نے داؤد کو اس وقت کے معروف انگلش میڈیم اسکول احمد سیلر ہائی اسکول میں داخل کروایا۔ جبکہ دیگر بھائی میونسپلٹی کے اسکولوں اور بہنیں اردو میڈیم اسکولوں میں داخل کرا دی گئیں۔ ابراہیم بھائی کو اندازہ تھا کہ اس کا دوسرا بیٹا کچھ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہے۔ انہوں نے داؤد کو روڈ سیفٹی پیٹرول میں ٹریفک ٹریننگ کیلئے بھی بھرتی کرا دیا۔ چھٹی جماعت تک سب ٹھیک چل رہا تھا اور داؤد نے کبھی کوئی گڑبڑ نہ کی تھی۔

ایک دن اچانک ہی ابراہیم اور ان کے چند ساتھیوں کو نوکری سے ہاتھ دھونے پڑے۔ یہ بات کبھی واضح نہ ہو سکی کہ اس بحران کے پیچھے اصل وجوہات کیا تھیں، لیکن کہا جاتا تھا کہ 1966ء میں کسی بڑے آدمی کے قتل کے کیس کی پاداش میں ان کے ساتھ ایسا ہوا تھا۔ اچانک ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ یوں معطل ہو جانے کا یقین ابراہیم بھائی کو ہو نہیں پا رہا تھا۔ خاندان فاقہ کشی کے دہانے پر آن کھڑا ہوا۔ تعلیم بچوں کو ایک سہانا خواب دکھائی دے رہی تھی۔ شاید کہ داؤد کی تعلیم جاری رہنے کی صورت میں زندگی اپنا کچھ اور ہی رخ دکھاتی۔ لیکن معاشی بحران کے پیش نظر داؤد کو بھی اسکول چھوڑنا پڑا۔ جب داؤد نے تعلیم کو خیر باد کہا تو اس کی عمر بمشکل دس برس تھی۔ ایک شخص جو کہ ان تمام حالات سے شدید پریشان تھا اور اسے شدید صدمہ پہنچا تھا، وہ تھا ابراہیم کاسکار کا سینئر اے سی پی دستگیر برہان ملگی۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ داؤد ہر قیمت پر تعلیم جاری رکھے۔ لیکن ابراہیم بھائی کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہ تھا۔ 1966ء کی گرمیوں سے داؤد بہت خوش تھا۔ اب اسے اسکول نہیں جانا تھا۔ گھر کا کام کرنا تھا نہ چھٹیوں کا۔ اسے آر ایس پی کی ٹریننگ کیلئے بھی نہیں جانا تھا۔ اب اس کے پاس بہت سا فارغ وقت تھا۔ وہ جیسے چاہتا اپنی زندگی گزار سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے گلی کے لڑکوں کے ساتھ آوارہ گردی شروع کر دی۔ ان لڑکوں نے ڈونگری اور جے جے کے ان علاقوں میں وقت گزارنا شروع کر دیا تھا، جو کہ جرائم کے گڑھ تھے۔ داؤد کو کبھی کبھی جے جے اسپتال کے میدان میں کرکٹ کھیلتے ہوئے بھی پایا گیا۔ اسے کرکٹ کھیلنا بہت پسند تھا۔ وہ اس وقت بھی کرکٹ کی سرپرستی کا شوق رکھتا تھا، جب قانون اس کے تعاقب میں تھا۔ کبھی کبھار داؤد جے جے اسکوائر کے قریب وہاں کے مسلمان لڑکوں کے ساتھ کھیل میں بھی اپنا وقت بتایا کرتا تھا۔

ابراہیم بھائی نے کوئی نیا کام شروع کرنے سے پہلے اپنے خاندان والوں کا پیٹ پالنے کی غرض سے چھوٹے موٹے کام کرنا شروع کر دیئے۔ اس دوران انہیں باشودا کیلئے چھوٹے موٹے کام بھی کرنا پڑے۔ جیسا کہ کسٹم ڈپارٹمنٹ میں کلرکوں کے پاس ادھر ادھر فائلیں لے کر دوڑنا، وغیرہ۔ لیکن اس سارے عرصے کے دوران بھی ابراہیم بھائی نے لالچ کو غالب نہ آنے دیا اور ہر قیمت پر اپنی ایمانداری کی حفاظت کی۔ البتہ زندگی کی اس دوڑ دھوپ میں وہ اپنے بیٹوں پر کڑی نظر نہ رکھ سکے۔ بالخصوص صابر اور داؤد پر۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ummat.com.pk

ترجمہ: عبدالقادر

قسط نمبر 8

منگل 30 اکتوبر 2012ء

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم نے 14 سال کی عمر میں جرائم کی دنیا میں قدم رکھا

پہلی کامیاب واردات کے بعد والد سے خوب مار کھائی - اس کے گینگ میں بھائی انیس - صابر - کزن علی اور رتنگری کے لڑکے شامل تھے لوٹ مار - بھتہ وصولی اور دادا گیری میں داؤد ابراہیم نے جلد ہی علاقے میں نام بنالیا - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

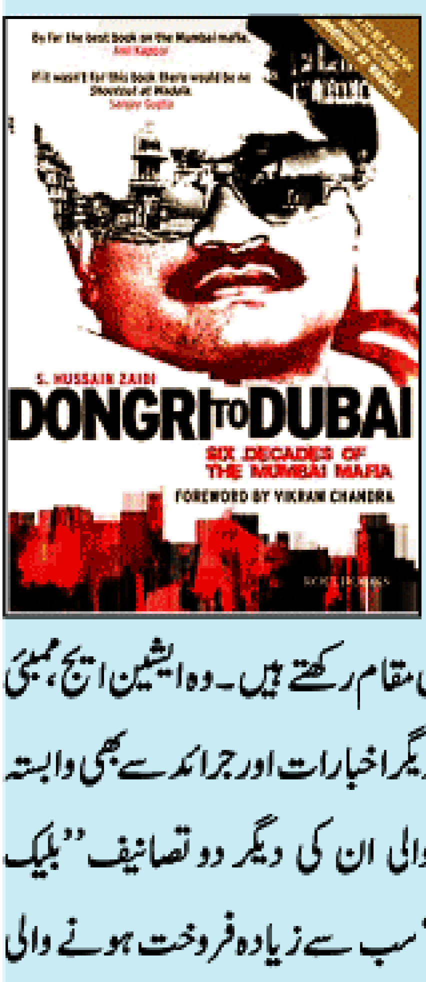

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی مرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

ایک مرتبہ داؤد ابراہیم کے گھر والوں کو تمکار محلے سے اپنا گھر شفٹ کر کے پکھمو دیا اسٹریٹ مسافر خانے کے علاقے میں جانا پڑا۔ ابھی کاسکار فیملی پوری طرح شفٹ بھی نہ ہوئی تھی کہ داؤد نے غنڈہ گردی شروع کردی۔ اس نے اپنا باقاعدہ ایک گینگ بنالیا تھا۔ بوہرہ کمیونٹی کے لوگ ٹھگوں کی بڑھتی تعداد اور ان کی حرکتوں سے پہلے ہی نالاں تھے، لیکن اب غنڈہ گردی اور لوٹ مار نے انہیں مزید پریشان کردیا۔ مسافر خانے کا علاقہ تو گویا غیر سرکاری طور پر داؤد گینگ کو ورثے میں مل گیا تھا۔

ماں باپ کی جانب سے تمام تر تربیت اور مذہبی تعلیم کے باوجود داؤد ابراہیم جرم کی دنیا کی چکا چوند سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ابھی داؤد پوری طرح جوان بھی نہ ہوا تھا کہ اس نے چھوٹی موٹی چوریاں، لوگوں کو مارنا، دھمکانا، پرس چھیننا، جیب کاٹنا اور دکانداروں سے بھتے وصول کرنا شروع کردیا۔

داؤد ابراہیم نے محض 14 سال کی عمر میں پہلا جرم کیا۔ روڈ پر کھڑا ایک شخص کچھ نقدی گننے میں مصروف تھا کہ داؤد نے اس سے پیسے چھینے اور دوڑ لگادی۔ متاثرہ شخص داؤد کا پتہ لگانے میں کامیاب ہوگیا اور اس کی شکایت لگادی۔ غصے سے بھرے ابراہیم بھائی نے داؤد کو پکڑ کر اس کی ٹھیک ٹھاک پٹائی لگادی۔ اس واقعے کے بعد داؤد اور اس کے دوست یار چند روز تک اپنی حرکتوں سے باز رہے، لیکن یہ طوفان زیادہ عرصے تھم نہ سکا۔ جلد ہی یہ لڑکے اپنی پرانی حرکتوں پر واپس لوٹ آئے۔

جھگڑوں، فسادات اور دادا گیری میں داؤد ابراہیم جلد ہی علاقے میں ایک جانا پہچانا نام بن چکا تھا۔ جب کبھی داؤد کے جرم کی داستانیں ابراہیم بھائی تک پہنچتیں، انہیں دوہرا دکھ پہنچتا۔ ایک بطور باپ کے، اور دوسرے بطور پولیس والے کے۔ تاہم ابراہیم بھائی کرائم برانچ میں ٹرانسفر ہونے کے بعد اپنے نئے کام میں اتنے جت چکے تھے کہ اپنے اس ناخلف بیٹے کی خبر گیری رکھنے کیلئے ان کے پاس وقت کی کمی ہوتی جارہی تھی۔ یا تو ابراہیم بھائی کام پر ہوتے یا پھر اپنی کمیونٹی کے نہ ختم ہونے والے تنازعات کو نمٹا رہے ہوتے۔ لیکن جب بھی داؤد کی شرارتوں کی خبریں ابراہیم بھائی تک پہنچتیں، وہ اس کی خبر ضرور لیتے۔ کئی مرتبہ ابراہیم بھائی نے داؤد کو مار مار کر کالا، نیلا کردیا۔ داؤد اپنے والد کے بہت رعب میں تھا اور اپنی ماں کے سوا کسی کی بات پر کان نہ دھرتا تھا۔ کبھی کبھی طویل عرصے تک باپ اور بیٹے میں بات چیت ختم ہو جاتی تھی۔ ابراہیم بھائی داؤد سے اس لئے ناراض رہتے کہ وہ اسے اپنے اور اپنے خاندان کے نام پر دھبہ سمجھتے، اور داؤد اس لئے ناراض رہتا کہ اس کی بڑی پٹائی کی گئی ہوتی تھی۔ لیکن اس دوران داؤد کی ماں کبھی اس سے بات چیت ختم نہ کرتی۔ بلکہ اسے منانے کی کوششیں کرتی رہتی۔ جہاں تک دادا گیری کی بات تھی، داؤد اپنی ماں کی سننے کو بھی تیار نہ تھا۔ ماں اسے سمجھانے کی کوشش کیا کرتی تھی کہ، بیٹا یہ سب تمہارے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو تمہارا باپ ایک پولیس والا ہے۔ تمہاری ان حرکتوں سے اس کی بڑی بدنامی ہوتی ہے۔ لیکن ہر مرتبہ داؤد دھیرے سے کہہ دیا کرتا تھا۔ ''دیکھوں گا ماں''۔

داؤد اب جو کچھ بن چکا تھا، اس سے تبدیل ہونا خود اس کے بس میں بھی نہ تھا۔ اس کے خوف میں مبتلا ہو کر جب لوگ ڈرا کرتے تھے تو اسے مزا آتا تھا، اور وہ کسی بھی طرح بہت سا پیسہ کمانا چاہتا تھا۔ غریب ہونے کے باوجود اس کی شدید خواہش تھی کہ اس کے بھائی اچھے اور مہنگے کپڑے پہنیں اور اس کی ماں اور بہنیں سونے سے لدی رہیں۔ یہ داؤد ہی تھا، جو کہ بڑے بڑے معاشی بحرانوں میں خاندان بھر کے کام آتا تھا۔ آمنہ بائی داؤد کو ڈانٹتے ڈپٹتے اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ سب لوگ بھی اس کے ساتھ یہی سب کچھ کرتے ہیں۔ یہ لڑکا جس نے ایک دن انڈر ورلڈ کا بے تاج بادشاہ بننا تھا، آج خود انتہائی کسمپرسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔

ابھی داؤد کے پاس بہت وقت تھا، اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ شاید اسی لئے جہاں چار غنڈے کہیں جمع ہو جاتے، داؤد بھی وہیں پایا جاتا۔ اس نے الہ آبادی اور کشمیری گینگز کی پاور کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ لیکن جس گینگ سے داؤد متاثر تھا اور جس میں وہ کام کرنے کا خواہش مند تھا، وہ تھا پٹھان گینگ۔ اسی دوران مسلمان نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد رتنگری سے ممبئی آچکی تھی۔ ان میں بالخصوص ایسے نوجوان بھی شامل تھے، جو کہ داؤد کے گاؤں ممکا سے یہاں آئے تھے۔ یہ تمام لوگ خود بخود ڈونگری کے اردگرد جمع ہونے لگے تھے۔ ساٹھ کی دہائی کے اواخر اور ستر کی دہائی کے اوائل میں آنے والے یہ سارے نوجوان داؤد کے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔ علی عبداللہ انتولے جو کہ بعد میں علی بھائی کے نام سے مشہور ہوا، ایسے ہی لڑکوں میں سے تھا۔ جلد ہی داؤد چند نوجوان لڑکوں کا لیڈر بن گیا۔ ان میں اس کے بھائی صابر اور انیس، اس کا کزن علی اور اسی طرح ایوب اور راشد وغیرہ شامل تھے۔

PdfStuff.blogspot.com

ان دنوں بوہری کمیونٹی بزنس کے حوالے سے بہت مشہور تھی۔ ان کا کاروبار اور ان کی رہائش کھڈا پارسی جنکشن سے کلیئر روڈ ناگ پاڑہ، اگری پاڑہ اور مسافر خانہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ لوگ انتہائی شریف اور جھگڑوں سے دور رہنے والے تھے۔ جب کبھی داؤد یا اس کے لڑکے ان سے بھتہ وصول کرنے جاتے، وہ لوگ فوراً جھگڑے سے بچنے کیلئے پیسے دے دیا کرتے تھے۔ اس طرح سے داؤد کی دادا گیری بڑھتی چلی گئی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اسے مارکیٹ جانے کی ضرورت بھی نہ پڑتی تھی۔ اس کے گینگ میں شامل لڑکے اس کے نام پر بھتہ وصول کر کے اسے پہنچا دیا کرتے تھے۔ دو چار لڑکوں کے آوارہ گروہ ادھر ادھر سے آکر داؤد سے ملتے چلے گئے اور اس کیلئے کام کرنے کی خواہش کا اظہار کرنے لگے۔ اس طرح 73-1972 تک داؤد بھتہ خوری میں ملوث رہا۔

داؤد ہمیشہ سے اوپر سے اوپر جانے کے خواب دیکھتا رہا۔ اس کا گروہ بڑے بڑے لوگوں سے ملنے کیلئے پر تولتا رہتا تھا۔ انہوں نے درآمد شدہ گھڑیوں کی فروخت کیلئے موہتا مارکیٹ میں ایک دکان کھول لی۔ ایک دو لڑکے گلی میں چکر لگا کر اہم گاہکوں کو تلاش کیا کرتے تھے۔ جیسے ہی ان کی نظر کسی کام کے بندے پر پڑتی، فوراً جیب سے ڈبہ نکالتے، اور کہتے...... راڈو گھڑی، اوریجنل، 5000 کا مال صرف 2000 ہزار میں۔ اندر آؤ باقی بات اندر کرے گا۔ وہ گاہک کو دکان کے اندر لے جاتے۔ ایک مرتبہ گاہک دکان میں چلا جاتا تو گھڑی 1200 سے 1500 تک میں بک ہی جایا کرتی تھی۔ پھر یہ لوگ گھڑی کو پیک کرنے کا بہانہ بنا کر پتھر لپیٹ کر گاہک کو تھما دیا کرتے تھے۔ اس عمل کو یہ لوگ ''پلٹی مارنا'' کہا کرتے تھے۔ گاہک کے ہاتھ میں پیکٹ تھماتے ہوئے کہتے، ''یہ لے جاؤ، ادھر ادھر کھولنا مت، مسئلہ ہو جائے گا۔ اس پر وہ گاہک جلد از جلد پیکٹ تھام کر چل پڑتا۔ دکان سے تھوڑی دور جا کر جب وہ پیکٹ کھولتا تو اسے اندازہ ہوتا کہ اس کے ساتھ ہاتھ ہو گیا ہے۔ اگر وہ دکان پر واپس لوٹ آتا تو لڑکے صاف مکر جاتے کہ ایسی کوئی ڈیل اس سے ہوئی ہی نہیں۔

کبھی کبھار کوئی پارسی پولیس اسٹیشن میں شکایت کردیا کرتا تھا۔ شکایت کرنے پر جب پولیس ان لوگوں کو ڈھونڈتی تو یہ لوگ ہفتوں غائب ہو جاتے اور کبھی کبھار تو مہینوں کیلئے گاؤں چلے جاتے۔ ان چھوٹے موٹے دھندوں سے آہستہ آہستہ داؤد اور اس کے لڑکوں کا اعتماد بڑھتا گیا اور جرم کی دنیا میں وہ مزید اندر اترتے گئے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب انہیں یقین ہو گیا کہ اس شہر میں وہ جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ترجمہ: عبدالقادر

قسط نمبر 9

PdfStuff.blogspot.com
PdfStuff.blogspot.com
PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراھیم نے باشو دادا کو مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا

اپنے کارندے کی جھوٹی شکایت پر تیلی محلے کے دادا نے اس کے والد اور بھائی کی بے عزتی کی تھی۔ ابراہیم بھائی کے خاندان نے فاقہ کشی تک کی۔ لیکن اس طرح کبھی کسی نے انہیں طعنے دے کر سرعام رسوا نہ کیا تھا۔

داؤد نے قسم کھالی کہ وہ باشو دادا کے غرور کو مٹی میں ملا کر دم لے گا۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

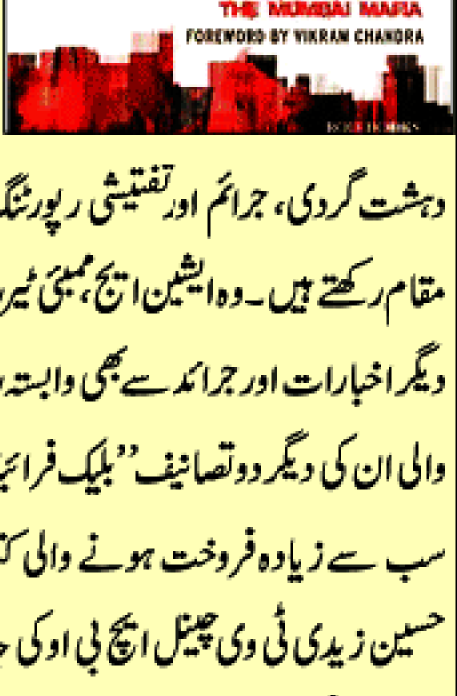

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

1972ء میں بمبئی کئی سیاسی اکائیوں میں منقسم تھا۔ آج کے برعکس، اس وقت لوگ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ لوگ اپنے پڑوسیوں اور بالخصوص گلی کے دادا لوگ سے خوب واقف تھے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے گلی کے دادا کے سر پر کس سیاست دان کا ہاتھ ہے۔ باشو دادا تیلی محلے کا نامی گرامی دادا تھا۔ گلی کے نکڑ پر پڑی بینچ پر بیٹھ کر اپنے توانا پٹھوں کی نمائش باشو دادا کے لئے کافی ہوا کرتی تھی۔

باشو دادا اپنے چیلوں کے ساتھ عموماً سہ پہر کے وقت بیٹھک لگایا کرتا تھا۔ چیلوں کے اس دربار کے ذریعے وہ اپنی اس چھوٹی سی خود ساختہ سلطنت پر حکومت کیا کرتا تھا۔ ایسا ہی ایک دن تھا۔ باشو دادا اپنی شاندار، مرسیڈیز کار میں تیلی محلے کا چکر لگا رہا تھا۔ ایک جگہ آ کر کار رکی اور بڑے طمطراق کے ساتھ باشو دادا نے پہلے ایک اور پھر دوسرا قدم گاڑی سے باہر رکھا۔ وہ اپنی شان بڑھانے کے لئے بڑے اسٹائل سے گاڑی سے باہر آیا کرتا تھا۔ راشد دوڑتا ہوا آیا اور باشو دادا کے قدموں پر گر گیا۔ وہ کچھ عرصے سے باشو دادا کا بھتہ ادا نہیں کر رہا تھا۔ مشہور تھا کہ باشو کبھی کسی کے سامنے نہ جھکتا تھا، یہاں تک کہ اپنے جوتے کے تسمے باندھنے کے لئے بھی نہیں۔ باشو دادا کے کارندے اس کا حکم بجالانے کے لئے دو مرتبہ اس کے سامنے جھک کر رضامندی کا اظہار کیا کرتے تھے۔

اس دن فٹ بال کا ایک میچ شروع ہونے والا تھا۔ یہ ایک ٹورنامنٹ تھا جسے ایک ہفتے تک جاری رہنا تھا۔ ان دنوں کرکٹ ڈان لوگوں کا پسندیدہ کھیل نہ تھا، جیسا کہ آج کل ہے۔ باشو دادا کے کارندے بھی فٹ بال کے بڑے دلدادہ تھے۔ میچ شروع ہونے والا تھا اور 90 منٹ کے لئے گویا کہ اس سلطنت کے سارے امور ماند پڑ گئے تھے۔ ایسے مواقع پر باشو دادا کی بیٹھک ایک میلے کا سا سماں پیش کیا کرتی تھی۔ ان دنوں میچ کی کمنٹری صرف ریڈیو پر ہی سنی جا سکتی تھی۔ اس لئے دادا کے مزاج کے مطابق ریڈیو سیٹ کر دیا جاتا اور ایسا ماحول بنایا جاتا کہ باشو دادا کو کچھ بھی ناگوار نہ گزرے، ریڈیو کی فریکوئنسی کو کھیل کے میدان پر سیٹ کر کے چارپائیاں ڈال دی جاتیں اور ٹھنڈا ٹھار بادامی شربت تواضع کے لئے ہر دم تیار رکھا جاتا۔

لیکن آج مسئلہ یہ تھا کہ اس تمام جنون سے قبل اسے راشد سے نمٹنا پڑ گیا تھا۔ وہ اپنی بھنویں اوپر اور نیچے کر کے راشد کی صورت میں مسئلے کی نزاکت کا جائزہ لیتا رہا۔

مہاراشٹر کی اے کے انتخابات قریب تھے۔ عمر کھڈی کا حلقہ باشو دادا کا گڑھ تھا اور باشو دادا یہاں کسی قسم کی گڑبڑ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ البتہ باشو دادا کو خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہو رہی تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

"دادا" بالآخر راشد بولا۔

راشد کی آواز میں کپکپاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے باشو دادا نے اپنے چہرے پر ذرا سی مسکراہٹ کو جگہ دی اور راشد کی جانب دیکھا۔ راشد نے کہا۔

"دادا! الیکشن آ رہے ہیں۔" باشو نے کمر سیدھی کی اور چارپائی پر ٹیک لگائی تھی کہ راشد نے بم گرا دیا۔ "مولانا بہت اکڑ دکھا رہا ہے۔"

راشد کی بات سنتے ہی باشو اٹھ بیٹھا۔ راشد کا اشارہ مسلم کمیونٹی کے امام مولانا ضیاء الدین بخاری کی جانب تھا۔ اب تک مولانا صاحب کو باشو دادا کی مکمل حمایت حاصل رہی تھی۔ باشو دادا کا سیاسی اصول سیدھا سادھا تھا۔ اس کے حلقے سے الیکشن وہی جیتتا تھا جو کہ اسے زیادہ سے زیادہ پیسہ اور عزت دیتا تھا۔

وہ اپنی چارپائی پر بیٹھ کر گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد باشو نے بڑے ہی جوشیلے انداز سے کہا۔ "پھر مولانا کو ہارنا ہی ہوگا۔"

اسی مہینے مولانا ضیاء الدین ریاست مہاراشٹر کی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات مسلم لیگ کے ایک نمائندے کے ہاتھوں ہار گئے۔ مولانا کو اندازہ تھا کہ یہ سب کیا دھرا کس کا تھا۔ مولانا، باشو دادا سے بہت ناراض تھے۔ باشو دادا نے مسلم لیگ سے اپنا نمائندہ منتخب کرنے کو کہا۔ مسلم لیگ نے نور محمد کو منتخب کیا اور باشو دادا کی حمایت سے وہ الیکشن جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔

مولانا اپنی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کرنے کے لئے منصوبے بنانے لگے۔ ایک دن مولانا ایک عجیب تجویز لے کر ابراہیم کاسکار کے گھر گئے۔ دعا سلام اور عزت و تکریم کے بعد مولانا نے ابراہیم بھائی سے اپنے عزائم کا اظہار کر ڈالا۔

"ابراہیم بھائی ایک خیال آیا ہے میرے ذہن میں۔ ہمارے لڑکے یونہی دن بھر آوارہ گردیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ کیوں نہ ان سے کچھ تعمیری کام لیا جائے؟"

ابراہیم بھائی جو کہ اب تک سن رہے تھے، بولے۔ "کیوں نہیں مولانا صاحب! بتایئے وہ ایسا کیا کر سکتے ہیں؟"

مولانا صاحب بولے۔ "کیوں نہ نوجوانوں کی ایک انجمن بنائی جائے؟"

ابراہیم بھائی بولے۔ "کیوں نہیں مولانا صاحب! جیسا آپ ٹھیک سمجھیں۔ ہماری قوم کے نوجوانوں کو صحیح راستہ دکھانا آپ بزرگوں کی ذمہ داری ہے۔ میرے بیٹے تو آپ کی خدمت میں ہمیشہ حاضر ہیں۔"

مولانا صاحب بڑی ہنسی خوشی ابراہیم بھائی کے گھر سے روانہ ہوئے۔ اب اپنے منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل کرنے کی غرض سے انہوں نے بمبئی ہائی کورٹ میں الیکشن کے نتائج کو چیلنج کر دیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ الیکشن کے نتائج میں دھاندلی سے کام لیا گیا ہے۔

ابراہیم بھائی نے اپنے بیٹوں کو بلا کر مولانا کے منصوبے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ "مولانا صاحب کی تجویز تو مجھے امید کی کرن نظر آتی ہے۔ آپ لوگ ان کی جماعت میں شریک ہو کر اپنی قوم کی خدمت میں لگ جاؤ۔"

سب نوجوان خوش تھے کہ اب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہو سکیں گے۔ چونکہ اس منصوبے کو ابراہیم بھائی کی حمایت بھی حاصل ہو گئی تھی اس لئے گلی محلے کے تمام لوگوں نے بخوشی اپنے نوجوان پیش کر دیئے۔ اسی مناسبت سے اس گروہ کا نام "انجمن شباب" رکھا گیا۔ انہوں نے اپنے کام کا آغاز مختلف مواقع پر گلی محلے کو سجانے اور ریلیاں نکالنے سے کیا۔ اس کے بعد مولانا صاحب کے منصوبے کو دیگر علاقوں میں بھی پذیرائی ملنا شروع ہوئی اور انجمن میں نوجوانوں کی تعداد کئی گنا بڑھ گئی۔

تاہم اسی دوران مولانا کو ایک دھچکا لگا کہ بمبئی ہائی کورٹ نے ان کی اپیل مسترد کر دی۔ مولانا اپنی اپیل سپریم کورٹ لے گئے لیکن نتیجہ وہی برآمد ہوا۔ مایوسی کی حالت میں مولانا عوامی زندگی سے کنارہ کش ہوتے چلے گئے اور بالآخر "انجمن شباب" پر سے بھی ان کا ہاتھ اٹھتا چلا گیا۔

انجمن شباب کی شہرت اور طاقت کو دیکھ کر نوجوان داؤد ابراہیم کے ذہن نے کسی اور جانب کروٹ لی۔ اس نے سوچا کہ جمع شدہ نوجوانوں کو اپنے قابو میں کرنے اور لیڈری دکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔

اس طرح کچھ موڈیا اور مسافر خانہ نے ایک لیڈر کھویا تو دوسرا پایا۔ اب گلی کے نکڑ پر بورڈ لگا تھا۔ "انجمن شباب زیر رہنمائی داؤد ابراہیم کاسکار۔"

داؤد اپنی موٹر سائیکل پر ناگ پاڑہ میں کیڈی کمپنی کی ایک اونچی سی عمارت کے قریب سے گزر رہا تھا کہ کریم صدیق کا بھتیجا دوڑتا ہوا اس کی جانب آیا۔ یہ داؤد کا قریبی دوست تھا اور زخموں سے چور تھا۔ اس نے داؤد کو روکا اور کہنے لگا۔ "حامد نے پھر میری پٹائی کی ہے، داؤد بھائی۔"

داؤد غصے میں لال ہو گیا۔ حامد اور مجید نامی دو بھائی ہر انداز سے اسے تنگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ دونوں باشو دادا کے کارندے تھے۔ حامد بھورے بالوں والا ایک نوجوان تھا جو سمجھتا تھا کہ جس کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے اور مجید، ڈونگری کی گلیوں میں نشہ کر کے گھومتا رہتا تھا۔ داؤد، باشو دادا کی عزت کیا کرتا تھا۔ اس لئے نہیں کہ اس کے دل میں باشو دادا کے لئے کوئی مقام تھا بلکہ اس لئے کہ اس کے والد صاحب اور باشو دادا ایک دوسرے کے ساتھ اچھے انداز سے ملتے تھے۔

لیکن اب وقت آ چکا تھا کہ حامد کو اس کا مقام یاد دلایا جائے۔ داؤد نے صدیق سے کہا کہ اس کے پیچھے بیٹھ جائے اور دونوں حامد کے گھر کی جانب چل دیئے۔

جب داؤد نے حامد کو دیکھا تو خود پر قابو نہ رکھ پایا۔ داؤد نے حامد کو گالیاں دیں اور کہنے لگا۔ "تو سمجھتا ہے کہ بمبئی کا دادا ہو گیا ہے؟"

حامد بولا۔ "نہیں داؤد بھائی، کچھ غلط فہمی ہو گئی کیا؟"

داؤد بولا۔ "ایک بات سن لے، باشو دادا کا منہ دیکھ کر میں نے تجھے بخش دیا، ورنہ تیرا قیمہ بنا کر رکھ دیتا۔"

حامد نے داؤد کی آنکھوں میں اپنی موت دیکھی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کے نام کے ساتھ اگر باشو دادا کا نام نہ ہوتا تو آج وہ مارا گیا تھا۔

غصے میں بھرا داؤد وہاں سے روانہ ہو گیا۔ حامد نے معاملے کی نزاکت پر غور و فکر شروع کر دیا۔ اسے اندازہ تھا کہ جلد یا بدیر یہ بات باشو دادا تک ضرور پہنچے گی۔ تو کیوں نہ وہ خود ہی یہ بات باشو دادا تک پہنچا دے؟ اس لئے یہ تمام باتیں ذہن میں لے کر وہ باشو دادا کے دربار میں پہنچا۔

باشو دادا ٹورنامنٹ کے باقی ماندہ میچز سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ پہلے ہی مولانا کے رویے سے تنگ تھا اور حامد بھی اس کے لئے دردِ سر بن کر آیا تھا۔ حامد نے آتے ہی کہا۔ "دادا، داؤد نے آپ کو ماں بہن کی گالی دی ہے۔"

باشو دادا کو یہ بات ہضم نہ ہوئی کہ کوئی اسے گالی بھی دے سکتا ہے۔ وہ غصے سے چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ابراہیم، رحیم اور صابر کو اپنی بیٹھک میں بلوا بھیجا۔ اس کے فٹ بال میچ کا تو بیڑہ غرق ہو گیا تھا۔

ابراہیم، رحیم اور صابر جو کہ ابھی لڑکا تھا، ایک لائن میں کھڑے ہو گئے۔ ان کے چاروں اطراف باشو دادا کے غنڈے کھڑے تھے۔

انتہائی غصے کے عالم میں گرجتے ہوئے باشو بولا۔ "داؤد نے مجھے ماں بہن کی گالی دی ہے ابراہیم! سنبھالو اپنے چھوکرے کو۔"

رحیم بولا۔ "لڑکے سے غلطی ہو گئی ہوگی، معاف کیجئے۔"

"غلطی!" ڈان دہاڑ کر بولنے لگا۔

صابر سے مخاطب ہوتے ہوئے باشو بولا۔ "جب تمہارے باپ کے پاس تم لوگوں کو کھلانے کے پیسے بھی نہیں تھے، تو میں نے تمہیں سہارا دیا تھا اور اب تم لوگ اسی تھالی کو گالی دیتے ہو۔ تم لوگوں نے میرے احسانوں کا یہ صلہ دیا ہے۔ اس طرح نمک حرامی کر کے۔"

باشو دادا نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے ان سے کہا۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

ابراہیم اور صابر تو اتنی بے عزتی کے بعد وہاں کھڑے نہ ہو سکتے تھے لیکن رحیم وہیں کھڑا رہا۔ لفظ "احسان" اور "نمک حرامی" باپ بیٹے کے کانوں میں گونجتے رہے۔

رحیم نے کہا۔ "آپ کو اس چھوٹے لڑکے سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہئے تھی دادا۔"

باشو نے انتہائی غصے کے عالم میں کہا۔ "چھوٹا لڑکا؟ اس کے چھوٹے بھائی نے میری ماں بہن کا نام اپنی گندی زبان سے لیا اور میں تماشا دیکھتا رہوں؟ نہیں رحیم؟"

صابر گھر واپس آ کر رونے لگا۔ یہ بات تو سب کو معلوم تھی کہ ابراہیم بھائی کے خاندان نے فاقہ کشی تک کی ہے۔ لیکن اس طرح کبھی کسی نے انہیں سرعام رسوا نہیں کیا تھا۔ باشو کا اس طرح اس کے باپ کو رسوا کرنا صابر سے برداشت نہ ہوا۔ ابراہیم بھائی بذات خود صبر کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔ داؤد کو صابر کی زبانی ساری داستان کا پتہ چلا تو اس کا خون کھولنے لگا۔ داؤد کو کسی بھی قیمت پر اپنے باپ اور بھائی کی اس انداز سے بے عزتی برداشت نہ ہو پا رہی تھی۔ داؤد نے قسم کھالی کہ وہ باشو دادا کی سلطنت اور غرور کو مٹی میں ملا کر ہی دم لے گا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

جمعرات یکم نومبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم نے باشو کی دادا گیری ختم کردی

PdfStuff.blogspot.com

مستان تالاؤ کے علاقے میں تیلی محلے کا دادا پہلوانوں کے ہمراہ آیا تو داؤد اور اس کے ساتھیوں کے حملے میں زخمی ہو کر بھاگ نکلا۔ باشو کے فخر و غرور کی علامت اکھاڑا بھی تہس نہس کر دیا۔ اس واقعے کے بعد باشو دادا میں داؤد کا سامنا کرنے کی ہمت نہ رہی۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

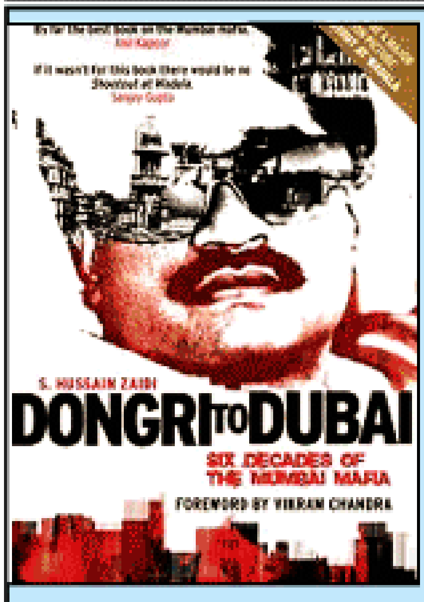

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی ٹیرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

ڈونگری میں داؤد ابراہیم کا اثر و رسوخ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس نے اپنی ذہنی صلاحیتوں اور معاملہ فہمی سے سب پر سحر طاری کر دیا تھا۔ انجمن شباب بھی اب مشہور ہوتی جا رہی تھی۔ یہ انجمن اب محض ان سرگرمیوں تک محدود نہ رہی تھی جن کی خاطر اسے وجود میں لایا گیا تھا، بلکہ اس انجمن نے کچھ غیر قانونی سرگرمیوں میں حصہ لینا بھی شروع کر دیا تھا۔ انجمن نے اولاً تو اپنی سرگرمیوں کی خاطر لوگوں سے پیسے وصول کرنا شروع کر دیئے۔ بعد ازاں پیسے دینے والوں سے کہا جاتا کہ وہ بے سہاراؤں کی شادیوں اور جنازوں کے لیے بھی اپنا حصہ ملائیں ورنہ انہیں نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ یوں اس انجمن نے جس میں داؤد اور اس کے لڑکے نمایاں تھے، کافی حد تک علاقے کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ البتہ اب تک اس انجمن کے لوگوں نے تشدد کا راستہ نہیں اپنایا تھا۔ انہی دنوں یعنی 1974ء کی بات ہے، جب داؤد کے والد ابراہیم بھائی اور صابر کو باشو دادا نے سر بازار بے عزت کیا تھا۔ نوجوان داؤد کے سر پر گویا ایک پہاڑ کا سا وزن آن پڑا تھا۔ اسے اپنے والد اور بھائی سے بے پناہ محبت تھی۔ داؤد خود جیسا بھی تھا، اپنے والد اور بھائی کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ باشو نے نہ صرف انہیں سر عام رسوا کیا تھا، بلکہ ان پر اپنے احسانات بھی گنواتا چلا گیا تھا۔ ایک غنڈے کے ہاتھوں اپنے والد اور بھائی کی رسوائی، اس سے برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ داؤد جس قدر اس مسئلے پر سوچتا اتنا ہی الجھتا جاتا۔

داؤد جانتا تھا کہ باشو دادا کے اس کے والد پر احسانات نہیں، بلکہ ابراہیم بھائی کے باشو دادا پر بہت سے احسانات ہیں۔ باشو دادا کی بہت سی اسمگل شدہ چیزیں چھوٹ ہی نہ سکتی تھیں، اگر ابراہیم بھائی نہ ہوتے۔ جب بھی باشو کی چیزیں ڈاکس پر پھنس جاتیں، ابراہیم بھائی کئی کئی دنوں تک گھر نہ آ پاتے، اور جگہ جگہ جا کر مال کو کسی نہ کسی طرح چھڑوا ہی لیتے۔ داؤد کو اندازہ تھا کہ اس کے والد کی مدد سے چھڑوائے گئے مال سے پیسے کما کما کر باشو دادا نے اپنے لیے مرسڈیز گاڑی اور مہنگے ترین جوتے خرید رکھے ہیں، جبکہ ان تمام خدمات کے عوض داؤد کے والد کو وہ صرف زندہ رہنے کے لیے روٹی کے پیسے دے دیا کرتا تھا۔ اور اب اس حقیر رقم کے عوض باشو نے ابراہیم بھائی کو سر عام بے عزت کیا تھا۔ داؤد سے یہ بات کسی طرح بھی ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کا پُرجوش ذہن زبردست ہیجانی کیفیت سے دوچار تھا۔ رحیم چاچا، داؤد کو سمجھانے بجھانے کی اپنی سی پوری کوشش کر رہا تھا۔ وہ داؤد سے کہتا "غصہ اچھی بات نہیں، چل، چل کر باشو بھائی کی غلط فہمی دور کر دیں"۔

لیکن داؤد، رحیم چاچا کی باتوں پر توجہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ باشو کو اب جانا ہوگا۔ داؤد نے انتہائی غصیلے اور جوشیلے انداز میں رحیم چاچا سے کہا، "باشو دادا کو یہ بات بڑی مہنگی پڑے گی"۔

یہ سن کر تو گویا رحیم چاچا کی رگوں میں خون جم سا گیا تھا۔

دوپہر 2 بجے تھے اور جمعہ کی نماز ابھی ختم ہی ہوئی تھی۔ باشو دادا نے مستان تالاؤ کے قریب جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ داؤد اور اس کا گینگ باشو دادا کے انتظار میں کھڑا تھا۔ حنیف، راجی، سلطان، ابوبکر اور صابر اس کے ساتھ تھے۔ صابر، باشو دادا پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ اس نے داؤد سے کہہ دیا تھا کہ اسے جوابی کارروائی کا خدشہ ہے۔ لیکن داؤد کے ذہن میں صرف ہی ایک بات تھی کہ باشو کو اب جانا ہوگا۔ داؤد نے بڑی باریک بینی کے ساتھ سارا منصوبہ ترتیب دیا تھا۔ یہ سب لوگ جے جے اسکوائر سے آگے پیر خان اسٹریٹ میں کھڑے باشو دادا کے آنے کے منتظر تھے۔

انہیں زیادہ دیر انتظار کی گھڑیاں نہیں سہنا پڑیں۔ انہوں نے اپنے اندازے کے مطابق باشو دادا کو اپنے پہلوانوں کے ہمراہ آتے دیکھا۔ داؤد کا اشارہ ملتے ہی گینگ نے سوڈا واٹر کی بوتلیں اور بجلی کے بلب باشو دادا پر برسانا شروع کر دیئے۔ یہ لوگ تاک تاک کر مسلسل بوتلیں مار رہے تھے۔ چند بوتلیں راہ گیروں کو بھی لگیں۔ اس حملے پر ارد گرد کھڑے لوگ حیران تھے، تو باشو دادا ان سے زیادہ حیران۔ اول تو باشو دادا کو مارنے کا خیال تک کسی کے ذہن میں نہ آیا تھا اور وہ بھی سوڈا واٹر کی بوتلوں کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہوئے۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد واقع تھا۔ لیکن آنے والے دنوں میں بلوا، فساد میں سوڈا واٹر کی بوتلوں کا استعمال کھلے عام کیا گیا۔

جیسے ہی باشو دادا کے ہوش ٹھکانے آئے، باشو دادا نے داؤد سے اکیلے ہی نمٹنے کی ٹھان لی۔ باشو دادا جانتا تھا کہ داؤد اس کے مقابلے کا نہیں اور خود داؤد کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ تھا۔ اسی لیے داؤد نے اس جانب آنے سے قبل باشو کو بالخصوص نشانہ بنایا تھا۔ داؤد ایک کے بعد ایک بوتل باشو پر برساتا رہا، جبکہ اس کے ساتھی دیگر پہلوانوں کو نشانہ بناتے رہے۔

بالآخر ان پہلوانوں میں سے ایک پہلوان پارکنگ میں سے مرسڈیز نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت تک باشو اور عمر پہلوان شدید زخمی ہو چکے تھے۔ باشو نے جب مرسڈیز اپنی جانب آتے دیکھی تو اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اس وقت تو عافیت اسی میں ہے کہ یہاں سے نکلا جائے۔ لہٰذا باشو اور اس کے پہلوان گاڑی میں گھسے اور وہاں سے فرار ہو گئے۔

داؤد اور اس کے ساتھیوں نے بوتلیں اور بلب پھینکنا بند نہ کیا۔ انہوں نے فرار ہوتی ہوئی گاڑی پر بھی اس قدر بوتلیں برسائیں کہ پچھلی کھڑکیوں کے شیشے اور لائٹیں ٹوٹ گئیں اور شاندار گاڑی اپنی باڈی پر کئی بدنما داغ لے کر لوٹی۔

جیسے ہی گاڑی وہاں سے روانہ ہوئی، یہ لڑکے اپنی فتح کا جشن منانے لگے۔ اب داؤد کے ذہن میں کچھ اور ہی منصوبے تھے۔ ابھی اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ ابھی اس نے باشو کے ساتھ اپنا حساب نہ چکایا تھا۔ نہ تو اس نے ابھی باشو کو سبق سکھایا تھا اور نہ ہی بدلے کی آگ اس کے سینے میں ٹھنڈی ہوئی تھی۔ لڑکوں نے اپنی موٹر سائیکلیں اسٹارٹ کیں اور دمکار محلہ پہنچ گئے، جہاں باشو کا دربار اور اکھاڑا، اس کے فخر و غرور کی علامتوں کے طور پر موجود تھے۔

روایتی طور پر اکھاڑا ایک گول سی جگہ ہوا کرتا ہے، جہاں چاروں اطراف شیشے لگے ہوتے ہیں اور ورزش کے لیے اس میں راڈ، ڈمبل اور دیگر سامان موجود ہوتا ہے۔ باشو کا اکھاڑا ایک مقصد کے لیے بنایا گیا تھا۔ اکھاڑے میں بادامی شربت بنانے والی ایک مشین کو بھی بطور خاص رکھا گیا تھا۔ یہ اکھاڑا باشو دادا کے جاہ و جلال کو بڑھانے کے لیے خاص انداز سے بنایا گیا تھا۔

داؤد ہاکی لے کر آگے بڑھا اور اس نے بڑے ہی جوشیلے انداز سے شیشے توڑنا شروع کر دیئے۔ تھوڑی ہی دیر میں داؤد نے اپنے لڑکوں کے ساتھ سارے شیشے، فرنیچر، شربت بنانے کی مشین اور سب کچھ جو وہاں تھا تہس نہس کر دیا۔ اس اکھاڑے کے ساتھ تو گویا کہ باشو دادا کی کمر ہی ٹوٹ گئی۔

اس واقعے کے بعد باشو دادا میں داؤد کا سامنا کرنے کی ہمت نہ رہی اور اس نے سماجی سرگرمیوں سے قطع تعلق کر لیا۔ اکھاڑا تو باشو دادا کی سلطنت کا دارالخلافہ اور اس کی شان و شوکت کا مظہر تھا۔ اکھاڑے کا ٹوٹنا باشو دادا کو لے ڈوبا اور جب قسمت پلٹا کھائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے وفادار ترین دوست بھی چڑھتے سورج کو پوجنے لگتے ہیں۔ حالات باشو دادا کے لیے مختلف کیونکر ہوتے؟ اس واقعے کے فوراً بعد ہی نیشنل سیکورٹی ایکٹ (NSA) کے تحت بمبئی پولیس نے باشو دادا کو گرفتار کر لیا۔ باشو دادا کو ایک سال کے لیے ناقابل ضمانت تحویل میں لے لیا گیا۔

تیلی محلے کا چارج خالد پہلوان کو دے دیا گیا۔ یہ داؤد کے لیے ایک سنہرا موقع تھا۔ خالد، باشو دادا کا دایاں بازو تھا اور اس کے بعد اسی کو باشو دادا کی سلطنت کا بادشاہ مانا جانے لگا۔ داؤد نے موقع غنیمت جانا اور خالد کو پیغام پہنچایا کہ اس کی اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور اسے خوشی ہوگی اگر ان دونوں میں دوستی رہے۔ اس طرح داؤد نے آناً فاناً باشو دادا کی دادا گیری کو ٹھکانے لگا دیا۔

اس کے بعد جیل سے رہائی پانے کے بعد بھی باشو دادا لوگوں سے نہ ملتا اور دمکار محلے میں تو اس نے کبھی قدم رکھنے کی ہمت بھی نہ کی۔ اب وہ اپنے گھر حیدرآباد آیا جایا کرتا تھا، لیکن اس واقعے کے بعد اب اس کا ذکر دم توڑنے لگا تھا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ترجمہ: عبدالقادر

قسط نمبر 11

PdfStuff.blogspot.com

رہزنی کی بڑی واردات نے داؤد ابراہیم کو مشہور کر دیا

PdfStuff.blogspot.com

حاجی مستان کے پٹھان لڑکوں نے داؤد کے کارندوں کی پٹائی کی تھی-جس کا بدلہ لینے کی ٹھان لی گئی-مخبر کی اطلاع پر حاجی مستان کے پانچ لاکھ روپے لوٹ لئے کارروائی کے بعد پتہ چلا رقم میٹروپولیٹن کوآپریٹو بینک کی تھی-اخبارات میں داؤد کا نام شہ سرخیوں میں آ گیا-بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

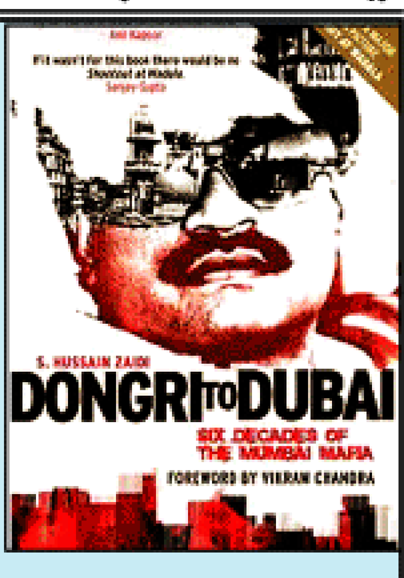

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارد راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

باشو کی دادا گیری ختم کرنے کے چند سال بعد کی بات ہے کہ داؤد ابراہیم کو معلوم ہوا کہ سونے کی اسمگلنگ کے بادشاہ حاجی مستان نے چند پٹھان لڑکوں کے ذریعے اس کے کارندوں کی پٹائی کروائی ہے، لہٰذا ایک مرتبہ پھر داؤد نے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔داؤد ابراہیم کو اندازہ تھا کہ حاجی مستان ہمیشہ لڑائی جھگڑے سے دور رہتا ہے اور اس نے کبھی بمبئی شہر میں اپنی طاقت کا مظاہرہ بھی نہیں کیا تھا، البتہ ان کاموں کیلئے حاجی مستان کے پاس مدراسی، وردا راجن موجود تھا۔داؤد نے فلم کی مہورت کے موقع پر بذریعہ پریس لی گئی حاجی مستان کی کئی تصویریں اکٹھی کر رکھی تھیں۔حاجی مستان بالی ووڈ پر چھایا ہوا تھا اور بالی ووڈ جلد ہی حاجی مستان کی شخصیت پر فلم بنانے کی منصوبہ بندی بھی کر رہی تھی۔

باشو دادا کے غرور کو خاک میں ملانے کے بعد اب داؤد ابراہیم کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ وہ اس شہر میں جو چاہے کر سکتا ہے۔حاجی مستان کے لیے پیسہ ہی سب کچھ تھا، اس لیے حاجی مستان کے کالے دھن پر ہاتھ صاف کرنے کی داؤد ابراہیم نے ٹھان لی۔دسمبر 1974ء کی ایک صبح داؤد ابراہیم کی لوکل انٹیلی جنس نے خبر دی کہ حاجی مستان کے دفتر کارنیک بندر سے مالابار میں واقع اس کے گھر پانچ لاکھ روپے لے جائے جائیں گے۔یہ پیسے انگاڑیہ لے جایا کرتے تھے، جو کہ مارواڑی لوگ تھے۔پیسے ادھر ادھر لے جانا ان کا کام تھا۔فیصلہ کیا گیا کسی معقول وجہ کے بغیر ان کے دو ساتھیوں کو پٹوانے کی پاداش میں حاجی مستان کا یہ پیسہ لوٹ لیا جائے۔ڈونگری کے نوجوانوں کے لیے بھی یہ مسئلہ غیرت کا تھا، کیونکہ ان کے ساتھیوں کو پیٹا گیا تھا۔نہ صرف یہ بلکہ دونوں لڑکے داؤد کے دوست اور گینگ کے ساتھی بھی تھے۔

داؤد اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی بے عزتی اتنی آسانی سے بھلایا نہ کرتا تھا۔ان دنوں 5 لاکھ روپے ایک خطیر رقم سمجھی جاتی تھی۔ان لڑکوں نے آج سے پہلے کبھی اتنے پیسے دیکھے بھی نہ تھے۔گو کہ یہ لوگ اپنے منصوبے کے بارے میں کچھ خائف تھے، لیکن انہیں اس بات کی تسلی تھی کہ انگاڑیہ لوگ اتنا پیسہ محافظوں کے بغیر لے جانے کی حماقت ضرور کریں گے۔کیونکہ ان مارواڑیوں کو یقین تھا کہ حاجی مستان کے مال پر کوئی ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔داؤد ابراہیم اور اس کے کارندوں نے دفتر سے نکلتے ہی ان لوگوں سے مڈبھیڑ کی ٹھان لی اور بندر پل کی طرف چلے گئے۔چونکہ مسافر خانہ داؤد ابراہیم کا علاقہ تھا، اس لئے وہ اس علاقے کو اپنے ہاتھ کی لکیروں کی مانند جانتا تھا۔وہ جانتا تھا کہ گاڑیوں کو کس طرح روکنا ہے، پیسے لینے ہیں اور مجمع میں کس طرح فرار ہونا ہے کہ کسی کو واقعے کی ہوا بھی نہ لگے۔اس نے اپنے ارد گرد ابوبکر، یوسف خان، اعجاز جنگی، عزیز ڈرائیور، عبدالمطلب، سید سلطان اور شیر خان کو جمع کر رکھا تھا۔ان سب میں آخری دو، داؤد کے بہت پسندیدہ ساتھی تھے۔

سید سلطان جسے ایوبی کہا جاتا تھا، مضبوط کاندھوں کا مالک تھا۔اس کا جسم خوب صورت اور توانا تھا۔اسی سال اس بیس سالہ لڑکے نے مسٹر بمبئی کا ٹائٹل جیتا تھا اور اب مسٹر انڈیا کا ٹائٹل جیتنے کی خواہش رکھتا تھا۔1970ء میں باڈی بلڈر ٹائپ کے لوگوں کا فقدان ہوا کرتا تھا۔حتیٰ کہ مشہور ہندی فلموں میں بھی راجیش کھنہ اور جتندر جیسے سیدھے سادے چہرے ہی میسر آتے تھے۔اس لیے سلطان مسٹر بمبئی سے مسٹر مہاراشٹر اور مسٹر مہاراشٹر سے مسٹر انڈیا بننے تک اپنے خوب صورت جسم کے ساتھ خبروں کی زینت بنا رہا۔کہانیاں مشہور ہیں کہ جب وہ اپنے چوڑے کاندھوں اور خوب صورت جسم کو میرین ڈرائیو پر لیے گھومتا تو گزرتی لڑکیاں اس پر مرمٹتیں۔دوسرا شخص شیر خان پٹھان تھا، جو اپنی شیر جیسی دھاڑ کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔

داؤد ابھی بمشکل انیس برس کا ہوا تھا اور اس کی مونچھیں پوری طرح نکلی بھی نہیں تھیں، لیکن اس پر ڈونگری کا رنگ پوری طرح چڑھ چکا تھا۔اس میں آگے بڑھنے کی تمام خاصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔اس کے پاس حاجی مستان یا باشو دادا کی طرح دولت کی ریل پیل تو نہ تھی، لیکن سب کے ذہنوں میں یہ بات واضح ہو چلی تھی داؤد ابراہیم ہی اگلا ڈان ہوگا۔کارنیک بندر، بمبئی کی تین بڑی مارکیٹوں موہتا مارکیٹ، مینش مارکیٹ اور کرافورڈ مارکیٹ کے سنگم پر واقع ہے۔یہ استعماری دور کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔استعماری دور میں یہ پورا علاقہ زرعی اجناس کی ہول سیل مارکیٹ کا روپ دھار چکا تھا۔

نوجوان لڑکوں پر مشتمل داؤد کے گروہ کے سامنے اب بڑے عزائم تھے۔اور اپنے عزائم کو پورا کرنے کے لیے وہ بڑے اہتمام سے منصوبہ بندی کر کے آئے تھے۔دولڑکے کارنیک بندر برج پر کھڑے تھے، جبکہ دولڑکے مسافر خانہ کے قریب کھڑے کئے گئے۔اس طرح مطلوبہ گاڑی کے داخلے اور نکلنے کے راستوں کو پوری طرح سے گھیرنے کی کوشش کی گئی۔یہ لوگ لوہے کی سلاخوں، ٹوکوں اور ڈنڈوں سے مسلح تھے۔باقی ماندہ لڑکوں کو پیسے لے جانے والی گاڑی کو روکنا تھا۔ان لڑکوں کے پاس چاقو، ٹوکے اور کٹہ نامی دیسی ریوالور تھا۔پتہ نہیں یہ بدقسمتی تھی یا غلط منصوبہ بندی کہ، اہم لڑکے یعنی سلطان ایوبی، ابوبکر، حنیف اور داؤد ذرا آگے نکل گئے، تاہم داؤد کسی نہ کسی طرح گاڑی روکنے والے لڑکوں کی لیڈ کرنے کی پوزیشن میں پہنچ گیا۔جس لمحے گاڑی کو دانہ بندر کی تپلی گلی سے کارنیک بندر برج سے منسلک روڈ پر آنا تھا، اسی لمحے ان لڑکوں نے ایکشن لینا تھا۔

جیسے ہی گاڑی نمودار ہوئی، مخبر نے اشارے سے گاڑی کی نشاندہی کر دی۔گاڑی میں پچھلی سیٹ پر دو اور ڈرائیور سیٹ کے ساتھ ایک مارواڑی بیٹھا ہوا تھا۔جونہی گاڑی برج سے آگے بڑھی، سات لڑکے اپنے اسلحے سمیت گاڑی کے سامنے حملہ کرنے کی پوزیشن میں آ کھڑے ہوئے، جبکہ ابھی انہیں کوئی ہدایات نہ ملی تھیں۔سب سے پہلے شیر خان آگے بڑھا اور گاڑی کے آگے ایک ریڑھی کو دھکیل دیا۔اس اچانک افتاد پر گاڑی کے ڈرائیور کا پاؤں پوری قوت سے بریک پر جا لگا اور بریک کی چیخوں جیسی آواز دور دور تک سنی گئی۔ابھی ڈرائیور پوری طرح سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ مضبوط پٹھوں کے مالک شیر خان نے دروازہ کھول کر اسے کوئی حرکت نہ کرنے کا کہا۔سات مسلح افراد کو اپنی گاڑی کے ارد گرد دیکھ کر مارواڑی بزنس مین سہم گئے۔داؤد نے ان سے کہا کہ ''اگر ہلکی سی آواز بھی نکالی تو پھر زندگی بھر نہیں نکلے گی''۔

داؤد نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر مارواڑی سیٹھ سے پوچھا ''مال کہاں ہے؟''۔داؤد کے خوفناک انداز اور انگارا بھری آنکھوں نے سیٹھ کو خوف زدہ کر دیا تھا۔دونوں سیٹھ سکتے کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔داؤد نے وقت ضائع ہوتے دیکھا تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔داؤد نے کہا ''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے'' اسی کے ساتھ داؤد نے سیٹھ کی گود سے بیگ لیا اور کہا ''اور مال کہاں ہے؟'' کانپتے ہوئے سیٹھ نے گاڑی کی ڈگی کی جانب اشارہ کیا۔داؤد نے اعجاز کو اشارہ کیا تو اس نے ڈگی کھولی۔وہاں اسے ایک کالے رنگ کا تالا لگا ہوا بکس ملا۔

مال ملتے ہی داؤد نے اپنے لڑکوں کو جائے وقوعہ سے فوراً غائب ہونے کا اشارہ کیا۔جب مارواڑی سیٹھوں کو ہوش آیا تو انہوں نے پولیس اسٹیشن جانے کا فیصلہ کیا۔پڈھونی تھانے میں انہوں نے ایف آئی آر نمبر سی آر 725/4 درج کروائی۔یہ ایف آئی آر راہزنی اور مسلح ڈاکے کے تحت درج کی گئی۔داؤد اور اس کے ساتھیوں کو اندازہ بھی نہ تھا کہ انہوں نے اس دہائی کی سب سے بڑی ڈکیتی کی ہے اور وہ بھی ناتجربہ کاری اور قسمت کے سہارے۔ان لوگوں کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ جو پیسہ انہوں نے لوٹا ہے، اس کا تعلق میٹروپولیٹن کوآپریٹو بینک سے تھا، نہ کہ حاجی مستان سے۔لوٹی گئی رقم 4,75000 روپے تھی۔اس واقعے کے بعد صرف ایک ہی شخص سب کی نظروں میں آیا اور وہ تھا داؤد ابراہیم۔اگلے دن داؤد شہر کے اخبارات کی اہم سرخیوں میں تھا۔

ابراہیم کاسکار نے جب اپنے بیٹے کی اس ''جرأت'' کی داستان سنی تو ششدر رہ گیا۔معطل کئے جانے کے بعد ابراہیم نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ابراہیم بھائی کو کچھ ہی عرصہ پہلے کرائم برانچ سے بمبئی پولیس بھیج دیا گیا تھا۔اس تمام واقعے کے باوجود پولیس کے حلقوں میں ابراہیم بھائی کی عزت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ڈونگری کے مسلم اکثریتی علاقے میں ابراہیم بھائی کی بیٹھک ہی وہ جگہ تھی، جہاں ہر کوئی اپنا مسئلہ لئے کھڑا ہوتا۔کسی کی نالی بند ہو یا گھریلو جھگڑے یا پولیس کے ڈرانے دھمکانے کے قصے، سب کا حل ابراہیم بھائی کی بیٹھک میں ہی ڈھونڈا جاتا تھا۔جب داؤد، صابر اور دوسرے لڑکوں نے اس قسم کے کام شروع کئے تو اولاً تو ابراہیم بھائی بہت پریشان ہوئے، لیکن بعد ازاں ان حرکتوں کو ان کی جوانی کی غلطیاں سمجھ کر خود کو پریشانیوں سے دور رکھنے کی کوشش کرنے لگے۔لیکن اس واقعے نے تو ابراہیم بھائی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔اس شام ابراہیم بھائی اپنی بیٹھک میں بھی نہ گئے۔اس موقع پر ابراہیم بھائی کو پیر صاحب کی وہ بات یاد آئی کہ داؤد ایک دن اپنی دولت اور طاقت کی وجہ سے بہت شہرت پائے گا۔پولیس نے گینگ کے دیگر افراد کو تو باآسانی گرفتار کر لیا، لیکن صابر اور داؤد کا کہیں پتہ نہیں چل رہا تھا۔ڈکیتی سے اگلے دن ایک حوالدار نے ابراہیم بھائی کے دروازے پر دستک دی اور ابراہیم بھائی کو کرائم برانچ کے آفیسر کا پیغام دیا کہ وہ ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ابراہیم بھائی خود کو کوسنے لگے اور کہنے لگے ''مجھے پتہ تھا، یہ تو ہونا ہی ہے''۔اس کے بعد ابراہیم بھائی نے ٹھان لی کہ دونوں بیٹوں کو کہیں نہ کہیں سے لا کر ضرور قانون کے حوالے کریں گے۔ابراہیم بھائی، داؤد اور صابر کے تمام دوستوں کے گھر گئے، لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔بالآخر انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کے بیٹے بائیکولا میں اپنے ایک دوست کے ہاں چھپے بیٹھے ہیں۔وہ فوراً وہاں پہنچے اور دونوں کو گھر لے کر آئے، جہاں دونوں سر جھکا کے کھڑے ہو گئے۔ماں دونوں کو ڈانٹ ہی رہی تھی کہ ابراہیم بھائی اپنی پرانی اسٹیل کی الماری کی جانب گئے اور چمڑے کی وہ بیلٹ لے آئے جو وہ بڑے فخر سے کرائم برانچ کے حوالدار کے طور پر پہنا کرتے تھے۔دونوں لڑکوں نے جب ابراہیم بھائی کے ہاتھ میں بیلٹ اور چہرے پر غصہ دیکھا تو گھبرا گئے، تاہم ان کی ہمت نہ ہوئی کہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہلیں۔آج بھی پڑوسیوں کو یاد ہے کہ کس بری طرح دونوں بھائیوں نے مار کھائی تھی۔ان کی چیخ و پکار پر پڑوسیوں کو بھی ترس آنے لگا تھا۔ابراہیم بھائی نے بیلٹ سے مار مار کر دونوں کو ادھ موا اور لہولہان کر دیا تھا۔بالآخر ابراہیم بھائی کے ایک دوست نے زبردستی بیلٹ ان کے ہاتھ سے چھین لی۔اس سے پہلے کہ ان کی ماں انہیں کچھ کھانے پینے کو دیتی، ابراہیم بھائی نے دونوں کو گھسیٹا اور ٹیکسی میں ڈال کر کرائم برانچ لے گئے۔ابراہیم بھائی نے دونوں بھائیوں کو کرائم برانچ افسر کے سامنے پھینکا اور ہاتھ باندھ کر رونے لگے۔جانے سے پہلے ابراہیم بھائی نے افسر سے معافی مانگی اور کہا کہ ان دونوں کو ان کے جرم کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔جب کرائم برانچ کے افسر نے ابراہیم بھائی کے بیلٹ کے نشانات دونوں لڑکوں کے جسموں پر دیکھے تو ان پر مزید تشدد نہ کرنے کا سوچا۔ان تمام واقعات اور تھوڑی دیر کی شہرت نے بالآخر ایک نئے ڈان یعنی داؤد ابراہیم کو جنم دیا۔(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

بدمعاشوں سے نمٹنے کیلئے پولیس نے داؤد ابراہیم سے مدد مانگ لی

ڈونگری کا انسپکٹر سودخوروں کی داداگیری سے پریشان تھا - انہوں نے ظلم کی انتہا کردی تھی - ابراہیم بھائی بھی اس سلسلے میں کچھ نہ کرسکے - ایک روز تھانیدار نے 20 برس کے داؤد کے ہاتھوں لحیم شحیم بدمعاش کو پٹتے دیکھا تو سوچا، لوہا لوہے کو کاٹ سکتا ہے - انسپکٹر نے قانون کی مدد کرنے کی پیشکش کردی - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

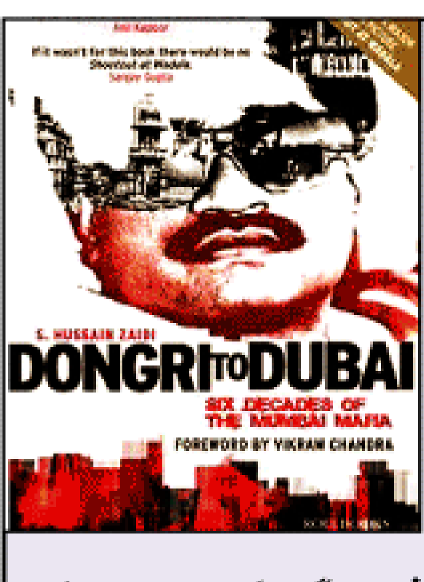

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرر ان ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

ڈونگری پولیس اسٹیشن میں سینئر پولیس انسپکٹر رنبیر لکھا بیٹھا ہوا تھا۔ عموماً وہ تھانے میں بیٹھا صرف اونگھا کرتا تھا، لیکن آج وہ پوری طرح جاگا ہوا تھا۔ انسپکٹر نے ہیڈ کانسٹیبل دلیپ کی دھیمی دھیمی آواز پر کان لگا رکھے تھے، جو ایک بیکری ملازم کی شکایت درج کرنے میں مصروف تھا۔ بیکری کے اس ملازم کو محض اس بات پر بے رحمی سے مارا پیٹا گیا تھا کہ اس نے ایک مقامی سودخور آصف خان کو قرض کی ماہانہ قسط ذرا دیر سے پہنچائی تھی۔ اسے اس قدر مارا گیا تھا کہ وہ مرتے مرتے بچا تھا۔ اس دوپہر درج کرائی جانے والی یہ تیسری شکایت تھی۔

انسپکٹر لکھا بڑی باریک بینی سے اس بات پر غور کر رہا تھا کہ ان سودخوروں نے کس خوبی کے ساتھ سویلین لوگوں اور پولیس کے حلقے میں ایک جال بنا رکھا تھا۔ عام شہریوں اور ورکروں سے لے کر بڑے تاجر بھی ان سے سہمے رہتے تھے۔ ڈونگری پولیس اسٹیشن میں انسپکٹر لکھا کی یہ دوسری بار ڈیوٹی لگی تھی، اور صرف 1960ء سے اب تک یہ لوگ اتنی طاقت پکڑ چکے تھے۔ اس مسئلے پر دھیان دیتے ہوئے اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اس مسئلے سے نکلنے کی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ اس نے کانسٹیبل گوکٹے کو بلایا اور اس سے کہا کہ مسافر خانے کی پکھموڈیا اسٹریٹ جانا ہے۔ وہاں ابراہیم کاسکار کو پیغام دے دو کہ جب ان کیلئے ممکن ہو مجھ سے مل لیں۔

گو کہ ابراہیم بھائی محض کرائم برانچ کے ایک ہیڈ کانسٹیبل کے طور پر ریٹائر ہوئے تھے، لیکن علاقے میں ان کا اثر و رسوخ کسی ڈی سی پی یا بڑے سوشل ورکر سے بھی زیادہ تھا۔ ابراہیم بھائی ہمیشہ ضرورت مند اور ستائے ہوئے لوگوں کی مدد کیلئے تیار رہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے محکمے سے اچھے روابط ابھی تک قائم رکھے ہوئے تھے۔ ابراہیم بھائی پولیس اسٹیشن آئے اور انسپکٹر لکھا کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

حال احوال پوچھنے کے بعد لکھا جلد ہی کام کی بات پر آ گیا "ابراہیم بھائی، یہ کیا ہو رہا ہے؟ کریم لالہ سے بات کرو، کچھ کرنا پڑے گا۔ ان سودخوروں کی حرکتیں حد سے باہر ہو گئی ہیں"۔ ابراہیم بھائی آگے کی جانب ہوئے اور کہنے لگے "صاحب، میں بات کرتا ہوں کریم بھائی سے۔ پہلے بھی کہا ہے میں نے ان سے، وہ بہت قاعدے کے آدمی ہیں، وہ میری بات کبھی نہیں ٹالتے، یہ دوسرے لوگ ہیں جو ان کی بھی نہیں سنتے، بہرحال میں کچھ کرتا ہوں...... جو بھی بن سکے"۔

ابراہیم بھائی سے بات کرنے کے بعد انسپکٹر لکھا کو کچھ اطمینان سا ہو گیا۔ دوسرے پولیس والے ان لوگوں سے الجھنے سے گھبراتے تھے، لیکن ابراہیم بھائی کی دیگر سماجی حلقوں کی طرح ان میں بھی عزت تھی۔ سودخوروں کا یہ گروہ، جن میں زیادہ تر پٹھان تھے، ان دنوں شہر پر راج کر رہا تھا۔ انہوں نے پورے معاشرے پر اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی۔ ان کیلئے قانون، پولیس اور حکومت بے معنی تھے۔ وہ صرف پیسے اور طاقت کو اہمیت دیتے تھے اور اسی زبان کو سمجھتے تھے۔ جیسا کہ کریم لالہ کہا کرتے تھے، "دنیا کو مٹھی میں رکھنا سیکھو، ہاتھ کھولو صرف پیسہ لینے کیلئے"۔

لکھا جانتا تھا کہ ابراہیم بھائی نے جو بات کہہ دی سو کہہ دی۔ انہوں نے ان لوگوں کو سمجھانے کی حامی بھر لی تھی۔ ایسا کئی مرتبہ ہوا کہ حالات خراب ہونے کے بعد ابراہیم بھائی کو بیچ میں ڈالا گیا تو کافی عرصہ سکون اور امن سے گزر گیا۔ آج انتظامیہ والے بھی پولیس پر انگلی اٹھا رہے تھے کہ پولیس کچھ نہیں کرتی، اور کرتی ہے تو صرف ظلم۔ لیکن اس مرتبہ ابراہیم بھائی بھی ناکام ہوتے نظر آ رہے تھے۔ اس گروہ کا ظلم روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ بلکہ ان کی داداگیری اب پہلے سے بھی زیادہ بڑھ چکی تھی۔ ایک مرتبہ حمید خان پٹھان کو ڈونگری بلایا گیا۔ حمید خان ساڑھے چھ فٹ کا اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ اس کے چلنے سے ہی اردگرد کے لوگ خوف کے مارے راستہ چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ امیر زادہ، عالم زیب اور اس کے بھائی بھی آہستہ آہستہ خوف کی علامت بنتے جا رہے تھے۔ حمید خان نے تھانے میں آتے ہی اسٹیشن ہاؤس آفس کی ٹیبل توڑ ڈالی۔ اس نے انتہائی بڑے سائز کی اس ٹیبل کو سر سے اوپر اٹھایا اور زمین پر دے مارا۔ تمام سپاہی اور افسران سہمے ہوئے تماشائی بنے کھڑے تھے۔

انسپکٹر لکھا کو اندازہ ہوا کہ ابراہیم بھائی کے ساتھ اس کی میٹنگ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکی۔ انسپکٹر لکھا کو اندازہ تھا کہ وہ اپنے تھانے کی حدود کا کنٹرول کھوتا جا رہا ہے اور یہ اس کیلئے بالکل بھی اچھا نہ تھا۔ کبھی بھی کسی بھی وقت اسے وہاں سے کک آؤٹ کیا جا سکتا تھا۔ ابھی وہ انہی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف تھا کہ دروازہ کھلا اور ہوا کی مانند اقبال ناطق اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پچیس سالہ نوجوان محمد اقبال ناطق بمبئی شہر میں راتوں رات نام پیدا کرنے والا صحافی تھا۔ ان دنوں صحافت بھی بمبئی شہر میں اپنے عہد طفولیت میں تھی۔ البتہ شہر میں مناسب تعداد میں اخبارات اور رسائل کی کبھی کمی بھی نہ رہی تھی۔ مشہور اخبارات میں بطور فری لانس جرنلسٹ کام کرنے کے بعد بالآخر ناطق نے 1969ء میں ڈونگری سے اپنے اخبار کا آغاز کیا تھا۔ اخبار شروع کرتے وقت اس کی عمر محض 26 برس تھی۔ دو سال کے اندر اندر ناطق نے خود کو ایک کامیاب ایڈیٹر اور اخبار کا مالک منوا لیا تھا۔ ناطق کی سفارتی اور اعلیٰ حکومتی حلقوں تک رسائی ہو چکی تھی۔ رازدار ایک سنسنی خیز اخبار تھا، جس میں بڑے بڑوں کی پولیں کھول دی جایا کرتی تھیں۔ ناطق کسی بھی سینئر افسر کے کمرے میں بن بلائے گھس جایا کرتا تھا۔ وہ کسی بھی مافیا کے خلاف لکھنے سے نہیں گھبراتا تھا، حتیٰ کہ موت کے خوف کو بھی اس نے بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

ایک شخص جو کہ سرعام اس کی تعریف کرتا تھا اور اسے اپنا دوست کہتا تھا وہ تھا داؤد ابراہیم۔ داؤد اپنے دوستوں سے کہا کرتا تھا "بندے میں دم ہے"۔ ناطق اور داؤد دونوں کا تعلق رتنگری سے تھا، لیکن آبائی گاؤں ایک ہونے سے زیادہ ان میں قدر مشترک بے خوفی تھی۔ ناطق کی نظر میں داؤد، بڑے ڈان یعنی باشو دادا، حاجی مستان اور کریم لالہ کیلئے خطرہ تھا۔

ناطق، انسپکٹر لکھا کے پاس اس وقت سے آیا جایا کرتا تھا جب وہ کرائم رپورٹر تھا۔ لیکن آج لکھا کو دیکھ کر ناطق کو محسوس ہوا کہ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ دعا، سلام کے بعد اقبال نے کہا "کیا بات ہے صاحب، آپ کی بدلی کے آرڈر نکلے ہیں یا کچھ اور بات ہے؟"

لکھا نے بڑی افسردگی کے ساتھ جواب دیا، "یہاں کچھ الگ ہوتا ہے کیا، ان سودخوروں نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ یا تو کسی نہ کسی کو پیٹ ڈالتے ہیں یا پھر آپس میں لڑتے ہیں۔ ناک میں دم کر دیا ہے ان لوگوں نے"۔

اقبال مسکرا دیا اور کرسی پر ٹیک لگاتے ہوئے بولا "صاحب! شعلے"۔

"شعلے! دماغ گھر پر چھوڑ آئے ہو کیا؟" انسپکٹر لکھا نے کہا۔

اقبال کے چہرے پر ہنسی کی جگہ اب پراسراریت چھا رہی تھی۔ اس نے کہا "لوہا لوہے کو کاٹتا ہے"۔ یہ وہ مشہور ڈائیلاگ تھے، جو فلم شعلے میں ٹھاکر بلدیو سنگھ نے بولے تھے۔ اب انسپکٹر لکھا کو بات کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

انسپکٹر نے کہا "مگر ان لوگوں سے الجھے گا کون؟"

اقبال ناطق نے بڑے ہی اعتماد کے ساتھ کہا "ہے ایک لڑکا، داؤد ابراہیم کاسکار"۔ یہ سنتے ہی انسپکٹر کو جھٹکا سا لگا اور اس نے اپنی کرسی پر پیچھے ہوتے ہوئے کہا "تمہارا مطلب ابراہیم بھائی کا لڑکا...... نا بابا نا!"۔

"اچھا، پھر......" اقبال نے کہا اور کرسی سے اٹھ گیا۔ جانے سے پہلے کہنے لگا "محلے میں سب کو پتہ ہے، بہت ہمت ہے اس میں"

اب لکھا کے سوچنے کی باری تھی۔ وہ ابراہیم بھائی کے بیٹے کو ایک جذباتی لڑکے کی حیثیت سے جانتا تھا، اس لیے یہ بات اس سے ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ ان کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا۔ وہ گلیوں میں گھومنے والا بیس بائیس سال کا ایک لڑکا تھا۔ کبھی گلی محلے میں ادھر ادھر جھگڑا ہو گیا اور بس! اسی سوچ میں گم انسپکٹر سوچنے لگا کہ اقبال کا دماغ چل گیا ہے۔ یہ کوئی بالی ووڈ کی فلم تو نہیں کہ ایک لڑکا اتنے بڑے ڈان سے ٹکر لینے کیلئے تیار ہو جائے۔ انسپکٹر نے اس خیال کو ہنسی میں اڑا دیا۔ دن گزرتے رہے اور انسپکٹر لکھا بگڑتے حالات سے مزید پریشان ہوتا رہا۔ پھر ایک دن انسپکٹر نے بڑا ہی عجیب منظر دیکھا۔ ڈونگری میں معمول کی صبح تھی اور وہ دورے پر تھا۔ لکھا، کھڈ پاری سے جے جے اسپتال کی جانب آتے ہوئے ٹریفک جام میں پھنس گیا تھا۔ تمام گاڑیاں ہارن بجا رہی تھیں۔ پولیس موبائل کے نکلنے کا بھی کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ غصے کے عالم میں انسپکٹر لکھا گاڑی سے باہر نکلا اور ٹریفک جام کی وجہ معلوم کرنے کیلئے آگے بڑھا۔ اس نے دیکھا کہ روڈ پر لوگوں کا ایک مجمع لگا ہوا ہے۔ جب مجمعے نے دیکھا کہ انسپکٹر ان کی جانب بڑھ رہا ہے، تو وہ تھوڑا ادھر ادھر ہو گئے۔ لکھا نے جو کچھ دیکھا، اس نے اسے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ ایک شخص بری طرح زخمی تھا۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور جسم سے خون نکل رہا تھا۔ ایک لڑکا کبھی اسے دائیں، کبھی بائیں اور کبھی آگے اور پیچھے سے مار رہا تھا۔ جب اس نے اتنے طاقتور اور قدآور شخص کو، جو ایک مشہور سودخور تھا، ایک بیس سال کے چھوٹے قد کے لڑکے سے اس بری طرح پٹتے دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ انسپکٹر لکھا کو اس سودخور سے کوئی خاص ہمدردی تو نہ تھی، لیکن اس طرح اسے سرعام پٹتا دیکھ کر اسے اس پر ترس آیا اور اس نے آگے بڑھ کر لڑکے کو روکا اور کہا "کیا نام ہے تمہارا؟" لڑکے نے انسپکٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "داؤد، داؤد ابراہیم کاسکار، پولیس والے کا بچہ ہوں میں"۔ پولیس انسپکٹر رنبیر لکھا تو جیسے اپنی جگہ جم سا گیا۔ اس کے ذہن میں ایک لفظ گھنٹی کی مانند بج رہا تھا "شعلے"۔ جلد ہی اس نے داؤد کو مجمع سے باہر نکالا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی قسمت کھل گئی ہو۔ اب اس کے ذہن میں اقبال ناطق کے منصوبے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ خود کو ذرا سنبھالتے ہوئے لکھا نے داؤد سے کہا "چلو گاڑی میں بیٹھو"۔ داؤد نے شکی انداز سے انسپکٹر کو دیکھا، لیکن خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے داؤد نے ایک لڑکے سے کہا، "گھر پہ بول دینا، تھوڑا لیٹ ہو جاؤں گا"۔ انسپکٹر نے کہا، "ایسے لوگوں سے لڑنے کا بہت شوق ہے تمہیں؟" "شوق نہیں، ضرورت ہے۔ لڑیں گے نہیں تو مٹ جائیں گے"۔ داؤد نے کہا۔ "ایسا کچھ کیوں نہیں کرتے کہ تمہاری لڑائی ہمارے بھی کام آ جائے"۔ انسپکٹر بولا۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" "وہ جو تم کر رہے ہو...... قانون ہاتھ میں لیے بغیر قانون کی مدد کرو۔ ان لوگوں کو اپنے قابو میں کر لو۔ تم میرا یہ کام کرو، باقی میں سنبھال لوں گا"۔ انسپکٹر لکھا نے کہا۔ اس کے بعد سارے راستے خاموشی ہی رہی۔ پھر داؤد ابراہیم نے کہا "ٹھیک ہے صاحب، گاڑی روک دو، میرا گھر آ گیا ہے۔ سوچ کر بتاتا ہوں"۔ جیپ جے جے اسپتال کے نکڑ پر رکی اور داؤد انسپکٹر کو ہاتھ ہلا کر گھر چلا گیا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

پولیس اور پریس کی ہمنوائی نے داؤد ابراہیم کو طاقتور بنا دیا

باشو دادا کی طرح کنگ میکر بننے کے لئے داؤد ابراہیم نے سیاسی میدان میں بھی قسمت آزمانے کی ٹھانی۔ اس کے لئے اپنے قریبی دوست اور صحافی اقبال ناطق کو الیکشن لڑایا لیکن یہ تجربہ ناکام رہا۔ ایک روز مخالف گروپ نے ناطق کو قتل کر دیا۔ بھارتی صحافی کی کتاب سے اقتباسات

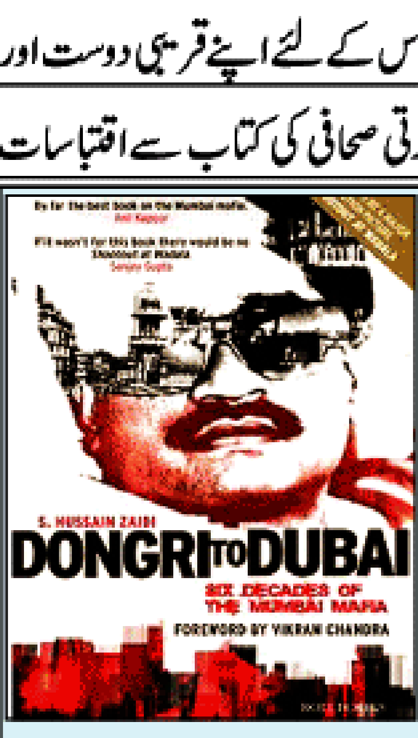

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرر ان ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

ایوب لالہ اور اس کے دیگر قبیل کے دیگر گروہوں کی داداگیری کا انداز صحافی اقبال ناطق کو ایک نظر نہ بھاتا تھا۔ داؤد کے نزدیک ناطق ہمت و جرأت کا پیکر تھا۔ وہ امیر زادہ، عالم زیب، ایوب لالہ اور سعید باٹلہ جیسے لوگوں میں اسی شان سے رہتا تھا جیسا کہ اس کو رہنا چاہیے۔ بلکہ اقبال کا رویہ ان لوگوں سے جارحانہ تھا اور وہ اکثر اپنی صحافت کے ذریعے ان کے کرتوتوں کا پردہ چاک کرتا رہتا تھا۔ لیکن ناطق بہادری اور لاپرواہی میں فرق نہیں کر پا رہا تھا۔ بالآخر سچ کو سامنے لانے کی اس کی خواہش اسے بہت دور لے گئی۔

اب داؤد، ناطق کے لیے بہت سی کہانیوں کا ذریعہ تھا۔ داؤد کے لڑکے گلی محلے کی انٹیلی جنس پر لگے رہتے۔ وہ لوگ پان کی دکان پر ہونے والی گفتگو اور ادھر ادھر کی کہانیوں کو ناطق تک پہنچانے لگے۔ اکثر ناطق کو ایسی کہانیاں بھی ملتیں جن کی توثیق کرنا ممکن نہ ہوتا لیکن ناطق، داؤد کے اعتبار پر ان کہانیوں کو بھی اپنے اخبار کی ہیڈ لائنز میں جگہ دے دیتا۔ ناطق پر کبھی کوئی مقدمہ تو قائم نہ ہوا لیکن بی آئی ٹی کمپاؤنڈ میں بیٹھک لگانے والے پٹھانوں کے گروہ کی جانب سے اسے اکثر دھمکیاں ملتی رہتی تھیں۔

پولیس اور پریس کی ہمنوائی نے اب داؤد کو کافی طاقتور بنا دیا تھا۔ لہروں کے داؤد جانتا تھا کہ جب تک اس نے باشو دادا کا قصہ تمام نہ کیا وہ ابھر نہیں حاصل ہو جاتی وہ لازماً الیکشن جیت جاتا اور باشو دادا کی حمایت کے بغیر الیکشن جیتنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

مولانا ضیاء الدین بخاری کی مثال باشو دادا کے اثر و رسوخ پر گواہ تھی۔ اب داؤد سوچ رہا تھا کہ اسے بھی باشو دادا کی طرح زور بازو اور سیاسی قوت کو ملانا ہوگا۔ داؤد نے ناطق کو لوک سبھا کا الیکشن لڑنے کا مشورہ دیا۔

سیاسی عزائم کی بنیاد کبھی بھی مفروضات پر نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ بات بالکل سچ ہے کہ ناطق ایک منجھا ہوا صحافی تھا اور اس کی زندگی کا یہ روپ عوام میں اس کی مقبولیت کا باعث بھی تھا۔ اسی زعم میں ناطق یہ سمجھ بیٹھا کہ وہ انتخابات بھی جیت سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے 1977ء میں لوک سبھا کے چھٹے عام انتخابات کے لیے کاغذات نامزدگی جمع کرا دیے۔

داؤد کا خیال تھا کہ اپنے لڑکوں کے ذریعے وہ ناطق کی حمایت کرکے اسے انتخابات جتوانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ یہ انتخابات داؤد کے لیے مستقبل کا ڈان بننے کے ضمن میں ایک امتحان کی حیثیت رکھتے تھے۔

تاہم ناطق یہ الیکشن بری طرح ہار گیا اور اس کو صرف 800 ووٹ مل سکے۔ اور اس کے مقابل راجہ رتن سنگھ گوک لاس جس کا تعلق بھارتیہ لوک دل سے تھا بڑی آسانی کے ساتھ الیکشن جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔

ناطق کی ہار نے داؤد کو یہ یقین دلا دیا کہ وہ اب بھی اس مقام سے کوسوں دور ہے جہاں پہنچنا اس کی خواہش تھی۔ اب اسے اپنے مقام تک پہنچنے کے لیے مسلسل اور انتھک محنت کی ضرورت تھی۔ ناطق نے بھی پہلی مرتبہ انتخابات میں حصہ لیا تھا غالباً اسی لیے وہ ایک اچھا امیدوار ثابت نہ ہو سکا۔ لیکن ناطق نے یہ بات ٹھان لی کہ اگلی مرتبہ کامیابی ضرور اس کے قدم چومے گی۔ لیکن اب ناطق کی دشمنیاں بھی حد سے بڑھنے لگی تھیں۔ ایوب لالہ اور سعید اسمگل شدہ اشیاء ایک گیسٹ ہاؤس کے قریب ہی کہیں چھپا کر رکھا کرتے تھے ایک دن انہوں نے آتے جاتے دیکھا کہ گیسٹ ہاؤس میں ایک لڑکا اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ ایک رات یہ لوگ گیسٹ ہاؤس میں گھر گئے اور اس شخص کی بیوی کی آبروریزی کی اور بعد میں ثبوت مٹانے کے لیے اس کے شوہر کو بھی مار ڈالا۔ لوگوں میں ہمت نہ تھی کہ قاتلوں کا نام لیتے لیکن ناطق نے ہمت دکھائی اور پوری اسٹوری چھاپ ڈالی۔ اس اسٹوری کے بعد ساری باتیں کھل کر سامنے آ گئیں۔ پولیس نے چھاپہ مار کر ایوب لالہ، سعید باٹلہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔

چند ماہ جیل میں گزارنے کے بعد یہ لوگ ضمانت پر باہر آ گئے۔ جیل سے باہر آتے ہی یہ لوگ اپنے اڈے کیرم کلب جو کہ بی آئی ٹی کمپاؤنڈ میں تھا کی جانب چلے گئے۔ اب یہ لوگ ناطق کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے لیکن کوئی طریقہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ ابھی وہ لوگ صرف ضمانت پر ہی باہر آئے تھے۔ ایسی ویسی کوئی بھی حرکت انہیں کسی بہت بڑی مصیبت میں ڈال سکتی تھی۔

اس کے باوجود یہ لوگ ناطق کو دھمکیاں دینے لگے۔ انہوں نے اس کے چھوٹے سے اخبار کے دفتر میں توڑ پھوڑ کی کوشش بھی کی۔ ناطق نے پولیس اسٹیشن میں واقعہ کے خلاف رپورٹ درج کرائی اور یہ موقف اختیار کیا کہ کیرم کلب جرائم کا اڈہ بنتا جا رہا ہے۔ اس پر پولیس نے کیرم کلب پر دھاوا بول دیا اور یوں کلب کو بند کر دیا گیا۔ کلب کا بند ہونا ناطق کی بہت بڑی فتح تھی جبکہ پٹھان گروپ کے لیے یہ ناقابل تلافی نقصان تھا۔ 17 اگست 1977ء کی رات تقریباً ساڑھے تین بجے کسی نے زور زور سے ناطق کے دروازے پر دستک دی۔ دستک دینے والے کے ہاتھ رکتے ہی نہ تھے اور وہ مسلسل دستک دیے جا رہا تھا۔ نیند کے عالم میں جب ناطق نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ سعید دروازے پر کھڑا ہے۔

سعید نے کہا ''تمہیں بھائی نے بلایا ہے۔'' بھائی سے سعید کی مراد امیر زادہ تھا۔ ناطق نے کہا۔ ''کیا بکواس ہے؟ تم نے وقت دیکھا ہے؟ میں ابھی نہیں آ سکتا۔ اس سے کہہ دو میں کل آؤں گا۔'' اس موقع پر ان کے درمیان کچھ اس طرح کا مکالمہ ہوا۔

سعید۔ ''نہیں وہ تم سے ابھی ملنا چاہتا ہے۔''

ناطق۔ ''تم پاگل ہو؟ میری بیوی گھر پر ہے میں اسے اس طرح چھوڑ کر تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔''

سعید۔ ''بھائی بہت غصے میں ہے۔ اگر تم ابھی اس سے مل لو تو مسئلہ آسانی سے ٹل سکتا ہے۔ لیکن اگر تم نے چلنے سے انکار کیا تو بھائی کا غصہ تمہیں بہت مہنگا بھی پڑ سکتا ہے۔'' سعید نے کہا کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ لوگ اسے گھسیٹ کر بھی بھائی کے پاس لے جا سکتے ہیں۔

ناطق کو اندازہ ہوا کہ ان سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ اسے بھائی کے پاس جا کر بات کر لینی چاہیے۔

ناطق کی بیوی صرف 22 سال کی تھی اور اس کے لیے یہ شہر بالکل اجنبی تھا۔ وہ اس سارے معاملات سے گھبرا گئی اور طرح طرح کے خیالات اس کے دل میں آنے لگے وہ چاہتی تھی کہ اپنے شوہر کو اتنی رات کو گھر سے نہ جانے دے۔ لیکن ناطق نے اسے سمجھایا کہ کچھ نہیں ہونے والا اور سعید اور ایوب کے ساتھ چل دیا۔ انہوں نے سڑک پار کی اور ایک کار میں بیٹھ گئے جو کہ بی آئی ٹی کمپاؤنڈ کے باہر کھڑی تھی۔

ناطق جیسے ہی کار میں بیٹھا انہوں نے اسے بری طرح پیٹنا شروع کر دیا۔ ناطق نے گاڑی سے اترنے کی کوشش کی لیکن گاڑی کی رفتار بہت تیز ہو چکی تھی۔ ان لوگوں نے اتنی اچانک حملہ کر دیا تھا کہ ناطق کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل پایا اور درد کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ناطق کی مزاحمت کے باوجود گاڑی پوری رفتار کے ساتھ دوڑتی رہی اور گرانٹ روڈ پر واقع قادر بلڈنگ کے قریب آ کر رکی۔ اس عمارت میں امیر زادہ کا دفتر تھا۔ ناطق کو اس دفتر میں مزید ذلت اور تشدد کا سامنا کرنا تھا۔

دبلے پتلے ناطق کو چاروں اطراف سے گھونسوں اور لاتوں کا سامنا تھا۔ سعید جو کہ ناطق کے آرٹیکلز کی وجہ سے جیل تک ہو کر آیا تھا اور بڑی مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا غصے میں بھرا بیٹھا تھا۔ اس نے ٹوکا لیا اور ناطق پر کاری ضربیں لگائیں۔ ناطق کا خون بہنے لگا اور وہ اپنے ہوش و حواس کھونے لگا۔ ان لوگوں نے ایک مرتبہ پھر ناطق کو گاڑی میں ڈالا اور ماہیم کریک کی جانب روانہ ہوئے۔ ماہیم کریک کے قریب انہوں نے نیم مردہ حالت میں ناطق کو پھینک دیا۔

ماہیم کریک پر کچرے کے ڈھیر میں پڑے ہوئے جب ناطق کو ہوش آیا تو سورج پوری طرح آسمان پر چڑھ چکا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ کتنی دیر اس حالت میں رہا ہے۔ البتہ اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ اس کے جسم سے بہت سا خون بہہ چکا ہے اور اگر کچھ نہ کیا گیا تو وہ جلد ہی مر جائے گا۔ اس نے اپنا جسم ہلانے کی کوشش کی تو اسے اندازہ ہوا کہ اس کے جسم میں بالکل بھی جان نہیں ہے۔ لیکن ناطق کو اندازہ تھا کہ اگر اسے زندہ رہنا ہے تو اسے بھرپور کوشش کرنا ہوگی وہ کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا اس لیے کہنیوں اور پیٹ کے بل رینگتے ہوئے خود کو سڑک تک لے آیا۔ خوش قسمتی سے سڑک پر اسے دو آدمیوں اور ٹریفک پولیس والے نے دیکھ لیا۔

انہوں نے جلد ہی اسے ایک ٹیکسی میں ڈالا اور جے جے اسپتال لے آئے۔ جہاں سے اس کے گھر والوں کو بھی اطلاع دے دی گئی۔ انتہائی کمزوری کی حالت میں ناطق نے دونگری پولیس اسٹیشن میں اپنا بیان قلم بند کروایا اور اپنے دوست داؤد کو بھی ساری داستان سنا دی۔

داؤد اس سارے معاملے کا ذمہ دار خود کو سمجھنے لگا کہ اسے ناطق کو پیش آنے والے خطرات کو پہلے سے ہی بھانپ لینا چاہیے تھا۔ ڈاکٹروں کی کوشش کے باوجود ناطق زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے دو دن بعد انتقال کر گیا داؤد اور اس کے لڑکے بہت غصے میں تھے اور سعید اور ایوب کی جانب سے ناطق کے جسم پر لگائے گئے زخموں کے درد کو اپنے جسموں پر محسوس کر رہے تھے۔ ناطق، ایوب لالہ اور اس کے ساتھیوں کے گروہ کے آگے ایک دیوار تھا جو کہ انہوں نے گرا ڈالی۔

داؤد نے کبھی درد کو اتنے قریب سے محسوس نہ کیا تھا۔ آج پہلی مرتبہ اس نے کسی قریبی ساتھی یعنی اپنے بھائی نما دوست کو کھویا تھا۔ وہ یہ درد سہہ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے قاتلوں سے بدلہ لینے کی قسم کھائی اور کہا کہ ناطق بھائی میں قسم کھاتا ہوں کہ جس طرح انہوں نے تمہیں مارا ہے میں بھی انہیں اسی طرح ماروں گا۔ ساتھ ہی کھڑے انسپکٹر لکھانے داؤد کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی پوری حمایت کا یقین دلایا۔ ناطق کے قتل سے قبل کبھی بھی داؤد نے کسی کو جان نہ لی تھی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ترجمہ: عبدالقادر

قسط نمبر 14

داؤد ابراہیم نے دوست کے قتل کا بدلہ لے لیا

اقبال ناطق کے قاتلوں کو مارنے میں خالد پہلوان نے بھرپور ساتھ دیا- باشو دادا کے منظر نامے سے ہٹنے کے بعد خالد کے دل میں داؤد ابراہیم کے لئے عزت بہت بڑھ گئی تھی- اپنا حساب چکانے کے بعد داؤد ابراہیم کی منزل بمبئی میں اپنے قدم مضبوط کرنا تھے- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

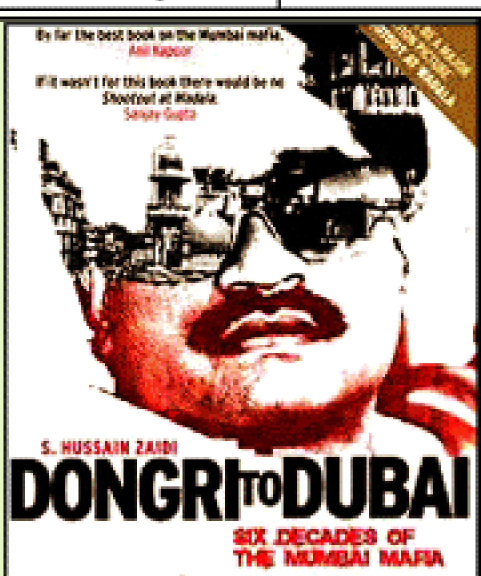

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی ٹیرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

یہ 1977ء تھا۔ داؤد ابراہیم کے سر پر خون سوار تھا۔ باشو دادا کا قصہ تمام ہوئے بمشکل سال ہی گزرا تھا، کہ داؤد ابراہیم کو بھائی جیسے دوست کی موت کا صدمہ جھیلنا پڑ رہا تھا۔ داؤد ابراہیم ہر حال میں اقبال ناطق کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ خالد پہلوان جو کبھی باشو دادا کا دایاں بازو ہوا کرتا تھا، آج خود چل کر داؤد ابراہیم کے سامنے دوستی کا ہاتھ بڑھانے آیا تھا۔ باشو دادا کے بعد خالد پہلوان نے اگر کسی کی عزت کی تھی تو وہ تھا داؤد ابراہیم۔

خالد پہلوان ایک منجھا ہوا انسان تھا۔ اور آج وہ جو کچھ بھی تھا، اپنے بل بوتے پر تھا۔ گو کہ وہ باشو دادا کا دایاں بازو تھا، لیکن انڈر ورلڈ مافیا میں اس کی اپنی ایک حیثیت تھی۔ باشو دادا کے منظر نامے سے ہٹنے کے بعد خالد پہلوان کے دل میں داؤد ابراہیم کیلئے عزت بہت بڑھ گئی تھی اور اس نے بمبئی شہر میں اپنے قدم بھی بہت مضبوط کر لئے تھے۔ خالد ایک دور اندیش انسان تھا۔ اس نے داؤد ابراہیم کی صلاحیتوں کا اندازہ اسی وقت لگا لیا تھا جب داؤد نے اس کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ اس کی دشمنی باشو دادا سے تھی، اس سے اس کی کوئی دشمنی نہیں۔ خالد، داؤد ابراہیم کو اپنا دوست بنانے میں فخر محسوس کرتا تھا اور اسے اپنی خدمات کی پیشکش بھی کی۔

خالد اور اس کے کارندے اس شہر میں اپنا نام اور مقام پیدا کر چکے تھے۔ اس کے اونچے خوابوں اور لمبے ہاتھوں کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے گرانٹ روڈ پر ہیروں کے ایک تاجر پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی۔ گو کہ اس کارروائی میں خالد کے بہت سے ساتھی گرفتار ہو گئے، لیکن خالد جو اس سارے گیم کا ماسٹر مائنڈ تھا، اس کارروائی میں بآسانی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

داؤد ابراہیم بھی خالد کی بہادری و جرأت اور علاقے میں اس کی دھاک کا معترف تھا۔ اس لیے داؤد ابراہیم نے سوچا کہ بجائے خالد کی دشمنی مول لینے کہ اس سے دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہیے۔ نیز خالد پہلوان، ایوب لالہ، سعید باٹلہ اور اس قبیل کے دیگر گروہوں کے ساتھ جنگ میں بھی داؤد ابراہیم کا حامی بن گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ داؤد ابراہیم کے ذہن پر صرف ایک بات سوار تھی کہ کسی نہ کسی طرح اقبال ناطق کے قاتلوں کا ڈونگری سے صفایا کرنا ہے۔ اس ضمن میں جو کوئی بھی داؤد ابراہیم سے ٹکراتا، وہ اس سے لڑنے کیلئے تیار تھا۔

سعید باٹلہ اور ایوب لالہ بنیادی طور پر اقبال ناطق کے قتل کے ذمہ دار تھے۔ داؤد ابراہیم نے ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کا پورا پورا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ خالد پہلوان نے داؤد کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کیلئے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ ان دونوں کو سزا دلوانے میں داؤد کی پوری طرح مدد کرے گا۔ اس طرح سے اب اس خان گروپ کو ختم کرنے کی کہانی نے زور پکڑنا شروع کر دیا۔

اس وقت تک پورے بمبئی میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ داؤد ابراہیم، ایوب لالہ اور سعید باٹلہ کو جگہ جگہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ داؤد کی ہٹ لسٹ پر ہونے کی وجہ سے یہ دونوں اب چھپتے پھر رہے تھے۔ انہیں پوری طرح اندازہ تھا کہ داؤد کے سر پر خون سوار ہے۔ انہیں اب ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑے گا۔ وہ کہیں بھی آنے جانے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچتے۔ لیکن یہ لوگ زیادہ عرصہ اس طرح چھپ کر نہ رہ سکے۔ بالآخر خالد پہلوان نے ان کی کھوج لگا ہی لی۔

خالد کے ایک مخبر نے اطلاع دی کہ ایوب لالہ گیرگام چوپتی کے شراب خانے میں آنے والا ہے۔ خالد نے وقت ضائع کئے بغیر شراب خانے کا رخ کیا اور اپنے کارندوں کے ہمراہ ایوب لالہ کی ٹوہ میں وہاں تک آ پہنچا۔ ایک جانب اگر خالد ایک توانا جسم رکھنے والا پہلوان تھا، تو دوسری جانب ایوب لالہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ البتہ ان دونوں میں فرق یہ تھا کہ خالد پہلوان بدلہ لینے اور وفاداری ثابت کرنے کے عزائم سے بھرپور تھا، جبکہ دوسری جانب ایوب لالہ اپنی جان بچانے کیلئے پہلے ہی چھپتا پھر رہا تھا۔ داؤد ابراہیم سے چھپ کر اس نے پہلے ہی اپنی بزدلی ثابت کر دی تھی۔

خالد کو شراب خانے میں آتا دیکھ کر تو جیسے ایوب لالہ ششدر ہی رہ گیا۔ جب اس نے خالد کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ خالد کے ارادے اس کے بارے میں کچھ نیک نہیں ہیں۔ ایوب لالہ اور اس کے کارندوں نے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی، لیکن خالد پہلوان اور اس کے ساتھیوں کے سامنے یہ لوگ بے بس ثابت ہوئے۔ خالد اور اس کے ساتھیوں نے ایوب لالہ اور اس کے کارندوں کی بہت پٹائی کی۔ خالد، ایوب لالہ کو گھسیٹتا ہوا ڈونگری مارکیٹ تک لے آیا۔ مار پیٹ کے بعد بھی جب خالد کی تسلی نہ ہوئی تو اس نے اپنے چاقو سے ایوب لالہ کے ہاتھوں پر ضربیں لگانا شروع کر دیں، پھر اسے اپنے کارندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، جنہوں نے اس کی دھنائی کرنا شروع کر دی۔

ایوب لالہ جیسے جیسے سڑک پر رینگتا، اس کے ہاتھ سے بہنے والے خون کی لکیر سڑک پر بننا شروع ہو جاتی۔ اسی دوران خالد نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پر اپنے چاقو سے ایک کٹ لگا دیا۔ خون کی ایک دھار ایوب کے چہرے کو سرخ کر گئی۔ ایوب لالہ کی چیخ و پکار سننے والا وہاں کوئی نہ تھا۔ اس کی چیخ و پکار کے ساتھ ساتھ اس کے جسم سے بہنے والے خون کا تالاب بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے ایوب لالہ کافی کمزور ہو گیا، وہ اب اٹھنے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔

اسے بے دردی سے قتل کر دینے کی خبر پورے بمبئی شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور پوری بمبئی مافیا اس خبر سے ہل کر رہ گئی۔ داؤد ابراہیم کو اس خبر سے بے حد خوشی ہوئی۔ ایوب لالہ کے قتل کا پورا پورا سیاسی اور معاشی فائدہ داؤد ابراہیم کو ہونا تھا۔ ایوب کے قتل کے چند ماہ بعد کی بات ہے کہ سعید باٹلہ نشے کی حالت میں ڈونگری بازار آیا۔ اس کا نام باٹلہ اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ شراب نوشی حد سے زیادہ کیا کرتا تھا اور اس کا پیٹ اسی وجہ سے کافی باہر نکلا ہوا تھا۔ لفظ باٹلی دراصل بگڑ کر باٹلہ بن گیا تھا، جس کا مطلب بوتل ہے۔ سعید باٹلہ انتہائی بگڑا ہوا اوباش اور شرابی تھا۔ اس سے کسی کو بھی کسی خیر کی توقع نہ تھی۔ وہ گلیوں میں لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کیلئے بھی کافی بدنام تھا۔ خالد پہلوان اور اس کے کارندوں نے جونہی ڈونگری بازار میں باٹلہ کے آنے کی خبر سنی، فوراً اس جانب چل دیئے۔ باٹلہ کی تلاش میں داؤد ابراہیم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ داؤد ابراہیم بھی ان کے ساتھ تھا۔

داؤد ابراہیم، خالد اور اس کے ساتھیوں نے باٹلہ کو نشے میں دھت پایا۔ باٹلہ نہ تو ذہنی طور پر ان کی آمد کیلئے تیار تھا اور نہ ہی اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ یہ لوگ اس کے موٹے جسم پر لاتیں، مکے اور گھونسے مارتے رہے اور وہ پٹتا رہا۔ انہوں نے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا اور بالآخر اسے اٹھا کر مے خانے سے باہر پھینک دیا۔ راہ گیر یہ منظر دیکھ کر وہاں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ باٹلہ زمین پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پھر اسے دو آدمیوں نے بازوؤں سے پکڑ گھسیٹنا شروع کیا اور گھسیٹتے ہوئے اسی ٹیبل پر لے گئے، جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے باٹلہ کے ہاتھ میز پر پھیلا دیئے۔ باٹلہ نے بلب کی دھیمی دھیمی روشنی میں ایک چاقو چمکتے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئیں تھیں اور وہ حالات کا صحیح طرح سے اندازہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اتنے میں خالد پہلوان اس کے سامنے آیا۔ اس کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔

اچانک باٹلہ نے زوردار چیخ لگائی۔ ایک درد کی لہر اس کے رگ رگ میں سرایت کر گئی۔ اس کی ایک انگلی اس کے تن سے جدا کی جا چکی تھی۔ خالد بڑی بے دردی سے باٹلہ کی انگلیاں ایک کے بعد ایک کر کے کاٹتا رہا۔ ہر مرتبہ وہ تھوڑی دیر کیلئے رکتا اور باٹلہ کو کٹی ہوئی انگلی کے درد سے چیخنے چلانے کیلئے چھوڑ دیتا۔ جیسے ہی ایک انگلی کٹ کر ہاتھ سے جدا ہوتی، خون کا ایک فوارہ ٹیبل پر پھوٹ پڑتا۔ باٹلہ درد کے مارے کراہ رہا تھا، جبکہ اس کی تکلیف دیکھ کر داؤد ابراہیم کو اقبال یاد آ جاتا کہ ان لوگوں نے کس بے دردی سے اسے مارا تھا۔ اقبال کی تکلیف کو باٹلہ کی تکلیف سے موازنہ کرنے کے بعد داؤد ابراہیم کو سکون محسوس ہوا، کیونکہ داؤد ابراہیم نے اقبال کی لاش پر قسم کھائی تھی کہ جس طرح بے دردی سے انہوں نے اقبال کو قتل کیا تھا، اسی طرح وہ بھی ان لوگوں کو مارے گا۔ داؤد ابراہیم کے بدلہ لینے سے اقبال تو واپس نہیں آ سکتا تھا، لیکن داؤد ابراہیم کو یوں محسوس ہوتا کہ اس طرح بے گناہ مارے جانے والے اقبال کی روح کو تسکین ضرور پہنچ رہی ہوگی کہ اس کے قاتل بھی اپنے انجام کو پہنچے اور اس کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ باٹلہ درد سے کراہ رہا تھا۔ اس کی حالت بہت بری تھی، لیکن کسی نہ کسی طرح وہ فوراً ہی دروازے تک پہنچا اور دوڑ لگا دی۔ وہ شراب خانے سے باہر نکلا اور سیدھا ڈونگری پولیس اسٹیشن کی جانب بھاگنے لگا۔ بالآخر اس کی قسمت کا فیصلہ وہیں ہونا تھا۔ چیختا چلاتا باٹلہ پولیس اسٹیشن میں داخل ہو کر اپنے تمام جرائم کا اقرار کرنے لگا۔ گو کہ نشے اور تشدد کی وجہ سے باٹلہ کی ذہنی حالت کچھ بگڑی سی گئی تھی، لیکن اس حالت میں بھی اسے اندازہ تھا کہ پولیس کی تحویل میں وہ خود کو زیادہ محفوظ بنا سکتا ہے۔ اسے اندازہ تھا کہ شہر کی گلیوں میں اسے اب کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ داؤد ابراہیم اور خالد پہلوان نے باٹلہ کا کچھ دیر پیچھا کیا، لیکن جب انہوں نے اسے پولیس اسٹیشن میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کا تعاقب چھوڑ دیا اور واپس آ گئے۔ انہیں اندازہ تھا کہ اب وہ وہاں سے کہیں اور نہیں جا پائے گا۔ اس واقعے کے بعد سعید باٹلہ نے 14 برس جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارے۔ داؤد ابراہیم نے خالد پہلوان سے کہا کہ وہ ڈی گینگ کے ہیڈ کوارٹر مسافر خانہ میں منتقل ہو جائے۔ داؤد ابراہیم، ڈونگری میں اپنا حساب پکا کر چکا تھا۔ اب داؤد ابراہیم کی اگلی منزل خالد پہلوان کے ساتھ بمبئی انڈر ورلڈ میں اپنے قدم مضبوط کرنا تھے۔

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

قسط نمبر 15

ترجمہ: عبدالقادر

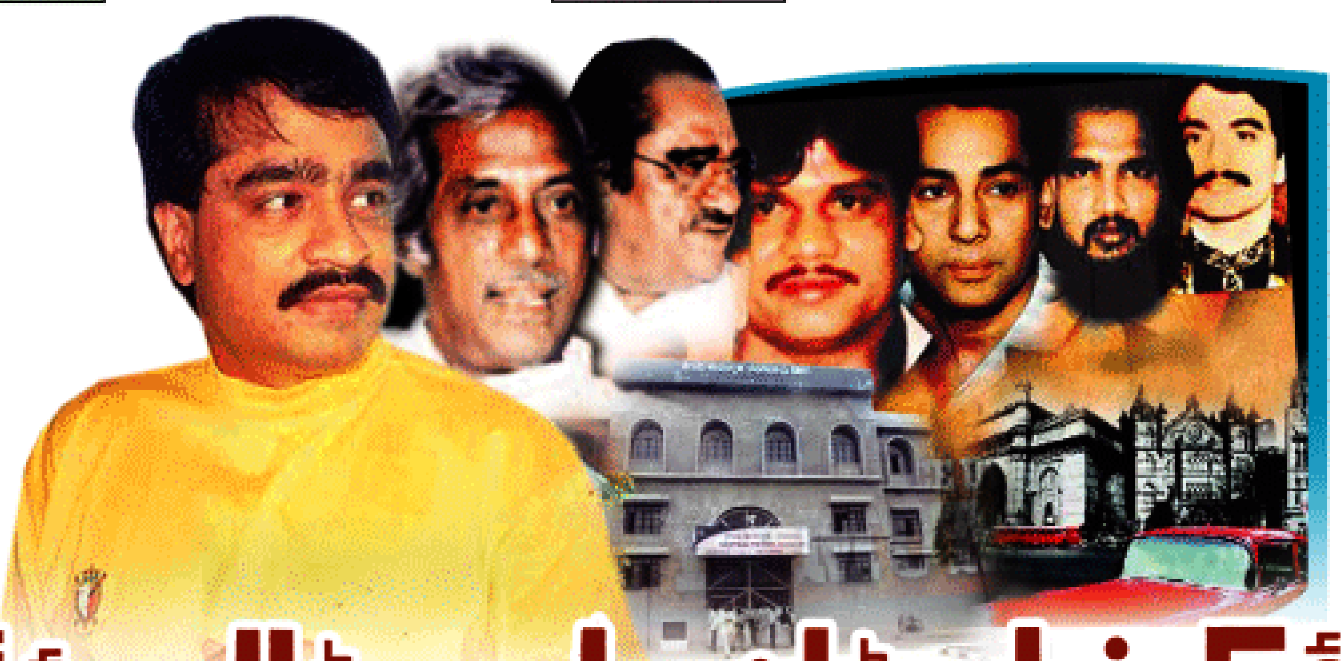

بمبئی کے تمام ڈان جیل میں ڈال دیئے گئے

حاجی مستان - یوسف پٹیل - کریم لالہ - ورادا راجن - داؤد ابراہیم و دیگر کو "میسا" اور نیشنل سیکورٹی ایکٹ کے تحت پکڑا گیا - دو سال قید نے مستان اور کریم کو ختم کر دیا - ورادا اور نائیک جیل میں بھی اسمگلنگ کے منصوبے بناتے رہے - مرارجی ڈیسائی کی حکومت آنے پر بیشتر کو رہائی ملی - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

1962ء میں چین کے ساتھ جنگ کے اختتام پر بھارت نے اپنی انٹیلی جنس ایجنسی RAW کی داغ بیل ڈالی۔ اس ایجنسی کی بنیاد رکھنے کا بنیادی مقصد بیرون ملک بھارت کی انٹیلی جنس کو فروغ دینا تھا، کیونکہ چین کے ساتھ جنگ کے دوران بھارت کو انٹیلی جنس کے محاذ پر بڑی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

"را" کو براہ راست وزیر اعظم کے سیکریٹریٹ کے تحت رکھا گیا تھا۔ اندرا گاندھی وہ پہلی وزیر اعظم تھیں، جنہوں نے اس تنظیم کو ملک میں سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ شروع میں "را" کیلئے ان لوگوں کو منتخب کیا جاتا تھا، جن کا اکیڈمک ریکارڈ بہت ہی اچھا رہا ہو اور جو پولیس ڈیپارٹمنٹ اور دیگر اعلیٰ حکام اور معاشرے کے کرتا دھرتا لوگوں سے قریبی تعلقات رکھتے ہوں یا رکھنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اندرا گاندھی کے کہنے پر "را" نے حکومت کے مخالفین، کانگریس پارٹی کے اندر موجود ناقدین، بڑے کاروباری افراد، بیوروکریٹس اور صحافیوں کی فائلیں تیار کر لیں۔ مخالفین کی فائلیں تیار کرنا "را" کے لیے کوئی بہت بڑا مسئلہ نہ تھا، کیونکہ ان کے پاس تمام افراد سے متعلق ڈیٹا پہلے ہی سے موجود تھا۔

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ وی پی نائیک اور وزیر اعظم اندرا گاندھی کے مابین ہونے والی میٹنگ میں یہ بات طے پائی کہ بھارت میں مختلف مافیا کو محض انٹیلی جنس یا تادیبی کارروائی کے ذریعے سے زیر کنٹرول نہیں لایا جا سکتا، بلکہ اس سلسلے میں کڑے اور سخت قوانین بنانے کی ضرورت ہے۔ ایسے قوانین جن میں کسی قسم کی نرمی کا کوئی بھی پہلو نہ ہو۔ گجرات اور بمبئی میں مافیا اب خطرناک صورت اختیار کر چکی تھی۔ یہی ملک کے وہ دو علاقے تھے، جو کہ ترقی کی راہ پر گامزن تھے۔ اب مرکزی حکومت کے لیے وقت آن پہنچا تھا کہ اس سلسلے میں کوئی عملی اقدامات کئے جائیں۔ لہٰذا اس وقت ایسے سخت قوانین بنائے اور نافذ کئے گئے، جن کی کوئی نظیر نہیں ملتی تھی۔ مینٹی نینس آف انٹرنل سیکورٹی ایکٹ (MISA) میں 1974ء میں چند ترامیم کر کے حکومتی اداروں کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ کسی بھی شخص کو عدالت میں پیش کئے بغیر حراست میں رکھا جا سکتا ہے۔ البتہ اس قانون کو پاس کرواتے وقت حکومت نے پارلیمنٹ میں حزب اختلاف کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ اس قانون کو سیاسی مخالفین کو دبانے کے لیے ہرگز استعمال نہیں کیا جائے گا۔ یہ قانون (MISA) دراصل 1971ء میں بنایا گیا تھا اور اس وقت سے اب تک اس میں کافی ترامیم کی جا چکی تھیں۔

اندرا گاندھی جن 20 نکات کی بنیاد پر ایمرجنسی قوانین بنانے کی خواہاں تھیں، ان میں سے ایک نکتہ یہ تھا کہ اسمگلروں کی جائیداد کو قانوناً ضبط کیا جا سکے۔ اندرا گاندھی نے اس بات کا عندیہ بھی دیا تھا کہ اس قانون کا ہدف بالخصوص اسمگلر ہی ہوں گے۔ بے شک ان اسمگلروں کے آپریشن پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے، جبکہ انہوں نے دبئی کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا، بینکوں اور انشورنس کمپنیوں نے بھی اسمگلنگ میں موجود رسک سے نمٹنے کے لیے دفاتر کھول رکھے تھے۔ یہ ادارے بھی اس کالے دھن سے منافع کمانے میں پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے۔ ان اسمگلروں نے ہوائی اور سمندری راستوں سے اسمگلنگ کرنے کی غرض سے اپنے مربوط روابط قائم کر رکھے تھے۔ یہ تمام کام انتہائی رازداری اور منظم طریقے سے ہو رہے تھے۔ گجرات سے کیرالہ تک پھیلے ساحلی علاقوں تک بہت سے اہم مقامات کو اسمگل شدہ سامان کی وصولی اور پھر وہاں سے ملک کے مختلف علاقوں میں سپلائی کے لیے مختص کیا گیا تھا۔

مدراس ان اسمگلروں کا مرکز بن چکا تھا۔ جبکہ بنگلور ان کے لیے محفوظ جائے پناہ کا کام دے رہا تھا، جہاں رقم کے لین دین اور دیگر اہم معاملات نمٹائے جاتے تھے۔ ان لوگوں کی اپنی مارکیٹیں، اپنے گودام اور کاروبار کے اپنے الگ قوانین تھے۔ اسمگلروں اور کالے دھندے میں ڈیل کرنے والوں کے مابین باہم گہرے اور خفیہ مراسم تھے۔

قانون "میسا" میں ترامیم کرنے کے بعد حکومت نے اسمگلروں، مجرموں اور بلیک مارکیٹنگ کرنے والوں کے خلاف جنگی بنیادوں پر کارروائی کی ٹھان لی۔ اسی ضمن میں حکومت نے 26 جون 1975ء کو ایمرجنسی کا نفاذ کر دیا۔ اس ایمرجنسی کے سبب بنیادی ضروریات زندگی کی قیمتیں متوازن ہونے لگیں۔ جبکہ انڈر ورلڈ مافیا تقریباً 19 ماہ تک غیر فعال رہی۔ 14 اگست کو بنگلہ دیش کی نوزائیدہ ریاست کے وزیر اعظم شیخ مجیب الرحمن اور اس کے خاندان والوں کے بہیمانہ قتل نے نئی دہلی میں بھی سیاسی ہلچل مچا دی۔

"را" سمیت کسی بھی انٹیلی جنس ایجنسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ آخر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ ان ایجنسیوں کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر اندرا گاندھی کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دن سے اندرا گاندھی کے بیٹے سنجے نے RAW کو "Relatives of Wives Association" یعنی "بیگمات کے رشتہ داروں کی تنظیم" کہنا شروع کر دیا۔ یہ بات حقیقت بھی تھی۔ کیونکہ "را" میں بہت سے اعلیٰ حکام کے رشتہ داروں کو بھی بھرتی کر لیا گیا تھا۔ اندرا گاندھی نے بنگلہ دیشی معاملات پر "را" کی ناکامی پر اس وقت کے "را" چیف رام جی کاؤ سے سخت ناراضگی کا اظہار بھی کیا۔ اندرا گاندھی اس بات سے خائف تھیں کہ اگر ان کی انٹیلی جنس بنگلہ دیش میں ناکام ہو سکتی ہے تو پھر بھارت میں کیونکر کامیاب ہو سکے گی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ "را" کو سیاسی مخالفین کو دبانے اور پارلیمنٹ میں حکومتی بالادستی قائم رکھنے کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ اس کے لازمی نتائج یہ برآمد ہوئے کہ بھارتی میڈیا سکڑنے لگا اور عام شہری بنیادی حقوق سے محروم ہونے لگے۔ بمبئی مافیا کے لیے تو بدترین حالات تھے۔

بھارت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بمبئی کے اسمگلروں حاجی مستان، یوسف پٹیل اور سکھر بکھیہ کے نام زیر بحث لائے گئے۔ ان افراد کا نام اس طرح پارلیمانی سطح پر لیا جانا حکومتی مشینری کو غیر معمولی انداز سے متحرک کرنے کے لیے کافی تھا۔ حاجی مستان جو کہ MISA کے تحت 17 ستمبر تا 19 دسمبر 1974ء یعنی 90 دن کے لیے پہلے ہی حکومتی تحویل میں تھا، اب مزید مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ کیونکہ ایک نئے (COFEPOSA) کنزرویشن آف فارن ایکسچینج اور پری وینشن آف اسمگلنگ ایکٹ کے تحت اس پر مزید چارجز لگا دیئے گئے تھے۔ حکومتی تحویل میں ہونے کی وجہ سے حاجی مستان کو کچھ کارروائی کرنے کا موقع نہیں مل پا رہا تھا۔ رام جیٹھملانی جیسے بہترین فوجداری وکیل کی خدمات حاصل کرنے کے باوجود حاجی مستان کو ایمرجنسی کا پورا عرصہ جیل میں ہی گزارنا پڑا۔

PdfStuff.blogspot.com

یکم جولائی 1975ء کو ایک آرڈیننس جاری کیا گیا، جس کی رو سے COFEPOSA کے تحت تحویل میں لیے گئے افراد کو حراست میں رکھنے کے لیے اب کوئی جواز پیش کرنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی تھی۔ ایمرجنسی نافذ کرنے کے پیچھے اندرا گاندھی کے سیاسی عزائم کچھ بھی رہے ہوں، کم از کم بمبئی کے اسمگلروں کے لیے یہ انتہائی کڑا وقت تھا۔ بڑی تعداد میں کالا دھن ان دنوں میں بازیاب کرایا گیا اور MISA کے تحت بہت سے تاجروں کو مالی بے ضابطگیوں کے جرم میں پابند سلاسل کیا گیا۔ آرتھر جیل بمبئی، تھانہ سینٹرل جیل، یراوڈا جیل پونے اور ہرسول جیل اورنگ آباد میں اتنے مجرموں، اسمگلروں، مالی بے ضابطگیوں میں ملوث افراد، غنڈوں اور بلیک مارکیٹنگ کرنے والوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیجا گیا کہ اب ان جیلوں میں جگہ کم پڑ چکی تھی۔ ایک جانب حاجی مستان کو MISA اور COFEPOSA کے تحت پابند سلاسل کیا گیا، تو دوسری جانب (NSA) یعنی نیشنل سیکورٹی ایکٹ کو حرکت میں لا کر ورادا راجن، کریم لالہ، داؤد ابراہیم، پٹھان گروپ، رام نائیک اور ارون گاؤلی کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ تاہم اس کا فائدہ یہ ہوا کہ تمام گینگسٹروں کو مل بیٹھنے کا موقع میسر آ گیا تھا۔ یہ لوگ اس سے قبل اتنی تفصیل سے ایک دوسرے کے بارے میں نہیں جان سکے تھے، نہ ایک ساتھ رہے تھے۔ مثلاً ورادا اور نائیک اتنا گھل مل گئے کہ جیل کے اندر ہی منصوبے بنانے لگے کہ کس طرح وسائی اور ورار کی بندرگاہوں کو اسمگلنگ کے لیے مل کر استعمال کیا جائے۔ یہ منصوبہ اتنا جامع تھا کہ اپنی رہائی کے بعد انہوں نے اس منصوبے پر من و عن عمل کرنا شروع کر دیا۔

اس وقت کے پولیس کمشنر ایس وی ٹنکی والا کو ایمرجنسی کے نفاذ کے فوراً بعد ہی پولیس چیف بنا دیا گیا۔ یونین ہوم منسٹری کو پیش کی جانے والی اپنی ایک رپورٹ میں وہ لکھتے ہیں "اسمگلنگ کے خلاف مہم نے نہ صرف اسمگلنگ کے کاروبار کو مشکلات میں ڈال دیا، بلکہ اس کے اخراجات بھی کئی گناہ بڑھ گئے۔ حاجی مستان اور یوسف پٹیل جیسے بڑے بڑے ناموں سمیت تقریباً 288 اسمگلروں کو حراست میں لیا گیا اور 177 اسمگلروں کی جائیداد کو بھی ضبط کر لیا گیا"۔

حاجی مستان اور کریم لالہ جیسے لوگ تقریباً دو سال جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنے کے بعد تقریباً ختم ہو چکے تھے۔ انہیں اس بات کا اندازہ ہونے لگا کہ وہ حکومت کے خلاف ایک ہاری ہوئی جنگ لڑنے میں مصروف ہیں۔ اب انہیں اس بات کا ادراک ہونے لگا تھا کہ اگر انہوں نے حکومت کو یہ یقین نہ دلایا کہ وہ آئندہ کسی غیر قانونی کاروبار یا کارروائی کا حصہ نہ بنیں گے، تو شاید ان کی ساری عمر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی گزر جائے۔

جب ایمرجنسی اٹھالی گئی اور 1977ء میں جنتا پارٹی اقتدار میں آئی تو حاجی مستان اور کریم لالہ نے جے پرکاش نارائن سے درخواست کی کہ اس وقت کے وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی سے مل کر بات کریں کہ ان لوگوں کے ساتھ کچھ نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ ان دونوں نے حلف نامے جمع کروا کر حکومت کو یقین دلایا تھا کہ جیل سے باہر جانے کے بعد پھر کبھی کسی غیر قانونی کاروبار کا حصہ نہیں بنیں گے۔ وزیر اعظم ڈیسائی نے ان کی درخواست کو قبول کرنے کے بعد اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے انہیں رہائی دلوا دی۔ اس کے بعد داؤد ابراہیم، اس کے بھائی صابر، گاؤلی، نائیک اور دیگر افراد نے بھی عدالت میں ضمانت کے لیے درخواستیں جمع کروا دیں۔ چونکہ ان افراد کے خلاف نہ تو سنجیدہ نوعیت کے الزامات تھے اور نہ ٹھوس ثبوت، اس لیے عدالت نے ان کی ضمانتیں منظور کر لیں۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ترجمہ: عبدالقادر

قسط نمبر 16

PdfStuff.blogspot.com

جوئے کا بے تاج بادشاہ پانڈے خون میں لت پت پڑا تھا

ممبئی مافیا میں طاقتور ڈان کے قتل کے بعد تین مقامی غنڈوں راما نائیک-بابو ریشم اور ارون گاوَلی نے ایسا عروج پکڑا کہ ریاستی طاقت کو بھی دھندلا دیا- نائیک سات جماعت پاس اور گاوَلی، گڈریا تھا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

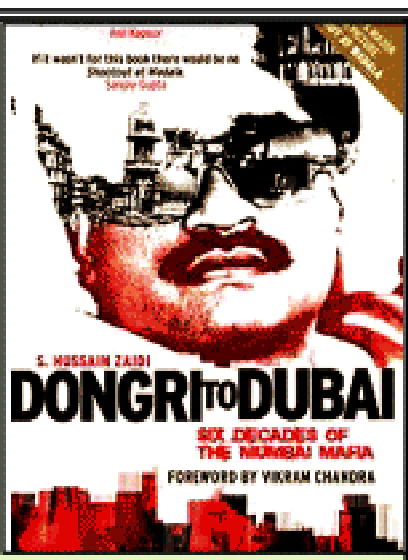

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داوَد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داوَد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داوَد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

1972ء میں ایمرجنسی اٹھنے کے فوراً بعد ایک روز علی الصبح شاپ کے باہر ایک بہت بڑا مجمع موجود تھا۔ باہر کھڑے لوگ دبی دبی آوازوں میں چہ مہ گوئیوں میں مصروف تھے۔ شاید اندر ہی اندر کوئی افواہ جنم لے رہی تھی۔ لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے کہ پرسناتھ پانڈے اپنی موت مرا ہے، اسے قتل نہیں کیا گیا۔ اس کے اپنے اڈے پر یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ کس میں دم تھا کہ اتنی جرأت دکھا سکے۔ دراصل لوگوں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

چند قدم آگے شاپ میں پانڈے کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔ پانڈے کی طاقت کے نشانات اس کمرے میں جا بجا بکھرے پڑے تھے۔ لیکن پانڈے کی طاقت اب اس کے خون میں بہہ چکی تھی۔ اس واقعہ کا ذمہ دار آخر کون ہو سکتا ہے؟ یہی ایک سوال سب ذہنوں پر سوار تھا۔

پانڈے کی مٹکا ٹیبل (جوئے کی میز) دو حصوں میں منقسم تھی۔ پانڈے کی طاقت کی آخری علامت کو سبوتاژ کر دیا گیا تھا۔ یہ وہی ٹیبل تھی جس پر کئی خاندانوں کی تباہی اور قتل کے منصوبے بنائے گئے تھے۔ جہاں کئی مستقبل تاریکی میں ڈوبے تھے۔ ہر شخص پانڈے کی طاقت اور اثر و رسوخ سے واقف تھا۔ ہر ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ اگر پانڈے کسی کے تشدد کا نشانہ بنا ہے تو لازماً وہ شخص پانڈے سے بڑی کوئی توپ چیز ہوگا۔ لیکن کون؟

بمبئی مافیا کی تاریخ ایسے لڑکوں کی تاریخ سے بھری پڑی ہے، جنہوں نے ہر چیلنج کو قبول کیا اور ہر خطرہ مول لیا۔ یہ وہ لڑکے تھے جو اپنے وقتوں کے بڑے ڈان بنے۔ بمبئی مافیا کی تاریخ میں یہ کوئی نئی بات نہ تھی کہ کل کے کسی لڑکے نے اٹھ کر اپنے وقت کے کسی بڑے بدمعاش یا ڈان کا قصہ تمام کر ڈالا اور خود اس کے منصب پر براجمان ہو گیا۔ پانڈے کا حال بھی کچھ مختلف نہ ہوا تھا۔ اس کی موت سے چند ماہ قبل کی بات ہے کہ ممبئی سینٹ چاوَل بائیکولر میں جو کہ پانڈے کے دھندے کا علاقہ تھا، چند نئے ''ہیرو'' پیدا ہوئے تھے۔

بائیکولہ کی تنگ گلیوں نے تین لڑکوں کی مثلث کو تقویت پکڑتے دیکھا۔ ان میں کندن ڈُبے، پرسناتھ پانڈے اور موہن سرملکار شامل تھے۔ مجموعی طور پر انہیں بائیکولر کمپنی کہہ کر پکارا جانے لگا۔ بھتہ خوری، قتل و غارت گری یا جوئے کے اڈے چلانے جیسا کوئی بھی معاملہ ہو، اسی بائیکولر کمپنی کا نام سامنے آتا تھا۔ بائیکولر کی گلیوں میں ایسے واقعات کی کوئی کمی نہ تھی لیکن ان تینوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

جلد ہی مہاراشٹر سے راما نائیک نامی ایک شخص نے ایسے ہی خواب دیکھنا شروع کر دیئے۔ اس نے شمالی بھارت میں مٹکہ اور شراب کے کاروبار میں ایک خاص گروہ کی اجارہ داری کے باوجود اس کاروبار کی جانب ہاتھ بڑھائے۔ راما نے اپنے ذاتی مٹکا ہاؤس کی بنیاد رکھی۔ اس بات پر علاقے میں کشیدگی بڑھ گئی۔ ڈُبے اور پانڈے کے مٹکا ہاؤس تھے جبکہ سرملکار شراب کے کاروبار میں ملوث تھا اور اس کے علاوہ لوگوں سے ہفتہ لیا کرتا تھا۔ لوگوں میں افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ اس برج پر ہونے والے قتل میں وہی ملوث تھا۔ راما نائیک بھی اس بزنس میں اپنی دھاک بٹھانا چاہتا تھا۔

ڈُبے سے نائیک کو بہت سے فوائد حاصل کرنے تھے۔ کندن ڈُبے نے اوما کانت نائیک کو قتل کر دیا تھا کیونکہ اس کا ایک بھائی، اروند، ڈُبے کی بہن پشپا سے پیار کرتا تھا۔ مٹکا کے کاروبار (جوا) میں پانڈے کو بے تاج بادشاہ مانا جاتا تھا۔ ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ اس لیے نائیک کے لیے ضروری تھا کہ پانڈے کو رستے سے ہٹائے۔ لیکن نائیک اکیلے ہی اتنا بڑا کام نہیں کرنا چاہتا تھا، دو اور لوگ بھی تھے یعنی بابو ایٹم اور ارون گلاب آہیر عرف ارون گاوَلی۔ ارون گاوَلی وہی شخص تھا، جس نے آگے چل کر داوَد ابراہیم کے لیے ایک بڑا چیلنج بننا تھا۔

ارون گلاب آہیر عرف ارون گاوَلی اسکول کے زمانے میں راما نائیک کا سینئر ہوا کرتا تھا۔ یہ دونوں بائیکولر کے میونسپل اسکول بکری اڈہ جایا کرتے تھے۔ البتہ راما نے ساتویں جماعت کے بعد ہی اسکول چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ان دونوں کی دوستی قائم رہی۔ گو کہ گاوَلی عمر میں بڑا تھا لیکن ہمیشہ ایسا ہی ہوتا کہ راما نائیک اس سے اپنی بات منوا کر رہتا۔ گاوَلی، نائیک پر بھروسہ کیا کرتا تھا اور اس کے فیصلوں کی قدر کیا کرتا تھا۔ غالباً گاوَلی کے مقابلے میں نائیک میں فیصلہ کرنے کی قوت زیادہ تھی۔ اسی لیے نائیک، گاوَلی پر چھایا رہتا تھا۔

کریم لالہ کی ورادارا جن کے ساتھ یادگار تصویر

ارون کا خاندانی پس منظر بھی کچھ خاص نہ تھا۔ لگتا ہے اسے زمانے کی کچھ خاص ہوا نہ لگی تھی۔ گاوَلی خاندان مدھیا پردیش کے علاقے خاندوا سے تھا۔ خاندانی پیشے کے اعتبار سے یہ لوگ گڈریئے تھے۔ گڈریوں کو ہی گاوَلی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے گاوَلی ان کا خاندانی نام بھی تھا۔ اس کی دو بہنیں اور چار بھائی تھے۔ اس کا والد ایک مل میں کام کیا کرتا تھا جبکہ اس کی ماں بھی ایک مل میں بطور ورکر کام کر رہی تھی۔ اسی لیے فارغ ہو کر اسے بھی مل میں ہی کام کرنا پڑا۔ اسے مہالکشمی میں شکنی ملز میں کام مل گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف 20 برس تھی۔ اس کے پاس کوئی خاص ہنر نہ تھا۔ بعد میں مختلف ملوں میں ڈائی کاسٹنگ ڈپارٹمنٹ میں کام کرتا رہا۔ درحقیقت اسی نوکری کے دوران اس نے پہلی مرتبہ خون کا مزہ چکھا۔ اس نے یہاں شیو سینا یونین کے کارندے بالا ماپنکار کو ہرایا۔ بعد ازاں وہ کینجر مرگ میں واقع کنزمپٹن گریوز لمیٹڈ کمپنی چلا گیا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اس نے راما نائیک اور بابلید ساونت کے ساتھ وقت گزارنا شروع کیا اور یہی وہ وقت ہے جب ساداشیو پالے عرف سادا ماما سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی جو کہ بعد میں گاوَلی گینگ کا دوسرے نمبر پر کرتا دھرتا بنا۔ بابو ریشم، ماذگاوَں ڈاکس کے کینٹین ورکروں کا لیڈر تھا۔ یہ اسی علاقے میں رہتا تھا جہاں سے راما اور گاوَلی آپریٹ کیا کرتے تھے اور یہیں سے ان کی جانب بڑھا۔ بائیکولر میں چھوٹے چھوٹے ٹولوں کی کارروائیوں اور جھگڑوں کی وجہ سے ان دونوں کی بھی آپس میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ لیکن ایمرجنسی نافذ ہونے کے بعد ان دونوں کی زندگی میں ایک نیا موڑ آ گیا۔ 1975ء میں راما نائیک کو میسا کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ جیل میں اس کی ملاقات ورادارا جن مودالیار عرف ورادا بھائی سے ہوئی۔ اس کی اتنی جرأت تھی کہ دو ہی ملاقاتوں میں ورادارا جن کو مل کر کام کرنے کی پیشکش کر ڈالی۔ ورادارا جن سے کہنے لگا ''بھائی کوئی کام ہو تو بولو''۔ دوسری جانب ورادارا جن بھی اس لڑکے کی جرأت و ہمت سے بہت متاثر تھا۔ قد و قامت کے لحاظ سے نائیک میں کوئی خاص بات نہ تھی لیکن اپنی باتوں کے انداز سے بڑے بڑوں کو قائل کر لیا کرتا تھا۔ اس کی آنکھوں کو دیکھ کر تو ایسا لگتا تھا کہ اس کو دیا گیا کوئی بھی کام کبھی مکمل نہ ہو پائے گا۔ ورادارا جن۔ راما، ارون اور بابو کی سب کے سامنے تعریفیں کرنے لگا۔ اس طرح راما نائیک کی سرکردگی میں یہ گروہ پنپنے لگا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ راما نائیک، ارون گاوَلی اور بابو ریشم کو پانڈے کا قتل ایک دوسرے کے بہت قریب لے آیا۔ بہت سے مٹکا ہاؤس کو بند کرانے کے بعد انہوں نے مٹکا اور شراب کے کاروبار کی کمر توڑ ڈالی۔ یہ ایک ایسا کام تھا جو کہ ریاستی طاقت کے ساتھ اب تک پولیس بھی نہ کر سکی تھی۔ پانڈے کے قتل کے بعد گاوَلی کو این ایس اے قانون کے تحت دھر لیا گیا۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ چند ماہ کی حراست کے بعد اسے رہا کر دیا گیا۔ یہ بہت عجیب وقت تھا۔ بڑے بڑے جیل میں سڑ رہے تھے اور دوسری جانب اس مقامی غنڈے کو چند ماہ میں ہی آزاد چھوڑ دیا گیا۔ بائیکولر کے لوگ سوچنے پر مجبور تھے کہ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی بات ضرور تھی۔ ہر شخص یہی سوچ رہا تھا کہ بطور ڈان وہ اتنا طاقتور تھا کہ پولیس اسے روک نہ سکی تھی۔ گاوَلی کو معلوم تھا کہ اس کی رہائی کے پیچھے اس کا اپنا کوئی کمال نہ تھا۔ وہ جیسے ہی دگدی چاوَلی واپس آیا، اس نے ایک اونچا سا مینار بنایا اور اس پر ایک بورڈ چسپاں کر دیا۔ اس بورڈ پر B.R.A لکھا تھا۔ بی کا حرف بابو ریشم، آر کا حرف راما نائیک اور اے کا حرف ارون گاوَلی کے لیے تھا۔ جیل سے واپس آنے کے بعد اس کی طاقت اور اثر و رسوخ میں کئی گناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے کسی مناسب لڑکی کو تلاش کر کے شادی کر لینی چاہئے جو کہ اس کے گھر کو سنبھال سکے۔ بالآخر زبیدہ کی صورت میں اسے ایسی لڑکی میسر آ گئی۔ زبیدہ بھی گاوَلی کے علاقے میں ہی رہا کرتی تھی۔ اس کا خاندان پونے کے ودگاوَں سے تعلق رکھتا تھا۔ زبیدہ کی شادی ایک مسلم گھرانے میں پہلے ہی طے پا چکی تھی لیکن جب ارون گاوَلی نے زبیدہ کا ہاتھ مانگا تو پیسے اور خوف کے سبب اس کے گھر والے انکار نہ کر سکے۔ تاہم راما نائیک اور بابو ریشم نے اس رشتے کو مذہبی بنیادوں پر پسند نہ کیا۔ (جاری ہے)

بابو ریشم | ارون گاوَلی | راما نائیک

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com
قسط نمبر 17
ترجمہ: عبدالقادر

حاجی مستان نے دس ہزار روپے میں یوسف پٹیل کی سپاری دیدی

1969ء میں یہ ایک ہوش ربا رقم تھی - اسے بمبئی مافیا کی سب سے بڑی سپاری قرار دیا جاتا ہے - یوسف پٹیل بچ نکلا اور حاجی مستان - کریم لالہ اندر ہو گئے - مافیا کے خلاف لکھنے والے معروف صحافی کی موت حادثاتی نہیں - پیسے لے کر ٹھکانے لگایا گیا تھا - کسی کو قتل کرنے کے لئے سپاری کی اصطلاح بادشاہوں کی کہانیوں سے مشہور ہوئی - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

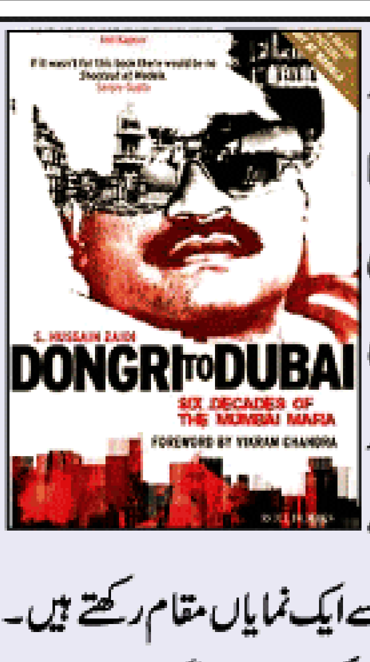

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

کریم لالہ اور جنگریز خان اچھے دوست تھے۔ لالہ پشاور سے آئے تھے، جبکہ جنگریز خان ایک افغان تھا جو کہ سوات سے آیا تھا۔ لالہ نے جنوبی بمبئی میں اس وقت تک اپنی دھاک بٹھالی تھی اور اس طرح سے بہت پیسہ کمایا تھا۔ بعدازاں حاجی مستان جیسے اسمگلر سے دوستی نے نہ صرف لالہ کی دولت بلکہ اثر ورسوخ کو بھی چار چاند لگا دیئے تھے۔ یہ 1970ء کی دہائی کے اوائل کا وقت تھا۔

اس اتحاد سے کریم لالہ اور پٹھان گروپ کا اثر ورسوخ بڑھتا چلا گیا۔ ان لوگوں نے اپنے آباواجداد کی بہادری اور جرأت کے قصے سن رکھے تھے کہ کس طرح ان کے بڑے جو کہ جنگجو قبائل سے تعلق رکھتے تھے، غیرت کی خاطر کسی بھی حد تک چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وقت کے بادشاہ سے بھی الجھ پڑتے تھے۔ ماضی کے ان شاندار قصوں نے ان لوگوں کو شہری قوانین سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ کسی قانون کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ دادا گیری کرنا، پر تشدد کارروائیوں میں ملوث ہونا، کرائے کے مکان خالی کرانا، دکانوں میں توڑ پھوڑ کرنا اور لوگوں کی ہڈیاں توڑنا ان لوگوں کا روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ پٹھانوں کا یہ گروہ شہر میں اپنی جڑیں اتنی مضبوط کر چکا تھا کہ محکمہ پولیس کو کوئی ترکیب نہ سوجھتی کہ ان کا زور کیسے توڑا جائے۔ فساد کروانا ہو یا کسی فساد کا تصفیہ، ان کا عمل دخل ضروری تھا۔ حاجی مستان اور اس کے طویل عرصے کے ساتھی یوسف پٹیل کے مابین ایک تنازعہ تھا۔ بالآخر حاجی مستان نے اسے سبق سکھانے کی ٹھان لی اور لالہ گروپ یا خان گروپ کو اس کی سپاری دے دی۔ سپاری کا مطلب کسی کو قتل کرانے کے لیے پیسے دینا تھا۔

سپاری کی اصطلاح بادشاہوں اور جنگجوؤں کی قدیم کہانیوں سے مشہور ہوئی۔ ہندی زبان میں سپاری، چھالیہ کو کہتے ہیں۔ ایک لوک ورثہ کہانی کے مطابق ماہیم کا بادشاہ بھیم جو کہ اپنے ماہیم قبیلے کا سردار بھی تھا، کسی شخص کو کوئی مشکل کام دینے کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک انوکھا طریقہ اپنایا کرتا تھا۔ وہ اپنے ماہیم قلعے میں دربار عام لگایا کرتا تھا، جس میں بڑے پیمانے پر پنڈال کھڑے کر دیئے جاتے تھے۔ منتخب شدہ جنگجوؤں اور بہادروں کو شاہی دعوت میں مدعو کیا جاتا تھا۔ جب ضیافت ختم ہو جاتی اور مہمان خوب سیر ہو کر کھا لیتے تو ایک بہت بڑا تھال مہمانوں کے درمیان رکھ دیا جاتا۔ وہ تھال چھالیہ، سپاری اور اسی طرح کی دیگر چیزوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔

اس کے بعد کمانڈر انچیف بادشاہ کی جانب سے اعلان پڑھتے ہوئے ان سورماؤں کے سامنے ایک چیلنج رکھ دیا کرتا تھا۔ اس روایت کے مطابق جو شخص بھی چیلنج قبول کر لیتا وہ کھڑا ہو کر تھال سے پان کا پتہ اور چھالیہ اٹھا لیتا۔ اس عمل کو سپاری قبول کرنا کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد کمانڈر انچیف ہاتھ میں سرمے کی بوتل لیے آگے بڑھتا تھا اور اس بہادر کی آنکھوں میں سرمے کی سلائی پھیر دیتا تھا۔ اس عمل کے بعد وہ شخص سورما کہلاتا تھا۔ ماہیم کے بادشاہ کو اس جہان فانی سے کوچ کئے زمانہ بیت گیا اور ماہیم کا قلعہ کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا، لیکن سپاری قبول کرنے کی یہ رسم بمبئی کی گلیوں میں زندہ وجاوید اں رہی۔ اس رسم کو دوام بخشنے والی بمبئی مافیا تھی۔ اب اس سپاری کا مطلب یہ تھا کہ جس شخص کے ساتھ ڈیل ہوئی ہے وہ آپ کا کام لازماً کرے گا۔ بمبئی مافیا میں سب سے بڑی سپاری جو قبول کی گئی، وہ یوسف پٹیل کی سپاری تھی جو کہ حاجی مستان نے 1969ء میں دی تھی۔ اس سپاری کی رقم 10,000 روپے تھی، جو کہ اس زمانے کی ہوش ربا رقم تھی۔ یہ رقم دو پٹھانوں کو دی گئی تھی۔

ان پٹھانوں نے چھپ کر وار نہ کرنے کی پشتون روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کام کے لیے مینارہ مسجد کا مقام منتخب کیا، جہاں بے تحاشہ رش رہتا ہے۔ بالخصوص رمضان المبارک کے مہینے میں تو اس جگہ کی گہما گہمی قابل دید ہوا کرتی ہے۔ عموماً رمضان المبارک کے مہینے میں تشدد اور خون خرابے سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن ان لوگوں نے سپاری قبول کر لی تھی۔

مینارہ مسجد کے رہائشیوں کو 22 نومبر 1969ء کی رات آج تک نہ بھولی ہوگی، جب یہ ہیبت ناک واقعہ وہاں رونما ہوا۔ یہ واقعہ آدھی رات کے بعد شروع ہوا اور 23 نومبر کی علی الصبح جاری رہا۔ مینارہ مسجد کے اردگرد میمن آبادی ہے۔ اس علاقے میں کھاتے پیتے لوگ رہتے ہیں اور سر شام یہاں کے بازاروں، بالخصوص کھانے پینے کی دکانوں پر رش نظر آتا ہے۔ ہر وقت ایک میلے کا سا سماں نظر آتا ہے۔ یہاں وہاں لوگوں کا مجمع گپ شپ میں مصروف نظر آتا ہے۔ مسجد کے قریب ہی کسی کونے میں پٹیل کی بیٹھک بھی لگا کرتی تھی، جس کے اردگرد اس کے کارندوں اور باڈی گارڈز کا پہرہ رہتا تھا۔

دو پٹھان سفید لباس میں ملبوس منظر عام پر ظاہر ہوئے۔ ان کی نظریں گویا کہ کسی کی تلاش میں تھیں۔ انہوں نے چھوٹے سے مجمع میں گھرے ہوئے یوسف پٹیل کی نشاندہی کی اور اسے بعد میں ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر کے وہاں سے چل دیئے۔

اسی دوران پٹیل کے ایک باڈی گارڈ نے ان کی مشکوک حرکات کو بھانپ لیا۔ ان دونوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ ان پر کسی کو شک نہ ہونے پائے لیکن جس انداز سے وہ پٹیل کو دیکھ رہے تھے، اس نے باڈی گارڈ کو شک میں ڈال دیا۔ باڈی گارڈ نے پٹیل کے کان میں سرگوشی کی۔ پٹیل نے سر ہلایا اور اپنے گارڈ سے کہا کہ بیٹھک ختم ہوتے ہی وہ وہاں سے نکلتا ہے۔ لیکن شاید اب پٹیل کے پاس وقت نہ تھا۔ چند ہی لمحات میں دونوں پٹھان اپنی ولایتی پستولوں کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور فائر کھول دیا۔ باڈی گارڈ جو کہ پہلے ہی محتاط کھڑا تھا، پٹیل کے سامنے ہو گیا اور حیرت زدہ پٹیل کو زمین پر دھکا دے دیا۔ باقی لوگ بھی حملہ آوروں کی جانب بڑھے۔ تھوڑی ہی دیر قبل جہاں ایک میلے کا سماں تھا، اب وہاں میدان جنگ لگا ہوا تھا۔ حملہ آوروں نے سوچا کہ پٹیل مر چکا ہوگا، کیونکہ انہوں نے پٹیل کا خون بہتے دیکھا تھا۔ اس لیے اب انہوں نے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یوسف پٹیل کے وفاداروں نے حملہ آوروں کو چاروں جانب سے گھیر لیا۔ یوسف پٹیل کی شہرت علاقے میں اچھی تھی، اس لیے لوگوں کا مجمع حملہ آوروں کے گرد اکٹھا ہو چکا تھا۔ دونوں نے فائر کھول دیا، لیکن لوگ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور بالآخر انہیں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ پٹیل کو دو گولیاں لگی تھیں۔ لیکن خوش قسمتی سے دونوں گولیاں اس کے بازو پر لگی تھیں۔ تاہم اس کے سامنے آنے والے باڈی گارڈ کی موت واقع ہو گئی۔ اس واقعے کے فوراً بعد کرائم برانچ نے حاجی مستان، کریم لالہ اور دیگر گیارہ افراد کو حراست میں لے لیا۔

بمبئی پولیس اسی بات پر غور وفکر کر رہی تھی کہ بمبئی میں موجود پٹھان گروپ پر کس طرح سے قابو پایا جائے کہ اسی دوران اسپیشل برانچ (ایس بی-I) جو کہ پٹھان برانچ کہلاتی ہے، کو یہ اطلاع ملی کہ ایوب لالہ کو شہر میں دیکھا گیا ہے۔ اسپیشل برانچ بمبئی پولیس کی انٹیلی جنس ہے۔ اس کی بنیاد وکٹوریا دور میں رکھی گئی۔ برٹش پولیس نے اسپیشل برانچ کو ہندوستانی پولیس سے بہتر انداز میں استعمال کیا تھا۔ برطانوی پولیس "پرہیز علاج سے بہتر ہے" پر یقین رکھتی تھی۔ البتہ بھارتی پولیس کے لیے کرائم برانچ کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ جرم کی روک تھام کے لیے موثر انٹیلی جنس ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ البتہ اب تک بمبئی پولیس میں کرائم برانچ کو محض کلرکوں کی طرح استعمال کیا جا رہا تھا۔ اس کا نام محض بیرون ملک سے آنے والے افراد کا ریکارڈ رکھنا اور بمبئی میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے والے افراد پر نظر رکھنا تھا۔

بمبئی پولیس کا پالا اب تک ایوب لالہ جیسے شاطر اور چالاک انسان سے نہ پڑا تھا۔ ایوب لالہ کے لیے مشہور تھا کہ کسی چھوٹی سی بات پر بھی اگر اسے غصہ آ جائے تو ہنگامہ کھڑا کر دیا کرتا تھا اور یہ ہنگامہ کسی کی جان بھی لے سکتا تھا۔ ایک مرتبہ صرف "پاگل پٹھان" کہنے پر اس نے ایک بندے کو چیر پھاڑ دیا تھا۔ وہ جب کبھی نمودار ہوتا پولیس کو یقین ہوتا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی۔ دراصل اسے کریم لالہ نے بلوایا تھا، جس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب بمبئی شہر میں اسمگلروں کے مابین جنگی صورت حال کو ختم کیا جائے۔ یہ جنگ دراصل حاجی مستان اور پٹیل کے مابین تھی۔ اسمگلر نہ صرف جنگ کا خاتمہ چاہتے تھے، بلکہ اس کے لیے ایک دوسرے کے رستے سے ایسے افراد کو بھی ہٹانا چاہتے تھے جو کباب میں ہڈی بنے ہوئے تھے۔

ان دنوں ہر صحافی مافیا کے خلاف لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ ایم پی آر نے جو کہ ایک منجھا ہوا صحافی تھا، اپنی تحریروں کے ذریعے ان اسمگلروں کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔ پریس ٹرسٹ آف انڈیا (پی ٹی آئی) میں اس کے آرٹیکل ہمیشہ جرائم کی دنیا کی پولیس کھول دیا کرتے تھے۔ آر، حاجی مستان، کریم لالہ اور یوسف پٹیل جیسے لوگوں کو بھی نہ بخشتا تھا۔ بالآخر سب نے مل کر اس صحافی کو رستے سے ہٹانے کی ٹھان لی۔ اس رپورٹر کی سپاری ایوب لالہ کو دی گئی۔ آر اپنی سفید رنگ کی ایمبیسیڈر کار چلایا کرتا تھا۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھنے سے خائف رہتا تھا۔ اگر اس کی گاڑی مسئلہ بھی کر رہی ہوتب بھی ٹیکسی میں جانے سے گریز کرتا تھا۔ ایوب لالہ نے آر کی حرکات وسکنات پر نظر رکھنے کے لیے ایک بندہ لگا دیا۔ ایوب لالہ کے کارندے نے رپورٹ دی کہ آر پونا جانے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ امکان یہی تھا کہ وہ اپنی کار میں بذریعہ سڑک سفر کرے گا۔ جس دن آر نے سفر کا آغاز کرنا تھا، اسی دن ایوب نے ایک مکینک کو ٹاسک دیا کہ گاڑی میں ایسی خرابی پیدا کر دے کہ تھوڑی دیر بعد گاڑی قابو سے باہر ہو جائے۔ اس طرح بمبئی، پونا ہائی وے پر گاڑی ایک خطرناک حادثے کا شکار ہو سکتی تھی۔

ان تمام باتوں سے ناآشنا آر، ایوب لالہ کے اس جال میں آ پھنسا۔ پنویل کے مقام پر پہنچ کر جب اس نے گاڑی کی رفتار بڑھائی تو رفتار بڑھتی ہی چلی گئی اور گاڑی بے قابو ہو گئی۔ آر کی گاڑی ایک درخت سے جا ٹکرائی اور سر پر شدید چوٹیں آنے کی وجہ سے موقع پر ہی اس کی موت واقع ہو گئی۔

1970ء میں آر وہ پہلا صحافی تھا، جو بمبئی مافیا کی جانب سے چپ کرا دیا گیا۔ (اس کی موت کے 41 سال بعد دن کی روشنی میں پوائی کے مقام پر بمبئی مافیا نے چھوٹا راجن کے ذریعے معروف کرائم رپورٹر جو تیر موئے دے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کرا دیا) بمبئی پولیس کو واقعہ کی ہوا تک نہ لگی اور بعد میں پولیس اپنی روایتی کاغذی کارروائی میں مصروف ہو گئی۔ انہیں اندازہ تھا کہ شہر میں پٹھان گروپ اب قابو سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔

اس وقت تک پتہ نہیں کیوں اور کیسے بمبئی پولیس کو ہندی فلموں میں انتہائی نااہل محکمے کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ ان فلموں میں اس قسم کے مناظر عام تھے کہ جرم ہونے کے بعد پولیس جائے وقوعہ پر پہنچ رہی ہے۔ جب ہیرو اپنا کام کر چکا تو پولیس مجرموں کو صرف ہتھکڑی لگانے پہنچتی ہے یا پھر مجرم فرار ہو جاتے ہیں اور پولیس کاغذی کارروائی میں مصروف ہو جاتی ہے۔ پٹھان گروپ کو قابو میں کرنے کی کوئی ترکیب حکام کو نہ سوجھ رہی تھی اور بالی ووڈ سے یہ صدا اب زبان زد عام ہو چکی تھی۔ (جاری ہے)

PdfStuff.blogspot.com

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

بمبئی انڈرورلڈ میں قدم رکھنے والی پہلی عورت جینا بائی تھی

حاجی مستان نے اسے بہن بنا رکھا تھا- داؤد ابراہیم ماسی کہہ کر پکارتا- شہر کے تمام ڈان جینا بائی دارو والی سے مشورہ لینے آیا کرتے تھے- 80ء میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے گینگسٹرز کو ساتھ بٹھانے میں حاجی مستان کامیاب ہوگیا- اس میٹنگ میں داؤد ابراہیم کا نیا روپ سامنے آیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

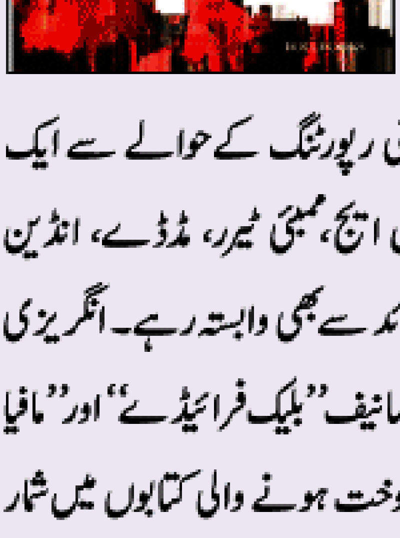

"ڈونگری سے دبئ" چھ دہائیوں پر محیط ممبئ مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئ کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئ میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئ" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئ" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئ حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

"ڈونگری سے دبئ" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئ انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔

"دبئ سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئ میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

وارڈن روڈ اپ مارکیٹ بمبئ میں زندگی کا اپنا ایک الگ رنگ ہے۔ شہر کے امیر ترین لوگ اپنی رہائش یہیں اختیار کرتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ اس علاقے میں محض پہاڑیاں تھیں۔ حاجی علی سے نیپئین سی روڈ تک کا راستہ، اس وقت کے بمبئ کے برٹش گورنر کی شاندار رہائش کی جانب جایا کرتا تھا۔ گورنر کی رہائش مالابار ہلز کے دامن میں تھی۔ آزادی اور مہاراشٹر کی ریاست بننے کے بعد جنگلات میں گھری یہ رہائش جس کی ایک جانب سمندر کا حسین نظارہ تھا، مہاراشٹر کے گورنر کے زیر استعمال رہی۔

حاجی مستان کا اس علاقے میں گھر بنانا 1960ء کی دہائی میں اس کی طاقت اور دولت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ بیت السرور نامی یہ عمارت ظاہری شان وشوکت سے پاک تھی۔ مکان کے پچھلے حصے میں حاجی مستان نے شیشہ نما ایک کمرہ اپنے لیے مختص کر رکھا تھا۔

جولائی 1980ء کی ایک شب جبکہ بارش ہورہی تھی، بنگلے کے ڈرائنگ روم میں چند مہمان بیٹھے تھے۔ قدرتی ماحول کا حُسن اپنی جگہ، لیکن فضا میں ایک تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ حاجی مستان اپنے کمرے میں بے چینی سے کبھی ادھر جاتا، کبھی ادھر جاتا۔ اس نے معمول کے مطابق کپڑے پہن رکھے تھے۔ چمکتی ٹی شرٹ، سفید پینٹ اور سفید جوتے۔ حاجی مستان کے کہنے پر ایمرجنسی میں یہ میٹنگ رکھی گئی تھی۔ ہر خاص وعام جانتا تھا کہ محکمہ پولیس یا انتظامیہ کے ساتھ کسی بھی قسم کی ڈیل کرنا ہو تو حاجی مستان ہی آخری سہارا تھا۔

آج کی میٹنگ کوئی معمولی میٹنگ نہ تھی اور نہ ہی جمع ہونے والے گینگسٹرز کوئی معمولی لوگ تھے۔ مافیا کے درمیان چلنے والی جنگ نے پوری فضا میں تناؤ کی سی کیفیت پیدا کردی تھی۔ بمبئ کی تاریخ میں کبھی کسی نے نہ سنا تھا کہ مافیا میں ایک دوسرے کے دشمن ایک ہی میز پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں۔ اب بھی ایسا لگ رہا تھا کہ یہ لوگ اڑ کر ایک دوسرے کی گردنیں دبوچنے کے خواہشمند ہیں۔

آج پہلی مرتبہ حاجی مستان نے انڈرورلڈ کی دنیا میں امن قائم کرنے کی غرض سے اس میٹنگ کا اہتمام کیا تھا۔ حاجی مستان نے پٹھان گروپ اور داؤد ابراہیم سے بھی رابطہ کیا تھا۔ پٹھان گروپ کا سردار اور حاجی مستان کا دوست کریم لالہ اس میٹنگ میں مجید کالیہ، حسین سوجی، دلیپ عزیز، حنیف محترم اور ہر جگہ موجود رہنے والی جینا بائی دارو والی کے ساتھ موجود تھا۔ جینا بائی اس وقت انڈرورلڈ میں کام کرنے والی وہ واحد عورت تھی، جس کے بارے میں پتہ لگانا مشکل ہوتا تھا کہ وہ مافیا کے ساتھ ہے یا پولیس کے ساتھ۔ سونے کے بھاری زیورات پہنے جینا بائی مافیا کی وہ پراسرار شخصیت تھی، جس سے بمبئ مافیا کا ہر گینگسٹر مشورے کے لیے آیا کرتا تھا۔

حاجی مستان اسے جینا بہن کہہ کر بلایا کرتا تھا، جبکہ داؤد ابراہیم اسے جینا ماسی (آنٹی) کہہ کر پکارا کرتا تھا۔

دیگر اہم گینگسٹرز میں امیر زادہ، عالم زیب، شہزادہ اور صمد خان بھی موجود تھے۔ ان کے علاوہ داؤد ابراہیم اور صابر بھی وہاں موجود تھے۔

بمبئ کی سڑکیں لاشوں سے بھری پڑی تھیں اور بمبئ پولیس گینگسٹرز کے خون کی پیاسی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ کوئی بھی گینگسٹر ان کے ہاتھ چڑھ جائے تو ان کے کچھ داغ دھلیں۔ پٹھان گروپ اور داؤد ابراہیم گروپ کے مابین خونی جنگ نے بمبئ انڈرورلڈ کو سب کے سامنے لا کھڑا کر دیا تھا۔ حاجی مستان اور کریم لالہ کی نیندیں حرام ہوچکی تھیں اور وہ بڑھتے ہوئے خون خرابے سے بہت پریشان رہنے لگے تھے۔ پٹھان گروپ کا کوئی بھی شخص مارا جاتا تو کریم لالہ پریشان ہوجاتا۔ دوسری جانب داؤد ابراہیم وصابر گروپ کی جانب سے کی جانے والی کسی بھی کارروائی کا خمیازہ بھی پٹھان گروپ کو پولیس چھاپوں کی صورت میں بھگتنا پڑتا۔ آخر کار داؤد ابراہیم پولیس کا چہیتا جو بن چکا تھا۔ اس کے علاوہ ابراہیم کاسکر کا بھی اپنا ایک مقام تھا، جو کہ نہ صرف کرائم برانچ کے ساتھیوں میں تھا، بلکہ حاجی مستان اور کریم لالہ دونوں اس کی عزت بھی کیا کرتے تھے۔ ابراہیم بھائی اس میٹنگ میں شریک نہ تھے، لیکن وہ اس ساری صورت حال سے بہت پریشان تھے۔ ان کے بیٹوں نے شیروں کو ان کی کچھار میں جا کر للکارا تھا اور انہیں ڈر تھا کہ ان کے بیٹوں کی جرأت کا خمیازہ کہیں ان کے خاندان کو نہ بھگتنا پڑ جائے۔ حاجی مستان کمرے میں موجود تمام لوگوں سے سختی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے کہا "خون خرابہ کسی بھی بزنس کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔ بالخصوص ہمارے لیے۔ حکومت کے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔ ہم لڑتے رہیں ان کی بلا سے۔ حکومت ہر لحاظ سے ہماری مخالف ہے۔ ہم بمبئ کی گلیوں میں لڑ کر اپنے دشمن کو کیوں خوش کرتے رہیں؟" یہ کہہ کر گویا کہ حاجی مستان نے سب کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی۔

صابر نے کہا "مستان چاچا! ہم کبھی بھی حملے میں پہل نہیں کرتے۔ ہم جانتے ہیں یہ لوگ ہماری قوم سے ہیں، ہمارے بھائی ہیں۔ لیکن ہم یہ بھی برداشت نہیں کرسکتے کہ کوئی ہم پر داداگیری کرتا پھرے"۔

امیر زادہ نے کہا "تم ہماری طاقت سے حسد کرتے ہو۔ پٹھانوں کے طاقتور گروپ نے بمبئ پر برسوں حکومت کی ہے۔ تم ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے"۔ داؤد ابراہیم نے بڑی مشکل سے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے زبان کھولی "حکومت، بھاڑ میں جائے تمہاری حکومت۔ اگر ہمارے بڑے درمیان میں نہ آتے تو صرف چند دنوں کے اندر اندر اس بات کا فیصلہ بھی ہو جاتا۔ کیونکہ میں کریم چاچا اور ان کے خاندان کی عزت کرتا ہوں، اس لیے ابھی تک میں نے اپنی اصلیت نہیں دکھائی، لیکن کب تک؟"

امیر زادہ نے کہا "تو پھر کیا خیال ہے، ابھی اسی کمرے میں فیصلہ نہ ہو جائے؟" یہ کہنا تھا کہ پورا پٹھان گروپ گویا کہ داؤد ابراہیم کے چیلنج کا انتظار کرنے لگا۔

کمرے کے حالات بڑی تیزی سے خطرناک موڑ پر آ گئے تھے۔ داؤد ابراہیم اپنی کرسی پر بیٹھا رہا۔ وہ وقت کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا۔ البتہ صابر اس چیلنج کے لیے فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ داؤد ابراہیم نے صابر کو تھپکی لگا کر بیٹھنے کو کہا۔

تمام نظریں صابر کے تعاقب میں تھیں اور صابر، داؤد ابراہیم کی جانب دیکھ رہا تھا۔ داؤد ابراہیم خاموشی کے ساتھ اپنی کرسی سے اٹھا اور اس جانب گیا جہاں حاجی مستان کھڑا تھا۔ داؤد ابراہیم کو اندازہ تھا کہ اس گھر کے اندر ہی کسی بھی وقت خون کا بازار گرم ہو سکتا ہے۔ مستان کے ہاتھ میں اس کی پسندیدہ 555 امپورٹڈ سگریٹ تھی۔ داؤد ابراہیم نے بڑے ہی آرام سے مستان کے ہاتھ سے سگریٹ لی۔ اس کے بعد وہ میز کی جانب آیا، جہاں ایش ٹرے پڑی تھی۔ سلگتی سگریٹ کو ایش ٹرے میں ڈالنے کی بجائے داؤد ابراہیم نے اسے ہاتھ میں مسل کر چورا چورا کر دیا اور پھر اسے ایش ٹرے میں پھینک دیا۔ پھر بڑے ہی دھیمے لہجے اور پُراعتماد انداز سے کمرے میں موجود لوگوں سے مخاطب ہوا "ہم جانتے ہیں کہ آگ سے کیسے کھیلتے ہیں اور پھر کس طرح انگلیوں سے آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ ہم کسی قسم کی اشتعال انگیزی نہیں چاہتے۔ بڑوں کی مداخلت کی وجہ سے ہمارے صبر کو ہماری بزدلی سمجھنے کی غلطی نہ کی جائے۔ ہم خود تو قربان ہو سکتے ہیں لیکن بڑوں کی عزت پر آنچ نہیں آنے دیں گے"۔ آج پہلی بار سب نے داؤد ابراہیم کا یہ جلوہ بھی دیکھا تھا کہ کس طرح اس نے اپنی فہم وفراست سے اشتعال میں آنے کی بجائے ایک جھگڑے کو ٹال دیا تھا۔

داؤد ابراہیم کی تقریر اور انداز کو کمرے میں بیٹھے ہر شخص نے سراہا۔ امیر زادہ اور عالم زیب غصے سے لال پیلے ہو رہے تھے، لیکن اپنی بیوقوفی سے ایک مرتبہ پھر بے عزت نہیں ہونا چاہتے تھے۔ وہ اپنی کرسی سے سانس بحال کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور پھر کچھ کہے بغیر بیٹھ گئے۔

اب داؤد ابراہیم کمرے میں بیٹھے تمام افراد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔

کریم لالہ نے کہا "بیٹا یہ سب ختم کرو"۔

حاجی مستان جو کہ اپنی اولین تقریر کے بعد سے اب تک خاموش تھا، سب سے مخاطب ہوا "ہمیں چاہئے کہ اپنے مسائل آپس میں حل کرلیں اور یہ عہد کرلیں کہ آج کے بعد ایک دوسرے کو ٹارگٹ نہیں بنائیں گے۔ ہم خون خرابے سے دور رہیں گے"۔

داؤد ابراہیم اور صابر نے رضامندی میں سر ہلائے۔ کریم لالہ اور حاجی مستان نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔ رحیم چاچا اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا "چلو ہم سب قسم کھا کر عہد کرتے ہیں"۔

داؤد اور صابر نے سب سے پہلے عہد کے لیے رحیم چاچا کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھے اور اس کے بعد وہاں موجود تمام افراد نے اپنا اپنا ہاتھ رحیم چاچا کے ہاتھ پر رکھا۔ ان سب نے با آواز بلند یہ قسم کھائی کہ آپس میں امن سے رہیں گے اور خون خرابے سے بچیں گے۔

اس طرح حاجی مستان یہ تاریخی امن معاہدہ کرانے میں کامیاب ہوا۔ اس معاہدے کا مقصد تھا کہ اب داؤد ابراہیم اور پٹھان گروپوں میں خونی تصادم نہ ہوں گے۔ اس کے علاوہ یہ بھی طے پایا کہ شہر میں سب لوگ اپنا اپنا دائرۂ کار متعین کرلیں گے اور پھر کوئی کسی دوسرے کے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑائے گا۔ معاہدہ طے پا جانے کے بعد اب جشن کا وقت تھا۔ اس کے لیے کچھ ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد کچھ ہلکا پھلکا ہنسی مذاق چلتا رہا۔

یہ معاہدہ حاجی مستان کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس معاہدے کے بعد کریم لالہ اور ابراہیم بھائی اپنے لڑکوں کے محفوظ مستقبل کے بارے میں اب کچھ مطمئن ہو گئے تھے۔ کمرے میں موجود امیر زادہ اور عالم زیب کے لیے اس معاہدے کا مطلب یہ تھا کہ اب بلاخوف وخطر اپنے مخالفین سے بدلہ چکا سکتے تھے۔ جبکہ داؤد ابراہیم اور صابر گہری سوچ میں تھے کہ اس معاہدے سے کیسے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس معاہدے نے فی الحال اس کمرے میں موجود ہر شخص کو بمبئ انڈرورلڈ میں کردار دے دیا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

بے شک اس میٹنگ کو بلانے کے پیچھے حاجی مستان کے اپنے عزائم بھی تھے۔ لمبے عرصے سے حاجی مستان نے سینٹر بمبئ میں بیلاسس روڈ پر ایک پلاٹ پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ اس پلاٹ کا تعلق گجرات کے ڈسٹرکٹ بناس کانٹھا کے گجراتیوں سے تھا۔ یہ گجراتی چیلیاس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ چیلیاس قبیلے کے لوگ اپنی جان ومال کے تحفظ کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے تھے۔ حاجی مستان کو سب جانتے تھے کہ اس کے پاس بہت پیسہ ہے، لیکن اس کے پاس طاقت کی زبان استعمال کرنے والے کارندے نہیں تھے۔ اس لیے حاجی مستان نے اب تک پلاٹ پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ لیکن داؤد اور پٹھان گروپ کے مابین اس اتحاد کے بعد اب حاجی مستان کے خیال میں اس پلاٹ کو حاصل کرنے کی اس کی خواہش پوری ہو سکتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ داؤد ابراہیم اور پٹھان گروپ کی مشترکہ طاقت کی وجہ سے خود اس کی طاقت کو چار چاند لگ جائیں گے۔

معاہدہ طے پاتے ہی حاجی مستان نے بیلاسس روڈ کا مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ داؤد ابراہیم اور پٹھان گینگ نے زمین پر موجود کرایہ داروں کو وہاں سے نکالنے کی ذمہ داری لے لی۔ اس پلاٹ پر کچھ وقت میدان جنگ کا منظر رہا۔ چیلیاس قبیلے کے لوگ بڑی بہادری سے اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے تھے۔ لیکن یہ لوگ دو مضبوط گروہوں کی طاقت کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ رکھتے تھے اور بالآخر وہ پلاٹ ان کے ہاتھ سے نکل ہی گیا۔ حاجی مستان نے اس پلاٹ پر ایک بلند وبالا اور عالیشان عمارت تعمیر کروائی اور اس کا نام مستان اپارٹمنٹس رکھا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

قسط نمبر 19 | ترجمہ: عبدالقادر

ہفتہ 10 نومبر 2012ء

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم نے سونے کے سب سے بڑے اسمگلر کا پتہ صاف کر دیا

حاجی مستان جیسا منجھا ہوا اسمگلر بھی سونا اسمگلنگ میں راج کرنے والے نارائن بکھیا کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ بکھیا اور پٹھان گروپ پورا زور لگانے کے باوجود داؤد ابراہیم کا بڑھتا ''جادو'' ختم نہ کر سکے۔ صرف ڈیڑھ سال میں داؤد ابراہیم بمبئی مافیا اور دبئی میں چھا گیا۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

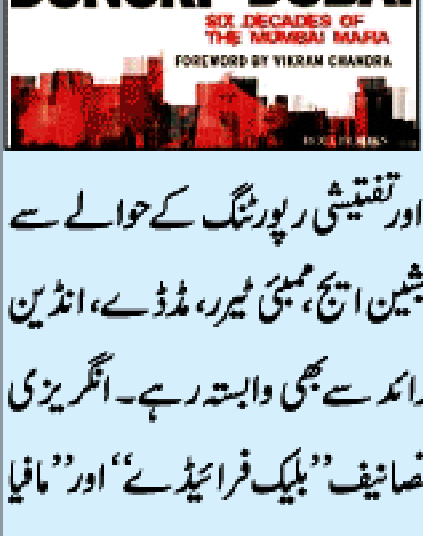

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارد راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

داؤد ابراہیم نے محض 25 برس کی عمر میں بمبئی انڈر ورلڈ میں اتنی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ حاجی مستان اسے ہر میٹنگ میں اسے بلاتا تھا۔ حاجی مستان سمجھتا تھا کہ داؤد ابراہیم کے بغیر کوئی میٹنگ بے نتیجہ رہے گی۔ داؤد ابراہیم نے اپنے وقت کے طاقتور ڈان سے اپنے دوست کے خون کا بدلہ لے کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ داؤد ابراہیم ہی تھا، جس نے سینئر پولیس افسروں کو اپنے اشاروں پر نچایا۔ یہ ایک ایسا کام تھا، جو پٹھان گروپ اپنی تمام تر دولت اور اثر و رسوخ کے باوجود اب تک نہیں کر سکا تھا۔ تاہم اب پٹھان گروپ کے ساتھ امن معاہدہ طے پا جانے کے بعد داؤد ابراہیم کو روز بروز کی لڑائی جھگڑوں سے چھٹکارا مل چکا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ قسم کھا کر عہد کرنے کے بعد اب کسی میں ہمت نہیں کہ اپنے عہد کو توڑنے کے بارے میں سوچ بھی سکے۔ داؤد ابراہیم اب پوری توجہ کاروبار پر دینا چاہتا تھا۔ جلد ہی خالد پہلوان کے پٹھوں اور داؤد ابراہیم کے ذہن کی طاقت کے ملاپ سے ان کے اثاثے بڑھنے لگے۔ بمبئی سے دمان، الیکٹرونکس کی چیزوں سے لے کر سونے چاندی تک، داؤد ابراہیم کے زیر اثر آتے جا رہے تھے۔ جلد ہی داؤد ابراہیم نے گجرات کی جانب بھی اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دیں۔ داؤد ابراہیم کی دھاک بیٹھتی گئی اور مغربی ساحلی پٹی پر اس کے قدم جمتے چلے گئے۔ خالد پہلوان، باشو دادا کا دایاں بازو تھا اور اسمگلنگ کے کاروبار میں کافی عرصے سے کام کر رہا تھا۔ وہ اس کاروبار کی ہر اونچ نیچ سے اور ہر گر سے واقف تھا۔ اس نے داؤد ابراہیم کو یہ گر سکھانے میں ذرہ برابر کنجوسی سے کام نہ لیا۔ ان تمام کارروائیوں کے دوران انہوں نے مسافر خانے کو نہ چھوڑا۔ مسافر خانے کا علاقہ ان کا مضبوط قلعہ بن چکا تھا، اور کسی مخالف کی ہمت نہ تھی کہ اس علاقے کا رخ کر سکتا۔

داؤد ابراہیم دبئی کے چکر بھی لگانے لگا اور دبئی میں شیخوں سے اس کی ملاقاتیں ہونے لگیں۔ داؤد ابراہیم کو شیخوں کی دنیا کی چکا چوند بہت بھائی۔ لہٰذا داؤد ابراہیم کا معیار زندگی بلند ہونے لگا اور اس کے حلقے میں بھی خوش لباس اور خوش گفتار لوگوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ اب اس کی ملاقاتیں گلی کے غنڈوں سے نہیں، بلکہ کروڑ پتی شیخوں سے ہوا کرتی تھی۔

داؤد ابراہیم نے بمبئی پولیس اور کرائم برانچ کو اپنے ہاتھ تلے رکھ کر اپنی پوزیشن کو کافی مضبوط بنا لیا تھا۔ گجرات کے ساحلوں کا رخ کرتے وقت داؤد ابراہیم کو اندازہ تھا کہ عالم زیب اور امیر زادہ نے پہلے ہی اپنے ہیڈ کوارٹر وہاں بنا رکھے تھے۔ عبداللطیف خان، پٹھان گروپ کے گجرات آپریشنز چلانے پر مامور تھا۔ لیکن داؤد ابراہیم کی ذہانت نے اس کی اس جانب رہنمائی کی کہ اگر سونے کی اسمگلنگ میں راج کرنا ہے تو صرف ایک شخص ہے جس کی کمر توڑنا ہو گی اور وہ ہے نارائن بکھیا۔ بکھیا، ہندوستان میں سونے کا سب سے بڑا اسمگلر تھا۔ بکھیا کو راستے سے ہٹانے میں حاجی مستان جیسا منجھا ہوا اسمگلر بھی اب تک کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

جب بکھیا اور پٹھان گروپ کو گجرات میں داؤد ابراہیم کی اسمگلنگ کی کارروائیوں کا علم ہوا تو انہوں نے اس کا بوریا بستر گول کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ لیکن اس وقت تک خالد پہلوان کی مدد سے داؤد ابراہیم اس علاقے میں اتنا مضبوط ہو چکا تھا کہ یہ لوگ اس کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے۔ داؤد ابراہیم نے اپنے دائرہ کار کو مزید بڑھانے کی غرض سے اب ساحلوں سے بمبئی ایئر پورٹ کا رخ کیا۔ دبئی سے سونا اسمگلنگ کرنے کی جو لائن داؤد گروپ نے بنا رکھی تھی، اسے کچرا پیٹی لائن کہتے تھے۔

داؤد ابراہیم کے کارندے دبئی سے بمبئی آنے والے جہاز میں سوار ہو جاتے اور سونے کی ٹکیاں مٹھائی کے ڈبوں میں انتہائی احتیاط سے بند کر لیتے۔ بمبئی میں جہاز اترنے کے بعد جیسے ہی یہ لوگ ایئر پورٹ پر اترتے تو کسٹم والوں کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی وہاں موجود خاکروبوں کو آنکھ کے اشارے سے بتا دیتے کہ ڈبوں کو کچرے کے ڈبوں میں ڈال دیں۔ اس طرح کچرے کے ساتھ یہ خاکروب ان کا سونا ایئر پورٹ سے باہر لے کر آ جاتے۔ اور پھر سونا انتظار میں باہر کھڑے داؤد ابراہیم کے کارندوں کے حوالے کر دیا جاتا۔ اس کام کے لیے خاکروبوں کو ہر مرتبہ خاطر خواہ رقم بطور کمیشن دی جاتی۔ یہ تمام کام انتہائی محتاط حکمت عملی کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ایک مرتبہ ایئر پورٹ حکام کو کسی نے پہلے ہی سے مخبری کر دی اور چند منٹوں کے اندر اندر ایئر پورٹ کو گھیر لیا گیا۔ ایئر پورٹ سے 25 لاکھ مالیت کی سونے کی ٹکیاں بازیاب کر لی گئیں۔ اس مقصد کیلئے کسٹم والوں کو ایئر پورٹ پر ڈیوٹی پر تعینات ہر شخص سے تفتیش کرنا پڑی۔ بالآخر جب سونا لے جانے والے خاکروبوں کو گرفتار کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ انہیں اس سلسلے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں، البتہ صرف اتنا پتہ ہے کہ ایئر پورٹ سے باہر سونا کسی داؤد بھائی نامی شخص کے کارندوں کے حوالے کرنا ہے۔

اس کے فوراً بعد COFEPOSA کے قانون کے تحت داؤد ابراہیم کو گرفتار کر لیا گیا۔ 1980ء میں یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ کسی ڈان کو قانونی طور پر پابند سلاسل کیا گیا ہو، لیکن جیسے جیسے داؤد ابراہیم کی دولت اور طاقت میں اضافہ ہوتا گیا، وہ حکومتی مشینری میں بھی اپنا اثر و رسوخ بڑھاتا چلا گیا۔ اسی لیے داؤد ابراہیم نے نہ صرف گواہوں کو خرید لیا، بلکہ کاغذی کارروائی پر بھی اثر انداز ہوا اور بالآخر 1983ء میں باعزت بری کر دیا گیا۔

داؤد ابراہیم جیل سے باہر آنے کے بعد بمبئی مافیا میں اپنی مضبوط پوزیشن سے دستبردار ہونے کیلئے ہرگز تیار نہ تھا۔ اس نے مافیا کو اپنے وجود کا احساس دلانے کیلئے کوششیں مزید تیز ترین کر دیں۔ داؤد ابراہیم کی موجودہ کارروائیوں نے پٹھان گروپ سمیت پوری بمبئی مافیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب وہ ایک نئے انداز سے مافیا میں لوٹا تھا۔ وہ ہر شخص کی رگ رگ اور کمزوریوں سے آشنا تھا۔

جلد ہی سونے کی اسمگلنگ کا ایک انوکھا طریقہ داؤد ابراہیم نے دریافت کر لیا۔ اس مرتبہ انسانی جسم کو سونے کی اسمگلنگ کیلئے استعمال کیا گیا۔ اس طریقے کو ''گودام لائن'' کہا جانے لگا۔ یہ کام کرنے والے مسافروں کو اچھی خاصی ترغیبات دی جاتیں، جس میں خاطر خواہ رقم کے علاوہ آنے جانے کا کرایہ اور دبئی میں ایک ہفتے کا قیام بھی شامل تھا۔ اس لیے داؤد ابراہیم کو ایسے لوگ قطار در قطار ملنے لگے اور اس کا بزنس دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔ بمبئی 3 اور بمبئی 9 کے کئی لوگ اس طرح سے دبئی کے چکر لگا لگا کر مالدار ہو چکے تھے۔

داؤد ابراہیم کو اب بمبئی چھوٹا لگنے لگا تھا اور اسے دبئی جیسی مارکیٹ سے فائدہ اٹھانے کیلئے مزید راستے تلاش کرنا تھے۔ داؤد ابراہیم اور صابر نے نہ صرف پیسہ کمایا تھا، بلکہ اب ان کا اثر و رسوخ مشرق وسطیٰ کے ممالک تک پھیل گیا تھا۔ دوسری جانب ان کے دیرینہ دشمن، یعنی پٹھان گروپ ان کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ دونوں بھائیوں کی ترقی کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے۔ داؤد ابراہیم اور پٹھان گروپ کی اسمگلنگ میں بہت فرق تھا۔ پٹھان گروپ گجرات، دیو اور دمان کے ساحلوں پر اترنے والے اسمگلنگ کے سامان میں ڈیل کیا کرتا تھا، جبکہ داؤد ابراہیم اور صابر مال لانے اور لے جانے کے تمام آپریشنز کنٹرول کیا کرتے تھے۔ داؤد ابراہیم عربوں سے براہ راست بات چیت کیا کرتا تھا اور چیزوں کے ریٹس بھی مختص کیا کرتا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

آپریشن کو منطقی انجام تک پہنچانے کیلئے بھی داؤد ابراہیم آخری لمحات تک آپریشن پر نظر رکھا کرتا تھا۔ ان باتوں سے اسے دہرے فوائد حاصل ہوتے تھے۔ ایک جانب تو آپریشن کی کارروائی پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی اور دوسری جانب دیگر لوگوں کے مقابلے میں داؤد ابراہیم کا منافع کئی گنا ملتا تھا۔

پٹھان گروپ اب تک داؤد ابراہیم کے انداز میں اسمگلنگ کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اپنی بہترین کوششوں اور مالی و جانی نقصانات کے باوجود وہ اسمگلنگ پر داؤد ابراہیم کی گرفت توڑنے میں ناکام رہا تھا۔ کیونکہ وہ ان گروں سے محروم تھے جو داؤد ابراہیم اور خالد پہلوان کے پاس تھے۔ داؤد ابراہیم نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پولیس کے محکمے میں بھی اپنے تعلقات قائم کر رکھے تھے، جبکہ پٹھان گروپ کی وہاں کوئی شنوائی نہ تھی، بلکہ وہ کبھی پولیس والوں کو خاطر میں ہی نہ لایا تھا۔ داؤد ابراہیم کی مسلسل ترقی اور اپنے مسلسل نقصانات کی وجہ سے پٹھان گروپ میں داؤد ابراہیم کیلئے حسد اور مخاصمت بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ حاجی مستان کے گھر پر کیا جانے والا معاہدہ دراصل داؤد ابراہیم کو دبئی اور مقامی مارکیٹ میں قدم جمانے کیلئے ایک موقع فراہم کرنے کیلئے کیا گیا تھا۔ اس معاہدے کی بدولت داؤد ابراہیم صرف ڈیڑھ سال کے عرصے میں بمبئی مافیا اور دبئی میں چھا گیا تھا۔ اس معاہدے سے انہیں ذرا برابر بھی کاروباری فوائد حاصل نہ ہو سکے تھے۔

امیر زادہ اور عالم زیب کا یہ بھی خیال تھا کہ معاہدے کے بعد داؤد ابراہیم انہیں اپنے بزنس سے نہ صرف فائدہ پہنچائے گا، بلکہ انہیں اپنے پارٹنروں کی نظر سے بھی دیکھے گا، لیکن داؤد ابراہیم نے انہیں یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس لیے اب ان کیلئے اس مقدس معاہدے کی خلاف ورزی کرنا جائز ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے سر جوڑ لیے اور منصوبے بنانے لگے کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔ انہیں اندازہ تھا کہ خالد پہلوان کی حیثیت داؤد ابراہیم کے منیجر کی سی ہے، اس لیے ان کا دھیان اس کی طرف کچھ خاص نہ گیا۔ وہ لوگ دونوں بھائیوں یعنی داؤد ابراہیم اور صابر کو نشانہ بنانا چاہتے تھے۔ اس نیٹ ورک کو توڑنے کی یہی ایک موثر ترکیب ہو سکتی تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

☆☆☆☆☆

قسط نمبر 20

ترجمہ: عبدالقادر

انڈر ورلڈ سے تعلق نے داؤد ابراہیم کی پہلی محبت ناکام بنادی

سجاتا کور مشہور اداکارہ لینا چندرواکر سے مشابہہ تھی۔ داؤد ابراہیم اسے دیکھتے ہی دل ہار بیٹھا۔ سجاتا نے نہ چاہنے کے باوجود ماں باپ کے کہنے پر اسے ٹھکرا دیا۔ ساری زندگی محبت نہ کرنیکا فیصلہ کرنے کے باوجود داؤد ابراہیم نے مہہ جبین کو دیکھا تو اس سے شادی کرلی۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

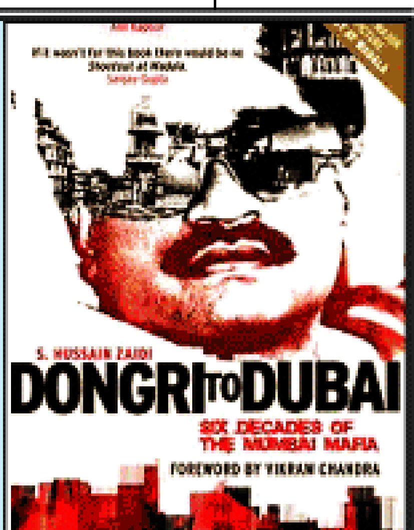

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

اس کا چہرہ ماضی کی مشہور اداکارہ لینا چندرواکر سے بہت ملتا تھا۔ سجاتا کور دلکش نین نقش والی لڑکی تھی اور اس کے گالوں پر پڑنے والے ڈمپل سے اس کا حسن اور بھی دوبالا ہو جایا کرتا تھا۔ داؤد ابراہیم بھی اس کے حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ گو ان کا جوڑ ظاہری طور پر مناسب دکھائی نہ دیتا تھا، لیکن یہ لڑکی داؤد ابراہیم کو بھا گئی تھی۔ وہ پنجابی کڑی (لڑکی) تھی اور داؤ ٹھہرا ایک سخت مزاج انسان۔

اس معاملے کی شروعات مسافر خانہ ساؤتھ بمبئی میں داؤد ابراہیم کی دکان سے ہوئی۔ سجاتا قریب ہی کہیں رہا کرتی تھی اور جب کبھی بھی منیش مارکیٹ کی دکانوں کے قریب سے اس کا گزر ہوتا، داؤد ابراہیم اس پر نظر ڈالے بغیر نہ رہتا۔ اس سڑک سے گزرنے والی تمام لڑکیوں سے سجاتا ہر لحاظ سے منفرد دکھائی دیتی تھی۔ داؤد ابراہیم اس کے پیچھے پیچھے بھی جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن داؤد ابراہیم نے اس سے اپنی محبت کا اظہار بھی کر دیا۔ داؤد ابراہیم وہ سب کچھ کر رہا تھا جو اس کی جگہ کوئی بھی دوسرا شخص کر سکتا تھا، یعنی بس اسٹاپ پر ملنا اور ایک جھلک دیکھنے کے لیے گھنٹوں انتظار کرنا، وغیرہ۔

سجاتا زیادہ عرصہ داؤد ابراہیم کے پیار کو نظر انداز نہ کر سکی اور بالآخر دونوں ایک دوسرے کو بے حد پسند کرنے لگے۔ اگلے دو برسوں میں تو یہ اتنے قریب آگئے تھے کہ اب انہیں جدا کرنا ممکن دکھائی نہ دیتا تھا۔

ساری دنیا داؤد ابراہیم کا ایک چہرہ جانتی تھی اور اس سے ڈرتی تھی کیونکہ اس کا تعلق انڈر ورلڈ سے تھا، لیکن سجاتا وہ واحد تھی، جسے اندازہ تھا کہ داؤد ابراہیم دل کا کتنا اچھا اور وہ کتنا پیار کرنے والا انسان ہے۔ انہی دنوں سجاتا کے والدین کو سجاتا اور داؤد ابراہیم کی ملاقاتوں کی خبر ہوئی۔ سجاتا کا والد بہت ناراض ہوا اور اس نے بلا تاخیر سجاتا کی منگنی اپنے خاندان کے ایک لڑکے سے کر دی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں اپنی بیٹی ایک ایسے شخص کے حوالے کیسے کر دوں جو بمبئی مافیا کا ایک رکن ہے۔ داؤد ابراہیم کے لیے مزید مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ اس کے والدین نے سجاتا کے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی تھی۔ داؤد ابراہیم نہ صرف مسلمان تھا، بلکہ معاشرے میں اسے اچھی نظر سے بھی نہیں دیکھا جاتا تھا، اس لیے اس کے والدین کے نزدیک یہ ایک ناممکن شادی تھی۔ سجاتا کے والد نے ایک دن دروازہ کھولا تو داؤد ابراہیم غصے میں بھرا سامنے کھڑا تھا۔ داؤد ابراہیم نے کہا ''اسے کس سے شادی کرنی ہے، یہ فیصلہ اسی کو کرنے دو''۔

اس دوران پورا محلہ جمع ہو چکا تھا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ سجاتا کے والد نے کہا ''میری بیٹی تمہیں چن تو سکتی ہے، لیکن اس کے بعد وہ یتیم ہو جائے گی، اگر اس نے تمہیں نہ چھوڑا تو میں اور میری بیوی اس بلڈنگ سے کود کر جان دے دیں گے''۔ سجاتا کور اپنی ماں کے ساتھ اندر موجود گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ یہ ساری صورتحال دیکھ کر اس نے فیصلہ کیا کہ اپنے والدین کی خاطر وہ اپنی محبت کو قربان کر دے گی، لہٰذا اس نے داؤد ابراہیم کی جانب دیکھا اور بڑی سختی سے بولی ''ہم کبھی بھی نہیں مل سکتے، میں تم سے شادی نہیں کر سکتی''۔

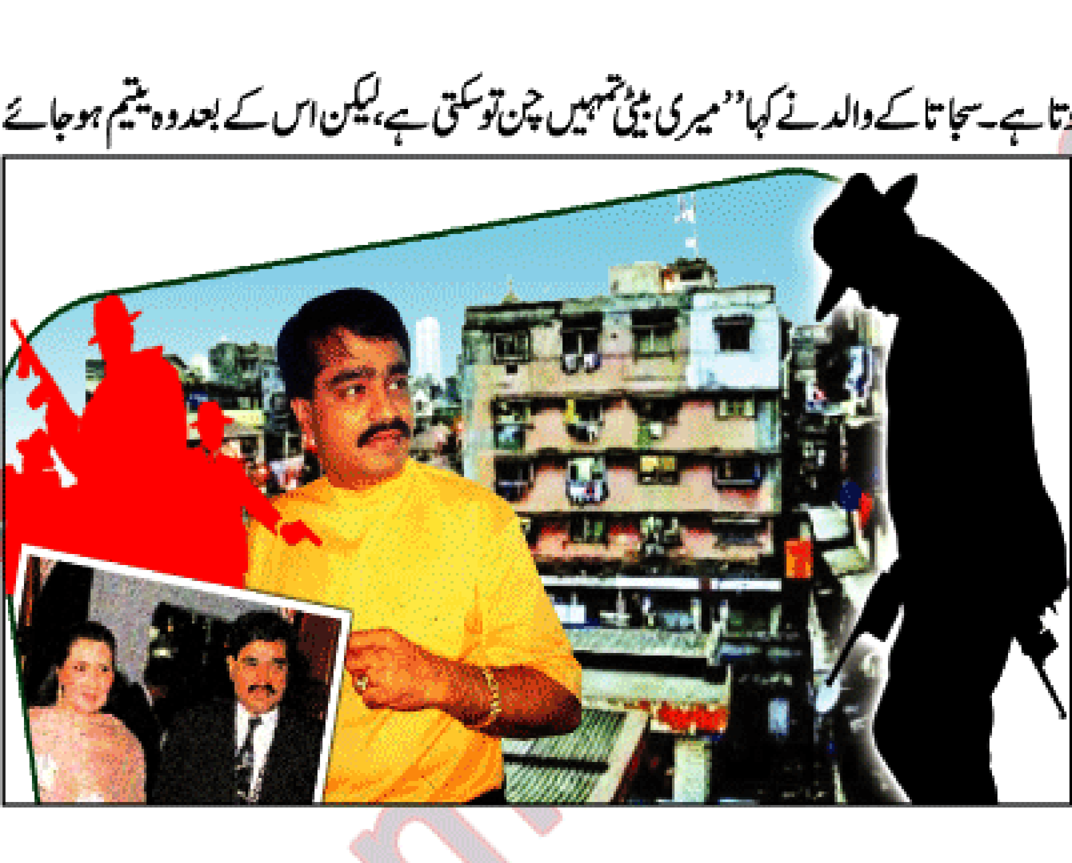

ایک لمحے کے لیے گویا کہ داؤد ابراہیم پر بجلی سی گر گئی۔ وہ بت کی مانند اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ سجاتا کو اٹھا کر بزور قوت وہاں سے لے جائے، لیکن اس کی محبت اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ داؤد ابراہیم ایک ذہین انسان تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ زور زبردستی سے کسی کو محبت کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ موجودہ صورت حال میں معاملات اس کے ہاتھ سے نکل بھی سکتے تھے۔ اب تک تو سجاتا محض اپنے والدین کی خاطر قربانی دے رہی تھی، لیکن اگر اس نے کچھ ایسا ویسا کر دیا تو اسے واقعتاً داؤد ابراہیم سے نفرت ہو جائے گی۔ داؤد ابراہیم کے دل کی یہ حالت تھی کہ اسے محسوس ہو رہا تھا گویا کہ کسی نے اس کا دل چیر دیا ہو۔ داؤد ابراہیم کی انڈر ورلڈ جس کا وہ نڈر باسی تھا، میں بھی کبھی کسی کو اتنے گہرے گھاؤ نہ لگے ہوں گے۔ مایوسی اور کرب کی حالت میں داؤد ابراہیم نے سجاتا کے گھر کی سیڑھیوں سے اترنا شروع کیا۔ داؤد اپنے منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔ ''بے وفا کہیں کی میرے خلاف ہو گئی''۔

ان دنوں داؤد ابراہیم سجاتا کے پیار میں بہت پریشان رہنے لگا تھا۔ وہ کوئی کام نہ کرتا، بلکہ دن رات آہیں بھرتا رہتا۔

اس کے ساتھی کہتے ہیں کہ ان دنوں داؤد ابراہیم، دلیپ کمار کا مشہور گانا اکثر گنگنایا کرتا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

''دل دیا درد لیا،

گزرے ہیں آج عشق میں ہم اس مقام سے،

نفرت سی ہو گئی ہے محبت کے نام سے''۔

آج سے پہلے داؤد ابراہیم کبھی اتنا اداس نہ ہوا تھا، لیکن اب سجاتا کے پیار نے اسے بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی اس حالت کا ذمہ دار سجاتا کے انکار کو سمجھتا تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ سجاتا بے وفا ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ پیار کی خاطر سجاتا کو حالات سے لڑنا چاہئے تھا۔ بڑی مشکل سے داؤد ابراہیم نے زندگی کے یہ دن گزارے۔ اپنی محبت کی آگ میں ایک سال جلنے کے بعد بالآخر اسے تمام عورتوں سے نفرت سی ہو گئی۔ اس نے اپنے تئیں فیصلہ کر لیا کہ عورتیں اس لائق نہیں ہوتیں کہ انہیں بہت زیادہ سر چڑھایا جائے، انہیں حد سے زیادہ پیار کیا جائے۔ داؤد ابراہیم نے سوچا کہ عورتوں کو بس ایک حد تک رکھنا چاہئے۔ داؤد ابراہیم کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ اپنا غم دور کرنے کے لیے اسے شراب کا سہارا ڈھونڈنا چاہئے، لیکن داؤد ابراہیم نے انکار کر دیا اور شراب کی بوتل کو ٹھوکر مار دی۔ جب کبھی اس کے دوستوں نے کوشش کی کہ اس کا غم ہلکا ہو جائے تو انہیں داؤد ابراہیم کی جانب سے مایوسی ہوئی۔ اب داؤد ابراہیم فیصلہ کر چکا تھا کہ ساری زندگی کبھی بھی کسی کی محبت میں گرفتار نہ ہوگا۔ لیکن جب داؤد اور مہہ جبین کا آمنا سامنا ہوا تو خود سے کئے گئے داؤد ابراہیم کے سارے عہد ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔

ٹیکسی ڈرائیور یوسف کاشمیری کے لیے بڑے فخر کی بات تھی کہ ابراہیم کاسکر نے اپنے بیٹے کے لیے اس کی بیٹی کا ہاتھ مانگا ہے۔ اپنی ایمانداری اور دوسروں کا ہمدرد ہونے کی وجہ سے ابراہیم بھائی نہ صرف محکمہ پولیس، بلکہ اپنے پورے علاقے میں ہر دلعزیز تھے۔ اسی لیے ابراہیم بھائی کے بیٹے کو اپنا داماد بنانا یوسف کاشمیری کے لیے بڑی خوشی کی بات تھی۔ جنوبی بمبئی کے مسلم اکثریتی علاقے ڈونگری کی چھوٹی سی گلی میں یہ شادی انتہائی سادگی سے طے پائی۔ مہہ جبین کو اندازہ بھی نہ تھا کہ اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کی جا رہی ہے جو کسی وقت بھارت کا سب سے بڑا ڈان کہلائے گا۔ شاید داؤد ابراہیم کو خود بھی اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ وہ بھارت کی انڈر ورلڈ کا بے تاج بادشاہ بننے والا ہے۔ اسے اس بات کا اندازہ بھی نہ تھا کہ وہ اپنا بزنس عرب، افریقہ اور یورپی ممالک تک پھیلا لے گا۔ اسے اس بات کا اندازہ بھی نہ تھا کہ ایک دن اس کے اثاثے 4000 کروڑ روپے سے بھی تجاوز کر جائیں گے۔ شادی کے وقت مہہ جبین کو صرف اتنا پتہ تھا کہ اس کا شوہر گلی محلے کے کسی جھگڑے میں کہیں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے حوالدار والد اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اسے حوالات سے چھڑوا لیتا ہے۔

شادی کے بعد دونوں میاں بیوی 83-1982ء کے درمیان ہنی مون کے لیے گئے۔ ہنی مون سے واپس آنے کے بعد آہستہ آہستہ مہہ جبین کو اندازہ ہونے لگا کہ اس کے شوہر کا کاروبار کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ ہر دم خطروں میں گھرا رہتا ہے۔ تاہم ایک سادہ سی گھریلو لڑکی ہونے کی وجہ سے مہہ جبین کو داؤد ابراہیم کی سرگرمیوں کے بارے میں مکمل طور پر اندازہ نہ ہو سکا اور نہ ہی وہ کبھی کسی ٹوہ میں لگی رہتی تھی۔ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی گھریلو زندگی میں مگن رہی۔ لیکن جب پٹھان گروپ کی جانب سے اس کے دیور صابر کو قتل کر دیا گیا، تو مہہ جبین کو اپنے شوہر کی بہت فکر رہنے لگی۔ اس واقعے کے بعد داؤد ابراہیم کی زندگی میں گویا ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ حالات داؤد کے لیے اتنے خراب ہو گئے تھے کہ اسے ہندوستان چھوڑ کر دبئی جانا پڑا۔ بعد میں اس نے اپنی فیملی کو بھی دبئی میں ہی بلوا لیا۔ مہہ جبین اپنی دو بیٹیوں اور گھریلو زندگی میں ہی ہمیشہ مگن رہی۔ اسے داؤد ابراہیم کی کاروباری سرگرمیوں سے کبھی کوئی سروکار نہ رہا۔ داؤد ابراہیم نے بھی کبھی اس سلسلے میں اس سے مشورہ کیا۔

داؤد ابراہیم کے افیئرز کے بارے میں بالی ووڈ سے وقتاً فوقتاً کہانیاں مشہور ہوتی رہی ہیں، لیکن اسے اپنی شریک حیات سے بے پناہ محبت تھی۔ اس نے مہہ جبین کو ہمیشہ خوش رکھا اور اس کے نام پر کافی پراپرٹی بھی خریدی۔ بمبئی میں کثیر المنزلہ عمارت مہہ جبین مینشن، ایسی ہی عمارتوں میں سے ایک عمارت ہے۔ (جاری ہے)

PdfStuff.blogspot.com

☆☆☆☆☆

پیر 12 نومبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

قسط نمبر 21

ترجمہ: عبدالقادر

مخالفین نے داؤد ابراہیم کے بھائی کو قتل کردیا

صابر کو پربھادیوی میں واقع پیٹرول پمپ پر نشانہ بنایا گیا- سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر پٹھان گروپ کے امیر زادہ- عالم زیب- منوہر عرف مانیا اور معمور خان نے اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا- صابر کاسکر کی بعض سرگرمیوں کو ناپسند کرنے کے باوجود داؤد ابراہیم اس سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

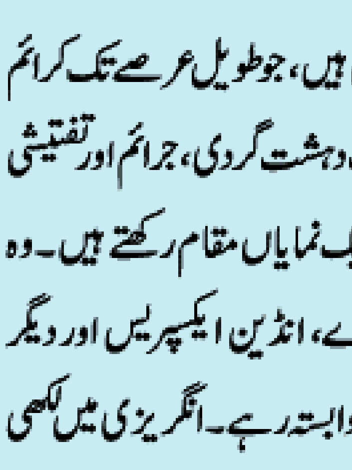

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، واردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

مشہور ہندی گانوں سے فضا گونج رہی تھی۔ جنوبی ممبئی میں واقع کانگریس ہاؤس کے برآمدوں میں خوبصورت لڑکیاں طرح طرح کے لباس پہنے ادھر ادھر پھرتی اور ہنسی مذاق کرتی نظر آ رہی تھیں۔ ان کی زبان بھی نازیبا تھی اور انداز بھی گھٹیا تھا۔ ایک وقت تھا کہ انڈین نیشنل کانگریس کے کرتا دھرتا جنھوں نے آزادی کی تحریک کی رہنمائی کی تھی، نے کانگریس ہاؤس کو اپنا بیس کیمپ بنا رکھا تھا۔ وہ بہت ہی اچھے دن ہوا کرتے تھے۔ لیکن 70ء کی دہائی تک یہ جگہ آوارہ عورتوں اور لڑکیوں کی آماجگاہ بن چکی تھی۔ ان میں سے چند لڑکیاں ناچ کے ساتھ ساتھ گانا گانے کی بھی صلاحیت رکھتی تھیں۔ وقت گزرتا گیا اور اس جگہ کا ماحول بد سے بدتر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ کانگریس ہاؤس جسم فروشی کے اڈے میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔ اب یہاں ہر قسم کے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ کماٹھی پورہ اور فاک لینڈ روڈ پر موجود اڈوں کی بہ نسبت کانگریس ہاؤس میں زیادہ مالدار لوگ آیا کرتے تھے۔ اس لیے اس جگہ مذموم کاروبار ہونے کے باوجود کماٹھی پورہ کے برعکس اس کا ماحول کچھ بہتر تھا۔ یہاں ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

یہ لڑکیاں چھوٹی چھوٹی علیحدہ علیحدہ کھولیوں میں رہا کرتی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں کوئی خواب نہ تھے اور نہ ہی ان کا کوئی خاندان تھا۔ انہوں نے صرف گاہک اور وہ میڈم میں دیکھی تھیں، جو ہر وقت ان پر نظر رکھا کرتی تھیں۔ ان میں سے زیادہ تر اپنی زندگی کے دن یہیں پورے کر کے مر کھپ جایا کرتی تھیں۔ چند خواتین نے اپنے بچوں کو بورڈنگ اسکولوں میں ڈال رکھا تھا، تاکہ اس برائی کی دنیا کا ان پر سایہ بھی نہ پڑے۔ شہر کے چہرے پر لگا یہ بدنما داغ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔

گناہوں کی اسی دنیا میں نندا اور چترا بھی رہا کرتی تھیں۔ یہ دونوں 25 برس کے لگ بھگ تھیں۔ نندا اور چترا دوست تھیں اور یہاں کے غلیظ دھندے میں انہیں زبردستی دھکیلا گیا تھا۔ یہ دونوں کم عمری میں ہی یتیم ہو چکی تھیں۔ ان کے رشتہ داروں نے محض چند روپوں کی خاطر انہیں کانگریس ہاؤس والوں کے ہاتھوں بیچ ڈالا تھا۔ اس کے بعد سے وہ اس غلیظ دھندے میں ہی ملوث رہیں۔ ان کے کم ذہنوں کو کبھی یہ سمجھ ہی نہ آیا کہ ان کے ساتھ یہ سب کچھ آخر کیوں ہوا۔ ان دونوں نے اسی طرح آنے والی بہت سی دیگر لڑکیوں کی طرح اس زندگی کو اپنا مقدر جان کر قبول کر لیا تھا۔

گھناؤنے دھندے سے منسلک یہ لڑکیاں قسم قسم کے لوگوں سے ملتی جلتیں، لیکن کبھی نہ کبھی کوئی ایسا بھی آ جاتا جن کی یہ خود راہ دیکھنے لگتی تھیں۔ چترا کے لیے صابر بھی ایک ایسا ہی شخص تھا۔ ابھی صابر کی شادی کو دوسرا سال ہی تھا کہ چترا اس کی زندگی میں آئی تھی۔ دیکھنے میں خوبصورت چترا کو صابر بہت اچھا لگتا تھا۔ صابر اردو کی شاعری میں دلچسپی رکھتا تھا اور جب چترا سامنے آتی تو پیار بھری غزلوں کے اشعار اس کے لیے پڑھتا۔ ان اشعار کو سن کر چترا اور بھی زیادہ مرعوب اور حسین خوابوں میں کھو جایا کرتی تھی۔

صابر نے محبت کی شادی کی تھی اور اس کی بیوی شہناز ایک خوبصورت عورت تھی۔ شادی سے پہلے شہناز ایک پٹھان لڑکے میں دلچسپی رکھتی تھی، لیکن جب صابر سے اس کی ملاقات ہوئی تو وہ صابر کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ داؤد ابراہیم کو یہ بات بالکل بھی پسند نہ آئی کہ صابر کسی ایسی لڑکی سے شادی کرے جسے کوئی اور پسند رہا ہو۔ لیکن داؤد ابراہیم، صابر سے بہت محبت کرتا تھا، اس لئے اس کی خواہشات کے سامنے ہار مان لیتا۔ شادی کے ایک سال بعد ہی صابر کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام اس نے شیراز رکھا۔ اگلے سال شہناز پھر امید سے تھی کہ انہی دنوں صابر کا دھیان چترا کی جانب گیا۔ چترا نے صابر کی دنیا میں پیار اور محبت کے پرانے دن لوٹا دیئے تھے۔ اب یہ دونوں فلم دیکھنے کے لیے سینما بھی جانے لگے تھے۔ یہ لوگ کبھی بھیل پوری کھاتے اور کبھی چپاتی۔ کبھی کبھی دونوں کسی مہنگے ہوٹل میں ڈنر کے لیے بھی چلے جاتے۔ کبھی کبھی صابر، چترا کو اپنی گاڑی میں لمبی ڈرائیو پر بھی لے جاتا اور رات بھر بمبئی کی سڑکوں پر گھماتا۔

PdfStuff.blogspot.com

چترا کو صابر کا ساتھ ویسے ہی بہت اچھا لگتا تھا، اس پر صابر کی دولت نے مزید چار چاند لگا دیئے تھے۔ گویا کہ صابر، چترا کی جہنم نما زندگی میں نجات کا فرشتہ بن کر وارد ہوا کرتا تھا۔ کانگریس ہاؤس کی کھولیوں میں گزرنے والی زندگی کٹھن، مایوسی اور درد سے بھرپور تھی، لیکن صابر کے آ جانے سے چترا چند لمحات کے لیے یہ سب کچھ بھول کر سہانے سپنوں میں کھو جایا کرتی تھی۔ اپنی فیملی، بزنس اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے صابر چند لمحات ہی چترا کے نام کر سکتا تھا۔ لیکن جب کبھی صابر، چترا کو کانگریس ہاؤس ڈراپ کرتا، وہ اس کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کی یادوں کے سہارے باقی ماندہ وقت گزار دیتی۔ یہاں تک کہ ان کی ملاقات کا وقت پھر شروع ہو جاتا۔ چترا پر صابر کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کا غلبہ اتنا شدید رہتا کہ اس کا جی چاہتا کہ ساری دنیا کو بتائے کہ ان لمحات کو پا کر وہ کتنی خوش ہے۔ اپنے جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے بالآخر وہ ساری باتیں اپنی دوست اور ہمراز نندا سے کر دیا کرتی تھی۔ چترا، نندا کو بتاتی کہ آج ہم سمندر کنارے گئے، آج ہم نے آئس کریم کھائی، آج یہ فلم دیکھی، وغیرہ وغیرہ۔

نندا کو چترا کی باتیں سن سن کر اب حسد ہونے لگا تھا، لیکن نندا نے چترا سے اپنے جذبات کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ نندا بھی کسی ایسے ہی شخص کی راہ دیکھ رہی تھی۔ ان کی زندگی میں ان باتوں سے کوئی بہت بڑی تبدیلی آنے والی نہیں تھی۔ پریوں کے دیس سے کوئی راجہ آ کر انہیں شہزادی بنا کر لے جانے کے لیے تیار نہ تھا۔ البتہ ایسے چند لمحات میسر آ جانے سے انہیں اپنی غلیظ زندگی کے درد سے عارضی چھٹکارا ضرور مل جایا کرتا تھا۔ جب کبھی چترا، نندا کو صابر کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کی روداد سناتی، نندا مزید پریشان ہو جاتی۔ پھر ایک دن ایک خوبصورت قد آور شخص اس کی زندگی میں بھی آ گیا۔ یہ پٹھان گروپ کا امیر زادہ تھا۔ اس نے نندا سے کسی خاص مقصد کے لیے دوستی کی تھی۔ لیکن نندا یہ سمجھی کہ امیر زادہ اس سے حقیقی محبت کرنے لگا ہے۔ محبت کے پردے آنکھوں پر پڑنے کے سبب نندا کو امیر زادہ کے حقیقی عزائم کا ذرا برابر بھی ادراک نہ ہو سکا۔ امیر زادہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ صابر، چترا کو پسند کرتا ہے اور چترا، صابر کی کمزوری بن چکی ہے۔ جب امیر زادہ نے دیکھا کہ صابر، چترا سے پوری طرح گھل مل چکا ہے تو ایک منصوبے کے تحت امیر زادہ نے چترا کی دیرینہ دوست اور رازدار نندا کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ یوں نندا کو بھی چترا کی مانند ایک ساتھی مل گیا تھا، جس سے مل کر اس کا غم ہلکا ہو جایا کرتا تھا اور چند لمحات کے لیے وہ اپنے سارے دکھ، درد بھلا دیا کرتی تھی۔ لیکن یہ باتیں زیادہ دیر چھپی نہ رہ سکیں۔ صابر کو امیر زادہ اور نندا کی دوستی کا علم ہو گیا۔ گو امیر زادہ ماضی میں کاسکر برادران کا دیرینہ دشمن رہ چکا تھا، لیکن صابر نے سوچا کہ وہ سب ماضی تھا اور اب مقدس امن معاہدے کی موجودگی میں ان کے درمیان کوئی جھگڑا باقی نہیں رہا۔ درحقیقت صابر نے امیر زادہ کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔

امیر زادہ نندا کے ذریعے صابر کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنے لگا۔ ایک رات امیر زادہ نے نندا کو فون کر کے کہا کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ نندا نے دیکھا کہ اس کی دوست چترا پریشان بیٹھی ہے۔ اس لئے نندا نے امیر زادہ سے کہا کہ اگر اسے برا نہ لگے تو اپنی سہیلی کو بھی ساتھ لے آئے، کیوں کہ وہ اکیلی اور بہت اداس ہے۔ چترا نے نندا کی باتیں سن لیں اور فوراً ہی نندا سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ نہ جا سکے گی، کیونکہ صابر اسے لینے آ رہا ہے۔ نندا نے بلا سوچے سمجھے یہ بات امیر زادہ کو بتا دی۔ یہ سنتے ہی امیر زادہ نے نندا سے کہا کہ اگلے دن تک وہ اس سے نہیں مل پائے گا اور زور سے فون رکھ دیا۔ نندا حیران و پریشان کھڑی فون پر ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی، لیکن دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہو پا رہا تھا۔

کانگریس ہاؤس میں اوقات کی پابندی سختی سے کی جاتی تھی اور گاہکوں کو 12:30 کے بعد وہاں رہنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے جب صابر رات گئے دیر سے آتا تو چترا کو لمبی ڈرائیو پر لے جاتا۔ 12 فروری 1981ء کی اس شب تقریباً ایک بجے رات دونوں گاڑی میں سوار ہوئے۔

اس رات صابر، اپنی بیوی کے معمول کے میڈیکل چیک اپ کروانے کے بعد وہاں آیا تھا۔ چترا نے صابر کو فون کر کے بلایا تھا کہ اسے صابر کی بہت یاد آ رہی تھی۔ فون سنتے ہی صابر نکل پڑا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اب صبح ملاقات ہوگی۔ شہناز اپنے شوہر صابر کے اس معمول کی عادی ہو چکی تھی۔ صابر راتوں کو عموماً گھر سے غائب رہنے لگا۔ اس طرح روز روز راتیں باہر گزارنے پر گھر میں جھگڑے بھی ہونے لگے، لیکن صابر غصے میں نکل جاتا تھا۔

جیسے ہی صابر کی گاڑی کماٹھی پورہ سے نکلی اور حاجی علی کے مقبرے پر پہنچی، صابر نے عادتاً گاڑی کے شیشے میں دیکھا تو اسے اپنی گاڑی کے پیچھے پھولوں سے سجی ایک کار نظر آئی۔ صابر نے سوچا کہ شاید کوئی دولہا اور دولہن اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ اسی اثنا میں صابر نے فیول گیج دیکھا تو گاڑی میں پیٹرول تقریباً ختم ہو رہا تھا۔ صابر نے ادھر ادھر دیکھا، لیکن کوئی پیٹرول پمپ کھلا نظر نہیں آیا۔ اتنے میں اسے یاد آیا کہ پربھادیوی میں ایک پیٹرول پمپ موجود ہے۔ اس لئے وہ اسی جانب چل دیا۔ صابر کو اندازہ تھا کہ اس کی گاڑی اس پیٹرول پمپ تک تو چلی ہی جائے گی۔

اچانک صابر کی نظر پیچھے پڑی تو اس نے دیکھا کہ پھولوں سے سجی گاڑی ابھی تک اس کے تعاقب میں تھی۔ صابر بل کھاتی چھوٹی موٹی گلیوں سے ہوتا ہوا پیٹرول پمپ کی جانب بڑھ رہا تھا، لیکن سجی ہوئی گاڑی مسلسل اس کے تعاقب میں تھی۔

دراصل اس گاڑی میں کوئی دولہا دولہن موجود نہ تھے، بلکہ اس میں تو پٹھان گروپ کے لڑکے تھے، جو کہ صابر کی موت کا سامان لئے اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ گاڑی کے اندر معمور خان، امیر زادہ، عالم زیب اور منوہر عرف مانیا اپنے ہتھیاروں سے لیس بیٹھے ہوئے تھے۔

صابر نے پربھادیوی میں جب پیٹرول پمپ کھلا دیکھا تو اپنی گاڑی اندر لے گیا۔ صابر جیسے ہی رکا، دوسری گاڑی اس کے بالکل پیچھے آ کر رک گئی۔ یہ دیکھ کر صابر نے چترا سے گاڑی سے اترنے کو کہا اور گاڑی میں رکھی اپنی پستول ٹٹولنے لگا۔ لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ پچھلی گاڑی میں بیٹھے پانچوں مسلح افراد گاڑی سے نیچے اترے اور انہوں نے چترا کو گاڑی سے نیچے اتار لیا۔ خوف کے مارے چترا کا جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ صابر کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس کا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ اسی اثنا میں اس کے دشمنوں نے اپنی بندوقوں سے بارود اگلنا شروع کر دیا۔ گولیوں کا چلنا تھا کہ چترا زور زور سے رونے اور چلانے لگی۔ گولیوں اور چیخوں کی آوازوں نے رات کے سناٹے کو مزید ہیبت ناک منظر میں تبدیل کر دیا تھا۔ صابر ہلاک ہو چکا تھا۔ اس کا جسم اور گاڑی گولیوں سے چھلنی تھے۔ بعد میں رپورٹ سے پتہ چلا کہ 9 گولیاں اس کے جسم سے نکالی گئیں۔ اس کے جسم سے اتنا خون نکلا تھا کہ اس کے جوتے خون سے بھیگ کر نرم پڑ چکے تھے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

منگل 13 نومبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدر آباد

قسط نمبر 22

ترجمہ: عبدالقادر

صابر کی ہلاکت سے بمبئی مافیا میں قتل و غارت کا نیا باب کھل گیا

بھائی کی موت کے بعد داؤد ابراہیم بدلے کی آگ میں جل رہا تھا۔ یہی شدت اسے بمبئی سے اٹھا کر عالمی انڈر ورلڈ کے تخت پر لے گئی۔ صابر کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے جس بندے کا انتخاب کیا گیا وہ راجن نائر تھا۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

صابر کا قتل بمبئی پولیس کے ریکارڈ کی تاریخ میں بھارت میں ہونے والے خطرناک ترین قتل کے طور پر درج کیا گیا۔ اسے گھیر کر کچھ اس انداز سے مارا گیا تھا کہ اسے اپنے دفاع کا ذرہ برابر بھی موقع نہ ملا تھا۔ قاتلوں نے صابر کو مارنے کے بعد اپنی گاڑی فوراً ہی وہاں سے بھگائی۔ یہ لوگ 15 منٹوں کے اندر اندر جے جے اسکوائر پہنچنے کے بعد بھنڈی بازار اسٹریٹ میں داخل ہو گئے۔ رات مکمل طور پر تاریک تھی اور جب گاڑی مسافر خانہ کے ایک فولادی دروازے کے سامنے آ کر رکی تو داؤد ابراہیم کی سلطنت کے تمام محافظ گہری نیند سو رہے تھے۔ پانچوں مسلح افراد گاڑی سے باہر نکلے اور داؤد ابراہیم کے خاص آدمی کو قتل کرنے کی نیت سے آگے بڑھے وہ کہنے لگے۔ ''آج اس کا قصہ بھی تمام کر دیتے ہیں۔'' صابر کو قتل کرنے کے بعد وہ کچھ دلیر اور بے پرواہ سے ہو گئے تھے۔ انہوں نے فولادی دروازے پر بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ گولیوں کی آواز نے رات کے سناٹے میں ہلچل مچا کر رکھ دی۔ جلد ہی حملہ آوروں کو اندازہ ہوا کہ انہوں نے اپنی بندوقوں میں گولیاں ختم کر ڈالی ہیں اور جلدی جلدی اپنی بندوقوں میں گولیاں بھرنے لگے۔ لیکن اسی اثنا مسافر خانہ کے اندر سے کسی نے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر ڈالی۔ گولیاں آتے دیکھ کر قاتل چھپنے کے لیے اوٹ تلاش کرنے لگے۔ اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ انہیں اندازہ نہ تھا کہ رات کے اس وقت انہیں اس قدر بھرپور جوابی حملے کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اندر سے فائرنگ کرنے والا شخص خالد پہلوان تھا۔ خالد پہلوان پہلی منزل پر ستون کے پیچھے پوزیشن سنبھالے کھڑا تھا۔ خالد، صابر کے جانے کے بعد سے ہی جاگ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے ایک گاڑی کو دروازے کی جانب آتے دیکھا اس نے اپنی بندوق سنبھال لی تھی۔

حملہ آور اس اچانک حملے سے کچھ خوف زدہ سے ہو گئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے پہلے ہی بہت بڑا کام کر دیا تھا اس لیے عافیت اسی میں تھی کہ واپس گھر لوٹا جائے۔ یہ حملہ تو وہ صرف بونس کے طور پر کرنے آئے تھے۔ اس وقت تک داؤد ابراہیم اس کے ساتھی اپنی پوزیشن سنبھال چکے تھے اور حملہ کرنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ جیسے ہی انہوں نے گاڑی کو پیچھے ہٹتے دیکھا فائر کھول دیا۔ ان کی گولیاں گاڑی پر لگیں اور گاڑی کا سامنے والا شیشہ ٹوٹ گیا۔ البتہ حملہ آور جیسے تیسے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس فائرنگ سے مسافر خانہ کے تمام لوگ جاگ اٹھے تھے جبکہ داؤد گینگ کے تمام افراد گیٹ کے پاس جمع ہو گئے۔ داؤد ابراہیم نے محسوس کیا کہ ایک اہم شخص یعنی صابر غائب تھا۔ داؤد ابراہیم پہلے تو یہ سمجھا کہ شاید اسے گولی لگ گئی ہے لیکن خالد نے اسے بتایا کہ وہ اپنی گاڑی میں چترا کو گھمانے لے گیا تھا۔ ایک انجانا سا خوف داؤد ابراہیم کو لاحق ہوا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ صابر اس وقت کہاں ہو سکتا ہے؟ صابر تو اپنی گاڑی کے اندر خون میں لت پت بے جان پڑا تھا۔

اب داؤد۔ صابر گینگ صرف داؤد ابراہیم گینگ رہ گیا تھا۔ صابر کی موت سے دو بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ایک تبدیلی داؤد ابراہیم میں اور دوسری بمبئی مافیا میں۔ بمبئی مافیا میں قتل و غارت گری کا ایک نیا باب کھل گیا۔ دن دہاڑے قتل، گینگ میں نئی بھرتیاں، مزید پیسہ اور منشیات اور بدلے کی آشا بس یہی سب کچھ نظر آنے لگا تھا۔ اب داؤد ابراہیم بدلے کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس کی کارروائیوں میں کئی گنا شدت پیدا ہو چکی تھی اور یہی شدت اسے بمبئی مافیا کے تخت سے اٹھا کر ورلڈ کی سطح پر انڈر ورلڈ کے تخت پر لے گئی۔

جب صابر کی لاش مسافر خانہ پہنچی تو مسافر خانہ کی گلیاں صابر کی ماں اور چار بہنوں کی چیخ و پکار سے گونج اٹھیں۔ جبکہ داؤد ابراہیم اپنے چہیتے بھائی کی گولیوں سے چھلنی لاش دیکھ کر غم اور صدمے سے نڈھال چپ سادھے کھڑا تھا۔ صابر کے جنازے پر بہت سے لوگ آئے۔ پورے ماحول پر رقت طاری تھی۔

داؤد تو جیسے ٹوٹ کر چور چور ہو چکا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا بھائی نہیں بلکہ اس کا اپنا آدھا جسم مردہ ہو گیا ہے۔ اسے کوئی اشارہ نہ مل پا رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہو گیا۔ وہ ساری رات روتا رہا اسے اس بات کا یقین ہی نہیں آ پا رہا تھا کہ اس کا بھائی اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ لیکن اب اسے اپنے جذبات کو سنبھالنا تھا۔ اب پورے خاندان کی ذمے داریاں بھی اسی کے کاندھوں پر آ چکی تھیں۔ اس کے سارے بھائی اس کے کاندھوں پر سر رکھ کر رو رہے تھے۔

کریم لالہ، حاجی مستان اور حتیٰ کہ باشو دادا بھی صابر کی تدفین میں شرکت کے لیے آئے اور انہوں نے ابراہیم بھائی اور داؤد ابراہیم کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ غم سے نڈھال داؤد ابراہیم نے جنازے میں آنے والے لوگوں پر نظر دوڑائی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کا دوست اور دشمن کون ہے۔

بالآخر صابر کا جنازہ اس کی آخری آرام گاہ تک لے جایا گیا۔ جنازہ مسافر خانہ سے چندان وادی، میرین لائنز کے بڑے قبرستان میں لے جایا گیا۔ صابر کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس موقع پر پولیس نے بھاری نفری تعینات کر رکھی تھی تا کہ کسی بھی قسم کے ناخوشگوار واقعے سے نمٹا جا سکے۔ خوف کے مارے اس دن تمام بازار بند کر دیئے گئے تھے۔ اس دن جے جے مارگ، ڈونگری، مسافر خانہ، قبلی محلے، بھینڈی بازار، بوہری محلے اور مندوی مارکیٹ میں کاروباری سرگرمیاں مکمل طور پر معطل تھیں۔ قتل کیا جانے والا شخص ایک جانب تو ایک گینگ کا لیڈر اور دوسری جانب داؤد ابراہیم کا بھائی تھا۔ یہ شہر میں ہونے والا اپنی نوعیت کا منفرد اور انتہائی اہم واقعہ تھا۔ شہر کے تمام ڈان سے لے کر پولیس والوں تک سبھی حیران و پریشان تھے کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ صابر کی تدفین کے بعد داؤد گھر واپس پہنچا اور اس سوچ میں پڑ گیا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ اس نے اندازہ تو لگا ہی لیا تھا کہ اس قتل کے پیچھے کون ہو سکتا ہے؟ وہ بھائیوں اور ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا۔ انیس، جندالحق، رنجیت، خالد پہلوان اور دیگر لوگ بھی موجود تھے۔ ان سب کے ذہنوں میں ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا اور وہ تھا انتقام۔ ان میں سے کوئی بھی قانونی کارروائی کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا بلکہ ان کے ذہن میں صرف اور صرف قاتل کی موت تھی۔ اس طرح نہ صرف قتل کا بدلہ لے لیا جاتا بلکہ دنیا کو یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ پھر کوئی ایسی حرکت کرنے کا سوچ بھی نہ۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ساتھ داؤد، بھائی کی جدائی کے غم اور انتقام کی آگ میں دیوانہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

جبکہ دوسری جانب ابراہیم بھائی، کریم لالہ اور دیگر بڑے بوڑھوں کا خیال تھا کہ داؤد ابراہیم کو بدلہ لینے کا ارادہ ترک کر دینا چاہئے۔ ابراہیم بھائی جوان بیٹے کی موت سے بکھر چکا تھا۔ اس نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ اے آر انتولے سے ملاقات بھی کی اور ان سے درخواست کی کہ قاتلوں کو جلد از جلد گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ کاسکار خاندان کو وزیر اعلیٰ کے مسلمان اور کونکان کے علاقے سے تعلق رکھنے کی بنا پر بڑی امید تھی کہ ان کی شنوائی ضرور ہو گی لیکن اس سلسلے میں کچھ بھی نہ ہو سکا۔

داؤد کو اس بات کا علم تو تھا کہ اس قتل کے پیچھے امیر زادہ اور عالم زیب کا ہاتھ تھا لیکن اسے معلوم نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ لوگ کہاں جا چھپے تھے۔ پولیس والے بھی ان کی تلاش میں شہر کا چپا چپا چھان رہے تھے لیکن داؤد ابراہیم چاہتا تھا کہ پولیس والوں سے پہلے ہی یہ لوگ اسے مل جائیں اور وہ ان کا قصہ تمام کر ڈالے۔

کئی ماہ تعاقب کرنے کے بعد بالآخر پولیس امیر زادہ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن داؤد کی اس بات سے تسلی نہیں ہو پا رہی تھی۔ داؤد ابراہیم جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ داؤد ابراہیم کا خیال تھا کہ عدالتوں سے کبھی بھی انصاف نہیں مل سکتا۔ داؤد ابراہیم کو اندازہ تھا کہ اس واقعہ کی واحد گواہ چترا کو لالچ دیا جائے گا اور ڈرایا دھمکایا جائے گا۔ اور پھر شہادتوں کی عدم موجودگی میں امیر زادہ بری ہو جائے گا۔ اگر نچلی عدالتوں نے سزا دے بھی دی تو ہائی کورٹ اور پھر سپریم کورٹ تک پہنچتے پہنچتے وہ لوگ کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔ اسی طرح برسہا برس گزر جائیں گے اور داؤد ابراہیم، صابر کی موت کے بدلے کی تمنا لیے اندر ہی اندر گھٹتا رہے گا۔

بالآخر داؤد ابراہیم کو مشورہ دیا گیا کہ امیر زادہ کے قتل کا کام کسی تیسرے بندے کے سپرد کر دیا جائے۔ اس طرح ایک جانب تو وہ خود قتل کے الزام سے بچ جائے گا اور دوسری جانب اس کے بھائی کا قاتل بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا۔ یعنی سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ بہت سے نام داؤد ابراہیم کے سامنے رکھے گئے۔ ان میں چند نام غیر ملکی شوٹروں کے بھی تھے جن میں اطالوی شوٹر بھی شامل تھے لیکن داؤد اس بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ شہر کے شمال، مشرقی مضافاتی علاقے میں ایک بہادر نوجوان راجن نائر رہتا تھا۔ کسی نے داؤد ابراہیم کو راجن کا نام پیش کیا۔ یہ نوجوان جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی صابر کے قاتل کو ٹھکانے لگانے کی صلاحیت رکھتا تھا اور چونکہ یہ نوجوان شہر کے دور دراز مضافاتی علاقے میں رہتا تھا اس لیے کوئی داؤد ابراہیم سے اس کا تعلق بھی نہیں جوڑ سکتا تھا۔ انتہائی سوچ بچار کے بعد داؤد ابراہیم نے راجن سے ملنے کی حامی بھر لی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

صابر قتل کیس کے ماسٹرمائنڈ مانیا کے وحشی پن سے پولیس بھی لرزتی تھی

اپنی کارروائیوں کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے گریجویٹ گینگسٹر جیمز ہیڈلے چیز کے ناول پڑھتا تھا- ہروقت بیگ میں دستی بم لیے گھومتا- ایک روز پولیس مقابلے میں مارا گیا- یہ بات آج تک راز ہے کہ مانیا کی مخبری اس کی گرل فرینڈ نے کی یا داؤد ابراہیم نے یہ کام انجام دیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

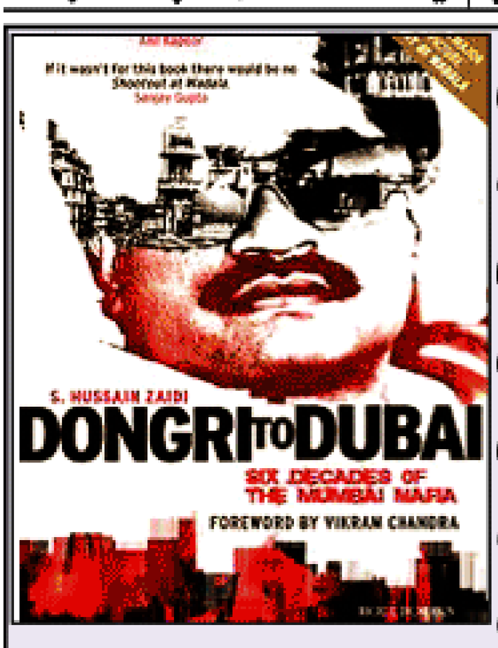

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کئے جارہے ہیں۔

ابھی داؤد ابراہیم اور راجن کی ملاقات ہونے میں کافی وقت تھا کہ اسی دوران ایک اور اہم واقعہ رونما ہوگیا۔ بمبئی پولیس خطرناک ترین گینگسٹر مانیا کو کئی ماہ سے تلاش کررہی تھی۔ مانیا نہ صرف صابر کاسکار کے قتل میں ملوث تھا، بلکہ اس قتل کا ماسٹر مائنڈ بھی یہی تھا۔

مانیا سوروے چلّا چلّا کر پولیس والوں کو گالیاں دے رہا تھا۔ پولیس انسپکٹر ٹمبٹ گھور گھور کر اس 37 سالہ نوجوان کو دیکھ رہا تھا، جس کی تلاش میں وہ اور اس کا اسکواڈ پچھلے دو ماہ سے خوار ہورہے تھے۔ مانیا نے اپنے منہ سے تھوک اور خون پھینکتے ہوئے کہا "غداری کیا میرے ساتھ"، وہ انسپکٹر ٹمبٹ اور اس کے سپاہیوں پر اپنا غصہ اتار رہا تھا جو کہ اسے گاڑی میں بڑی تیزی کے ساتھ میونسپل جنرل اسپتال کی جانب لے جارہے تھے۔ اپنے اس آخری وقت میں مانیا وہ تمام زہر اگل رہا تھا جو ساری زندگی پولیس والوں کے خلاف اس کے دل میں جمع ہوتا رہا۔ وہ جونہی کھانسنے لگتا، خون ابل کر اس کے منہ سے باہر آنے لگتا۔ پولیس کی گاڑی سڑکوں پر اپنی پوری رفتار سے رواں دواں اسپتال کی جانب اس مانیا کو بچانے کے لیے دوڑ رہی تھی، جسے کچھ ہی دیر پہلے پولیس والوں نے چھ گولیاں ماری تھیں۔ بمبئی مافیا کا یہ پہلا شخص تھا جسے پولیس مقابلے میں گولیاں ماری گئی تھیں۔ مانیا خون کی آخری ہچکی تک پولیس والوں کو گالیاں دیتا رہا۔ اسپتال پہنچتے ہی مانیا دم توڑ گیا۔

اس کا اصل نام منوہر سوروے اور عرف مانیا سوروے تھا۔ یہ بمبئی مافیا کا خطرناک ترین گینگسٹر تھا، جو دس سال تک پولیس کو چکر دیتا رہا اور بالآخر بمبئی پولیس کے پہلے پولیس مقابلے میں ہلاک ہوگیا۔

مانیا سوروے کو پولیس کے ساتھ ساتھ اپنے بڑے بھائی بھرگیو سوروے سے بھی شکوہ تھا۔ اس کے خیال میں ان دونوں نے اس پر بڑی زیادتیاں کی تھیں۔ بھرگیو شراب کا غیر قانونی دھندا کرتا تھا اور لوگ اسے بھرگیو دادا کہہ کر پکارتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے برائے نام دادا گیری سے برائے کام دادا گیری بھی شروع کردی تھی اور اب کاروباری افراد اور سرمایہ کاروں سے باقاعدہ بھتہ وصول کرنا بھی شروع کردیا تھا۔

1969ء میں بھرگیو کے خلاف ایک مقدمہ قائم کیا گیا کہ اس نے پربھادیوی کے ایک بزنس مین کو ہاکیوں اور ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کردیا تھا، کیونکہ وہ 50,000 روپے نہیں دے رہا تھا۔ اس جرم میں مانیا کا نام بھی لیا جارہا تھا۔ اس واقعے کے بعد کاروباری طبقے میں شدید اشتعال پھیل گیا اور تمام لوگوں نے تین دن کی ہڑتال کردی۔ ہڑتال کی وجہ سے ہروقت گہما گہمی میں گھرا رہنے والا علاقہ قبرستان کا سا منظر پیش کرنے لگا تھا۔ معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے پولیس والوں نے فوری ایکشن لیا۔ مانیا کو گرفتار کرنے کے بعد اس پر فرد جرم عائد کردی گئی اور اسے یراودا جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس گرفتاری اور سزا کے خلاف مانیا نے جیل میں بھوک ہڑتال کردی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ بے گناہ تھا اور اس نے کچھ نہیں کیا تھا، پھر اسے کیوں یہ سزا دی جارہی تھی۔ بعدازاں اسے سامون اسپتال میں داخل کردیا گیا، جہاں اس کی طبیعت کافی خراب ہوگئی۔

24 نومبر 1979ء کے دن مانیا کے قریبی دوست بجیرو (بچیا) پٹیل اور شیخ منیر اس سے ملنے اسپتال آئے۔ انہوں نے مانیا پر پہرہ دینے والے پولیس سپاہیوں کی آنکھوں میں مرچیں پھینک دیں۔ اسی اثنا میں مانیا پولیس حراست سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

مانیا نے کرتی کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کر رکھی تھی اور اپنے گینگ میں وہ منفرد عادات واطوار کا مالک تھا۔ وہ جیمز ہیڈلے چیز کا بہت بڑا مداح تھا۔ اس کا ہیڈلے کا مداح ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کسی بھی قتل یا ڈکیتی پر جانے سے پہلے وہ گھنٹوں اس کی تیاری پر صرف کیا کرتا تھا اور ہر قدم اٹھانے کے لیے کتابوں سے مدد لیا کرتا تھا۔

پولیس کی حراست سے فرار ہونے کے بعد اب وقت تھا کہ وہ جرم کی دنیا میں اتنا نام پیدا کرتا کہ لوگ اس سے خوف کھاتے۔ مانیا تقریباً ایک درجن افراد پر مشتمل ایک گینگ بنانے کی سوچ رہا تھا جس میں شیخ اور بجیرو کو اس نے اپنا دایاں اور بایاں بازو بنانا تھا۔ اگلے دو برسوں میں اس نے اتنے سنگین جرائم کئے تھے کہ بمبئی شہر کے لوگ اس کے نام سے لرزنے لگے تھے۔ بینک ڈکیتیاں، اغوا برائے تاوان اور مخالفین کو قتل کرنا اس کا معمول بن چکے تھے۔ کبھی کبھی تو اس کے اپنے دوست بھی اس کے غصے کا نشانہ بن جاتے۔

اشوک مستکار اور پاپی پٹیل ایسے ہی دو افراد تھے۔ مانیا نے ان سے پیسے مانگے تھے اور انکار کے بھیانک نتائج انہیں بھگتنا پڑے۔

ایک شام مانیا ٹہلتا ہوا ماہیم کے جمنازیم میں آگیا۔ ابھی جمنازیم میں لوگ آنا ہی شروع ہوئے تھے۔ جیسے ہی مانیا اندر داخل ہوا، ہر آنکھ اس کے تعاقب میں تھی۔ اس وقت اس کی عمر 30 برس تھی۔ اس نے باڈی بلڈنگ سے اپنا جسم خوب صورت بنا رکھا تھا۔ ڈھیلی ڈھالی پینٹ اور ٹی شرٹ جس میں سے اس کے جسم کے توانا پٹھے جھلک رہے تھے۔ وہ بڑے اسٹائل سے جمنازیم میں ٹہل رہا تھا۔ ان دنوں ایسے جسم کے مالک گنے چنے افراد ہی ہوا کرتے تھے۔ مانیا ایک جگہ جاکر رک گیا اور اس کے بعد ادھر ادھر گھورنے لگا۔ ہر شخص امید کررہا تھا کہ وہ ابھی مشین پر جائے گا اور بجلی کی تیزی سے وزن کو اوپر نیچے کرنا شروع کردے گا۔ سب لوگ اس خوب صورت جسم کو حرکت میں دیکھنے کے خواہشمند تھے۔

آگے جو کچھ ہونے جارہا تھا وہاں موجود کوئی بھی شخص ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہ تھا۔ مانیا کی نظریں پٹیل کی تلاش میں تھیں جس نے مانیا کو وہاں آتے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ مانیا، پٹیل کے پاس گیا اور چند لمحے اسے گھور کر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بڑے ہی آرام کے ساتھ اپنی جیب سے ریوالور نکالا اور آنکھیں جھپکائے بغیر پٹیل کی ٹانگوں میں گولیاں داغ دیں۔ گولیوں نے پٹیل کے گھٹنے چیر کر رکھ دیئے۔ پھر اس کے بعد وہ جمنازیم میں موجود لوگوں کو دیکھنے لگا اور بڑے اطمینان کے ساتھ اس انداز سے ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا جیسا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ لوگ ورطۂ حیرت میں جیسے کہ بت بن گئے ہوں۔ مانیا کے جانے کے ایک منٹ بعد تک بھی لوگوں کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہوگیا۔ پھر یکدم لوگ زمین پر پڑے زخمی پٹیل کی مدد کے لیے دوڑے۔

مانیا نے مستکار کا بھی کچھ ایسا ہی حشر کیا تھا۔ شیخ اور بجیرو کے ساتھ اس کے گھر میں گھس کر مانیا نے مستکار کو بری طرح زدوکوب کیا۔ اس کی بیٹی کے سامنے اس کے باپ پر ظلم وتشدد کیا جاتا رہا اور جانے سے پہلے مانیا نے مستکار کے چہرے پر تیزاب پھینک کر اس کا چہرہ بگاڑ دیا۔

بعدازاں مستکار نے مانیا کے خلاف گواہی بھی دی اور مانیا کی ہٹ لسٹ پر آگیا۔ البتہ مستکار تک پہنچنے سے پہلے ہی مانیا پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ دونوں تو مانیا کے گہرے دوست تھے جن کا اس نے یہ حال کیا تھا۔ پٹیل اور مانیا میں تو اتنی دوستی تھی کہ مانیا نے کئی مرتبہ پٹیل کے گھر پر کھانا بھی کھایا تھا۔ البتہ مانیا کسی بھی شخص سے انکار سننے کا عادی نہ تھا۔ کوئی بھی شخص مانیا کے سامنے انکار کرکے اس کا دشمن بن جاتا تھا۔

مانیا بالخصوص ان لوگوں سے انتہائی وحشیانہ انداز میں نمٹتا تھا جو اس کی مخالفت میں اس کے سامنے آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مانیا اور شیخ دینا، بینک کی پربھادیوی برانچ کے باہر ایک کاروباری شخص کا انتظار کررہے تھے۔ جیسے ہی وہ شخص باہر نکلا یہ دونوں اس کے پیچھے چل دیئے۔ اس کے پاس ایک بیگ تھا جس میں دو لاکھ روپے تھے۔ یہ اس دور میں اچھی خاصی رقم تھی۔ انہوں نے اپنی پستولیں اس پر تان لیں اور بیگ دینے کو کہا۔ ان کی بات ماننے کے بجائے اس شخص نے بیگ کو واپس بینک کے اندر پھینک دیا۔ غصے کے عالم میں مانیا اور اس کے ساتھی شیخ نے اس شخص پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی۔ اس کے بعد مانیا اور اس کے ساتھیوں نے بینک کے سات لاکھ روپے لے جانے والی ایک گاڑی کو لوٹ کر بہت بڑی کارروائی کی۔

PdfStuff.blogspot.com

مانیا کی ہٹ لسٹ پر انسپکٹر اشوک دھولکر بھی شامل تھا، جس نے 1969ء میں اسے گرفتار کیا تھا۔ پولیس کی حراست سے فرار ہونے کے بعد مانیا وورلی پولیس لائن میں انسپکٹر دھولکر کے گھر گیا اور اس کے گھر والوں کو بتایا کہ وہ انسپکٹر کو مار ڈالے گا۔ اس نے انسپکٹر کو کئی مرتبہ ٹیلی فون پر دھمکیاں بھی دیں۔ مانیا کی دھمکیاں اتنی کارگر تھیں کہ اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد انسپکٹر نے اپنے سفید ہوتے ہوئے بالوں کو رنگ کرکے کالا کردیا تھا اور چہرے پر داڑھی رکھ لی تھی تاکہ پہچانا نہ جاسکے۔ یہی مانیا، صابر کاسکار قتل کا ماسٹر مائنڈ بھی تھا۔ چونکہ اپنے وحشی پن اور جرم کی منصوبہ بندی کرنے میں مانیا یکتا تھا اس لیے پٹھان گروپ نے صابر کے قتل کی ساری ذمہ داری اسی کو سونپ رکھی تھی۔ انہیں اندازہ تھا کہ مانیا کو کسی پر شک ہوجائے تو بخشتا نہیں ہے، اس لیے یہ لوگ بڑے ہی محتاط انداز میں اس کے پاس گئے تھے۔ لیکن پٹھان گروپ نے صابر کے قتل کے بدلے جتنی بڑی رقم کی پیشکش مانیا کو کی تھی مانیا اسے ٹھکرانے سے قاصر تھا۔ انہوں نے مانیا کو یہ بھی کہا کہ داؤد اور صابر سے ٹکر لینے کے بعد جرم کی دنیا میں اس کے خوف کو چار چاند لگ جائیں گے اور اس کے بے تحاشہ مالی فوائد مانیا کو ہمیشہ حاصل ہوتے رہیں گے۔ شہر میں موجود کوئی بھی ڈان داؤد، صابر گینگ سے ٹکر لینے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ پٹھان گروپ کے لڑکے مانیا کے پاس یہی امید لے کر آئے تھے کہ وہ یہ کام کرپائے گا۔

مانیا اس نتیجے پر پہنچا کہ داؤد، صابر گروپ کی طاقت کو اسی صورت میں ختم کیا جاسکتا ہے کہ دونوں کو الگ الگ کردیا جائے۔ ایک مرتبہ پھر وہ ہیڈلے چیز کے ناولوں میں کھو گیا اور اسے ایک اچھوتا خیال آیا۔ بالآخر خاطر خواہ منصوبہ بندی کے بعد اب یہ لوگ کاسکار برادران پر یلغار کے لیے تیار تھے۔

قتل والی رات جب صابر، چترا کو لیے اپنی گاڑی میں گھوم رہا تھا تو اسے اندازہ بھی نہ تھا کہ پھولوں سے سجی گاڑی خطرناک عزائم لیے اس کے تعاقب میں تھی۔ صابر چترا کی باتوں میں کھویا ہوا تھا، اس لیے اس کا دھیان ذرہ برابر بھی اس جانب نہ گیا۔

امیرزادہ، عالم زیب، مانیا اور ان کے دیگر ساتھی مشین گنوں اور پستولوں سے لیس صابر کا تعاقب کرتے رہے لیکن صابر کو شبہ نہ ہوا۔ امیرزادہ، مانیا کی ہدایات پر عمل کرتا رہا اور پیٹرول پمپ کو کارروائی کے لیے مناسب جگہ سمجھتے ہوئے اپنی گاڑی سے اتر گئے۔ انہوں نے صابر پر گولیاں برسائیں اور پھر اس کی لاش وہیں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔

داؤد ابراہیم کے لیے مشہور تھا کہ وہ اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ داؤد ابراہیم نے اپنے بھائی کے قتل میں ملوث ہر شخص کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ٹھان لی۔ داؤد ابراہیم کی مانیا سے کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی اس لیے اسے سمجھ نہ آیا کہ پٹھان گروپ اور داؤد ابراہیم کے درمیان چلنے والی دشمنی میں وہ کیونکر کود پڑا۔ لیکن داؤد ابراہیم نے قسم کھائی "مانیا کو اپنے کئے کا حساب دینا ہوگا"۔

اسی دوران پولیس والے خود بھی مانیا کی بڑھتی ہوئی پرتشدد کارروائیوں سے عاجز آچکے تھے۔ پولیس کمشنر جولیو ایبرو نے 1981ء میں جرم کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں کے پیش نظر ایک اسپیشل پولیس اسکواڈ تشکیل دیا جس کا کام مانیا کو تلاش کرنا تھا۔ اس اسکواڈ میں سینئر پولیس انسپکٹر اسحاق بیمسن، انسپکٹر یشونت اور سب انسپکٹر راجہ ٹمبٹ، سنجے پراندے اور ایشاق باگوان شامل تھے۔ ان افسران نے ہر اس جگہ کا دورہ کیا جہاں مانیا جرم کیا کرتا تھا اور لوگوں سے معلومات اکٹھی کیں۔ انہیں لوگوں میں مستکار اور پٹیل بھی شامل تھے۔ پولیس انسپکٹر مانیا کے جیل کے ساتھیوں کے پاس بھی گئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ جیسے ہی مانیا کے بارے میں کچھ پتہ چلے گا وہ پولیس کو ضرور اطلاع دیں گے۔ پولیس اسکواڈ نے چند وکیلوں کی خدمات بھی حاصل کیں، جنہوں نے ان مخبروں کو جیل سے ضمانت پر رہا کرایا۔

پولیس والوں کے مسلسل تعاقب کی وجہ سے مانیا بھی ہر دم اپنے دفاع کے لیے تیار رہتا تھا۔ دومبے والی کے رہائشیوں کو آج بھی یاد ہے کہ وہ اپنے بیگ میں دستی بم لیے یوں گھومتا تھا جیسے لوگ چوزے لے کر گھومتے ہیں۔ کسی کی ہمت نہ تھی کہ اس کے سامنے سے گزر جاتا۔ وہ جہاں بھی جاتا خود کو پستول، چاقو، بموں اور اس وقت کے منفرد ہتھیار تیزاب سے مسلح کرکے جاتا۔ وہ اپنی گرفتاری کے سلسلے میں کسی پر بھی اعتبار نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے رات دن کے ساتھیوں شیخ اور بجیرو کو بھی اپنی حرکات وسکنات سے لاعلم رکھتا۔

بالآخر ایک عورت کی محبت ہی اس کی کمزوری ثابت ہوئی۔ جب پولیس کو 11 جنوری 1982ء کو علم ہوا کہ امبیڈکر کالج، وڈالہ کے باہر سے مانیا اپنی گرل فرینڈ کو لے کر نوی ممبئی جانے والا ہے تو آناً فاناً پولیس کی گاڑی وہاں پہنچ گئی۔

پولیس والے یکدم حرکت میں آگئے اور ایک پارٹی کو سیکٹر 17 نوی ممبئی بھی بھیج دیا گیا۔ یہ لوگ یہاں مانیا کے منتظر تھے کہ اگر وہ امبیڈکر کالج سے بچ نکلا تو یہاں دھرلیں گے۔ سب انسپکٹر ٹمبٹ، باگوان اور پراندے جو کہ نوجوان تھے جینز کی پینٹوں اور ٹی شرٹ میں ملبوس کالج کے باہر طلبا کی طرح چکر لگانے لگے۔ جبکہ دونوں سینئر انسپکٹر پروفیسر صاحبان کے لباس میں ملبوس تمام معاملے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ ان سب کے پاس پستولیں تھیں جو کہ انہوں نے مخصوص کتابوں میں چھپا رکھی تھیں جنہیں اندر سے خالی کردیا گیا تھا۔ جب مانیا کی گرل فرینڈ کالج سے باہر آکر بس اسٹاپ پر اس کا انتظار کرنے لگی تو سب لوگ انتہائی چوکنے ہوگئے۔ پولیس کے مخبروں نے اشارے سے بتادیا تھا کہ یہی لڑکی مانیا کی گرل فرینڈ ہے۔ تمام انسپکٹروں نے اسی لڑکی کے اردگرد پوزیشن سنبھال لی۔ تقریباً 10:45 کے قریب مانیا ٹیکسی میں وہاں پہنچا۔ ٹیکسی بس اسٹاپ سے ہوتی ہوئی کچھ دور جاکر رکی۔ اپنے لیے بچھائے گئے جال سے بے خبر مانیا ٹیکسی سے اترا اور اپنی گرل فرینڈ کی جانب چل دیا۔ مانیا، ٹمبٹ اور کالج کے طلبا کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ سب سے پہلے سب انسپکٹر یشونت نے مانیا کو پہچانا اور دیگر افسران کو متنبہ کردیا۔ ان سب نے اپنا اسلحہ تان کر مانیا سے کہا "مانیا وہیں رک جاؤ ہم پولیس والے ہیں"۔

غراتے ہوئے مانیا نے اپنی ٹی شرٹ کے نیچے سے ماؤزر پستول نکالا اور سب انسپکٹر ٹمبٹ اور باگوان پر تان لیا جو کہ بالکل اس کے سامنے ہی کھڑے تھے۔ جیسے ہی مانیا نے فائر کیا، دونوں قریب ہی کھڑی گاڑی کی اوٹ میں چھپ گئے۔ اسی اثنا میں ٹمبٹ اور باگوان نے مانیا پر تین تین گولیاں چلائیں۔

چھ گولیاں بھی اس توانا جسم کے مالک کو زمین پر نہ گرا سکیں۔ اس کے مضبوط پٹھے اور پولیس کے خلاف اس کے دل میں بھری نفرت نے اب تک اسے وہاں کھڑے رکھا ہوا تھا۔ مانیا نے اپنے موزے سے تیزاب کی بوتل نکالی، لیکن اس وقت تک اس پر قابو پاکر اسے غیر مسلح کیا جاچکا تھا۔

پولیس نے پہلے ہی کالج کے باہر اضافی گاڑیاں کھڑی کر رکھی تھیں۔ خون میں لت پت مانیا کو ایک پرائیویٹ کار میں ڈالا گیا۔ کار نے تیزی سے اسپتال کا رخ کیا۔ سب انسپکٹر باگوان اور ٹمبٹ کو بعدازاں بہادری کے صدارتی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ بہرحال اسپتال پہنچتے ہی مانیا پولیس والوں کو گالیاں دیتے دیتے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ مانیا کا پولیس والوں سے صرف دو مرتبہ ہی سامنا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ پہلی بار گرفتار ہوا اور دوسری مرتبہ اپنی زندگی کے پہلے اور آخری پولیس مقابلے میں۔ مانیا اسپیشل اسکواڈ کو بھی تین چار مرتبہ دھوکا دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

بعد میں ٹمبٹ اور باگوان نے ایک مقابلے میں مانیا کے قریبی ساتھی شیخ کو بھی مار ڈالا اور بجیرو گرفتار کرلیا گیا۔ بجیرو اب بھی زندہ ہے اور شونگا میں تائب زندگی بسر کررہا ہے۔ اس ساری کہانی میں ایک بات آج تک راز ہی رہی کہ اپنی حرکات وسکنات انتہائی خفیہ رکھنے والے مانیا کے خلاف پولیس کو اتنی صحیح صحیح مخبری کس نے کی۔ چند لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی گرل فرینڈ نے ایسا کیا ہوگا۔ اس وقت کے اخبارات نے یہ خبر بھی شائع کی تھی کہ اس روز مانیا جس لڑکی کو کالج کے باہر لینے آیا تھا وہ بازاری لڑکی تھی جس کی خدمات پولیس نے معاوضے پر حاصل کی تھیں اور مانیا پولیس کے اس جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس لڑکی کو پولیس نے ڈرایا دھمکایا تھا کہ اسے مانیا کو اپنے جال میں پھنسانا ہوگا۔ اس لڑکی کا نام ہمیشہ صیغۂ راز میں ہی رکھا گیا۔ لیکن چند لوگ جن میں پولیس والے بھی شامل ہیں اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ دراصل داؤد ابراہیم نے مانیا پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی اور پولیس کو اس کی مخبری بھی داؤد ابراہیم نے ہی کی تھی۔ کیونکہ داؤد ابراہیم پہلے بھی پولیس والوں کے ساتھ کام کرتا رہا تھا اور دونوں ایک دوسرے پر اعتبار کرسکتے تھے۔

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

قسط نمبر 24

ترجمہ: عبدالقادر

پٹھان گروپ نے بالی ووڈ کے سب سے بڑے فلمساز کو اغوا کرلیا

مشیر عالم، دلیپ کمار کے ساتھ فلمیں بنانے میں مشہور تھا-فلم "شکتی" نے اس کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے تھے-امیر زادہ اور عالم زیب نے تاوان کی مد میں 25 لاکھ روپے وصول کئے-کرائم برانچ کا انسپکٹر زینڈے احمد آباد سے امیر زادہ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگیا-بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

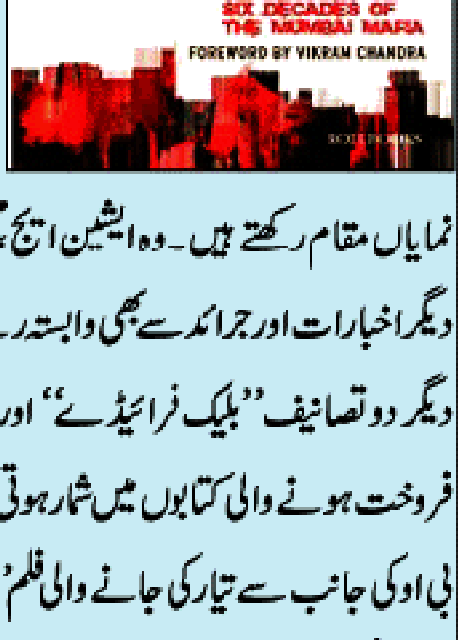

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین اییج ممبئی ٹیرر، مڈ ڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

ایک طرف داؤد ابراہیم، راجن کے ذریعے امیر زادہ اور عالم زیب کو ٹھکانے لگانے کے منصوبے بنا رہا تھا، دوسری جانب اپنے انجام سے لاعلم امیر زادہ اور عالم زیب اپنی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ دونوں نے ایک لمبا ہاتھ مارنے کی ٹھان رکھی تھی۔

سفید رنگ کی گاڑی نے بڑی رفتار سے آتے ہوئے اچانک بریک لگا دی، کیونکہ ایک اور سفید کار نے سامنے آکر اس کا راستہ روک لیا تھا۔ مشیر عالم کو ابھی صحیح طور پر سمجھ بھی نہ آیا تھا کہ ہوا کیا ہے کہ راستہ روکنے والی گاڑی سے تین افراد اترے اور مشیر عالم کو اس کی گاڑی سے باہر گھسیٹ لائے۔ مشیر عالم کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ورلی چوک جیسے معروف ترین علاقے سے تلواروں اور بندوقوں سے مسلح افراد اس انداز سے اسے اغوا کر کے لے جا رہے ہیں اور وہ بے بس ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اغوا کار امیر زادہ، عالم زیب، عبداللطیف اور شہزاد خان تھے، جنہوں نے اپنے وقت کا خطرناک ترین گروہ تشکیل دے رکھا تھا۔

اس سے قبل کہ مشیر عالم صدائے احتجاج بلند کرتا یا مزاحمت کرنے کی کوشش کرتا، یہ لوگ اسے اپنی گاڑی میں ڈال چکے تھے۔ ان لوگوں نے مشیر عالم کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور تیزی سے وہاں سے نکل پڑے۔ چند لمحوں کے اندر اندر بمبئی کی تاریخ کا سب سے بڑا اغوا کیا جا چکا تھا۔ بمبئی کا مغل اغوا ہوا تھا اور اس کا اغوا بھی اس کے دفتر سے چند گز کے فاصلے سے ہوا تھا۔ مشیر عالم۔ مشیر، ریاض گروپ کے طور پر مشہور تھا۔ مشیر اور ریاض، دلیپ کمار کے ساتھ فلمیں بنانے کے لیے مشہور تھے۔ سفر اور بے راگ جیسی فلموں نے دونوں کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ سونے پر سہاگہ ان کی نئی فلم "شکتی" تھی، جس میں دلیپ کمار اور امیتابھ بچن نے اکٹھے کام کیا تھا۔ اس فلم کی وجہ سے اس گروپ کی شہرت آسمان کو چھونے لگی تھی۔ آج سے پہلے بمبئی میں کبھی ایسا کوئی واقعہ رونما نہ ہوا تھا۔ اس بدقسمت دن، معمول کے مطابق مشیر عالم اپنے دفتر ایم آر پروڈکشنز فلمستان بلڈنگ سے شام 4:30 بجے نکل کر ورلی چوک آیا تھا۔ اسے کسی سے ملنے کے لیے جانا تھا۔ ابھی وہ اینی بسنت روڈ پر پہنچا ہی تھا کہ گھات لگا کر بیٹھے اغوا کاروں نے فوراً ہی اس کا راستہ روک لیا۔

مشیر عالم کو اندازہ نہ ہوسکا تھا کہ دفتر سے نکلتے ہی ایک سفید گاڑی اس کے تعاقب میں ہے۔ اغوا کاروں کی گاڑی کا ڈرائیور مشیر کی کار کے اتنے قریب گاڑی چلا رہا تھا کہ اسے غصہ آنے لگا تھا۔ لیکن جب تعاقب کرنے والی گاڑی مشیر عالم کی کار کے سامنے آگئی تو ڈرائیور کا کلیجہ منہ کو آگیا۔ اس کا پیر نہ چاہتے ہوئے بھی بریک پر پڑ گیا۔ دونوں گاڑیاں آپس میں بری طرح ٹکراتے ٹکراتے بچی تھیں۔ آناً فاناً اغوا کاروں نے مشیر عالم کو اپنی گاڑی میں ٹھونسا اور چل دیئے۔

مشیر عالم کو یہ سب کچھ بہت ناگوار گزر رہا تھا۔ اس نے آنکھوں پر بندھی پٹی میں موجود باریک سے سوراخ سے باہر جھانکنے کی کوشش کی تو عبداللطیف نے پوری قوت سے اس کا سر نیچے کی جانب دھکیل دیا۔

بالی ووڈ کا سب سے بڑا فلمساز اغوا کاروں کے قدموں میں پڑا تھا۔ مشیر کو جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ اغوا کار اس کی جان کے دشمن نہیں، بلکہ انہوں نے اسے تاوان کے لیے اغوا کیا تھا۔ مشیر نے ذرا کوشش کر کے اس جگہ کو ایک نظر دیکھنا چاہا، جہاں اسے لے جایا جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا، "شعلے" فلم کا پوسٹر وہاں لگا ہوا تھا۔ اس کے بعد اسے اندازہ ہوگیا کہ فلم کے پوسٹر کے قریب ہی اسے کہیں لے جایا گیا تھا۔ دس منٹ کے بعد گاڑی رکی اور سب لوگ گاڑی سے باہر کود پڑے۔ اس کے بعد انہوں نے ہاتھ پکڑ کر مشیر کو بھی گاڑی سے باہر نکال لیا۔

کسی نے مشیر عالم سے کہا "دیکھ کر چلو، آگے تختہ پڑا ہوا ہے"۔ مشیر عالم نے اپنا قدم ذرا اونچا اٹھایا اور تختے پر رکھا۔ پھر آواز آئی، ذرا احتیاط سے آگے سیڑھیاں ہیں۔ اوپر چڑھتے ہوئے مشیر عالم کو اندازہ ہوا کہ سیڑھیاں لکڑی کی تھیں۔ جیسے ہی وہ اندر جانے لگا، اس نے چند بچوں کی آوازیں سنیں۔ مشیر عالم کو اندازہ ہوا کہ اسے کسی ایسی عمارت میں لایا گیا ہے جہاں بہت سے لوگ رہائش پذیر ہیں۔ اس بات سے اسے کچھ اطمینان ہوا کہ اسے کسی بیابان گھر میں نہیں رکھا جا رہا۔ اسے ایک کمرے میں دھکیل کر اس کی آنکھوں سے پٹی ہٹا دی گئی۔

اگلے چند گھنٹے مشیر کے لیے بہت اذیت ناک تھے۔ وہ لوگ مشیر عالم کو ڈراتے دھمکاتے رہے اور اس پر تشدد بھی کرتے رہے۔ مشیر کو اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ اس کی فلم "شکتی" نے اچھا خاصا بزنس کیا تھا۔ امیر زادہ نے کہا "ہمیں صرف پچیس لاکھ روپے چاہئیں"۔ اتنی بڑی رقم اس نے بڑے آرام سے مانگ لی تھی اور اسے اندازہ بھی تھا کہ یہ رقم فراہم کرنا مشیر عالم کے لیے کچھ مشکل کام نہیں ہوگا۔ مشیر عالم سے اس کے بہنوئی اور پارٹنر محمد ریاض کو فون کرایا گیا کہ پیسے کا بندوبست کرے۔ مشیر عالم نے اس سے کہا کہ جہاں کہیں سے بھی نقد رقم ملے، اسے جمع کر کے رکھے اور بعد میں وہ لوگ اسے جو پتہ بتائیں اس پر وہ رقم پہنچا دی جائے۔ اسے یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ کسی سے مدد لینے کی ہرگز کوشش نہ کرے، ورنہ سنگین نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ ریاض نے تگ و دو شروع کر دی اور رات 9 بجے تک ریاض سوگھند رقم لے کر امیز ادہ اور عالم زیب کے پاس پہنچ گیا۔ اس طرح مشیر عالم کی جان چھوٹی۔

PdfStuff.blogspot.com

سب انسپکٹر باگوان حال ہی میں کرائم برانچ میں آیا تھا۔ اسے سروس کرتے ہوئے چھ برس سے زائد عرصہ بیت چکا تھا۔ وہ ہمیشہ کچھ انوکھا کرنے کے چکر میں رہتا تھا۔ اسے اس بات کا شدید ملال تھا کہ صابر کو کھلے عام شہر میں قتل کر دیا گیا لیکن کرائم برانچ اب تک صرف اتنا ہی پتہ لگا سکی کہ قاتل امیر زادہ اور عالم زیب ہیں۔ باگوان کے نزدیک یہ قتل کرائم برانچ کے ماتھے پر بدنما داغ تھا۔ فلم پروڈیوسر مشیر عالم اور ریاض، بھارتی فلم انڈسٹری میں بہت بڑا نام تھے۔ مشیر عالم کو اس طرح دن دیہاڑے بھرے بازار سے اغوا کر لیا جانا، اب سی آئی ڈی کے لیے دوسرا بڑا چیلنج تھا۔ اغوا کاروں نے مشیر عالم کو اغوا کیا اور تاوان کی رقم بھی وصول کر لی اور سی آئی ڈی کو خبر تک نہ ہوئی۔ دلیپ کمار بذات خود گاڑی ڈرائیو کر کے سینئر پولیس انسپکٹر مادھوکار زینڈے کے پاس گیا۔ اسے واقعے کی ساری روداد سنائی تو کرائم برانچ کو اس بات کا علم ہوا۔ مشیر عالم، دلیپ کمار کے ہمراہ پولیس کمشنر ریبرو جولیو سے ملنے بھی گیا۔ جب پولیس کمشنر کو واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے انسپکٹر زینڈے کو فوراً اپنے دفتر میں طلب کر لیا۔ پولیس کمشنر نے خصوصی طور پر یہ کیس انسپکٹر زینڈے کے حوالے کیا۔ سب انسپکٹر باگوان کو بھی اس ٹیم کا حصہ بنایا گیا تھا۔

مشیر عالم نے ٹیم کے سامنے تمام واقعہ تفصیلاً بیان کیا۔ کسی نتیجے تک پہنچنے کے لیے زینڈے اور باگوان نے مشیر عالم سے چند سوالات بھی کئے۔ فلم ساز ہونے کی وجہ سے معاملات کو تفصیلی انداز سے دیکھنا مشیر کی عادت تھی، اس لیے جو کچھ تفصیلات اس کے ذہن میں تھیں، اس نے پولیس والوں کو بتا دیں۔ جیسا کہ آنکھوں پر بندھی پٹی میں سے وہ یہ دیکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ اس علاقے میں فلم شعلے کا اشتہار لگا ہوا تھا۔ اس اشتہاری بورڈ کے بعد گاڑی تقریباً 10 منٹ بعد اپنی منزل مقصود پر پہنچی تھی۔ گھر میں داخل ہونے سے قبل اسے لکڑی کے ایک تختے پر سے گزرنا پڑا تھا اور راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے بچوں کی آوازیں سنی تھیں۔

باگوان نے تمام تفصیلات اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیں۔ اس کا ذہن پہلے ہی کام کرنا شروع ہو چکا تھا۔ "ایک تھیٹر جس پر "شعلے" فلم کا بہت بڑا سا پوسٹر لگا ہوا تھا...... دس منٹ کی ڈرائیو...... پرانے طرز کی لکڑی کے کام والی عمارت اور بچوں کی آواز"۔ باگوان نے فوراً اپنے مخبروں کو مطلع کر دیا اور اس پروجیکٹ پر کام شروع ہو گیا۔ باگوان کو شہر میں سب سے زیادہ معلومات والا پولیس افسر جانا جاتا تھا۔ باگوان فائلوں میں سر کھپائے بیٹھا تھا کہ اسے ایک فون موصول ہوا۔ یہ باگوان کے مخبر خاص بدرالدین کا فون تھا، جو بدر کے نام سے مشہور تھا۔

بدر بولا "صاحب! ایک خبر ہے۔ ایک پتہ لکھو، فلمساز مشیر عالم کو قادر بلڈنگ کماٹھی پورہ میں رکھا گیا تھا، جہاں عالم زیب کا دفتر بھی ہے"

باگوان۔ "پکی خبر ہے کیا؟"

PdfStuff.blogspot.com

بدر۔ "صاحب ایک دم پکا"۔

باگوان نے فوراً فون نیچے رکھا اور چھاپے کے لیے پارٹی تیار کرنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ نکلنے سے پہلے باگوان نے انسپکٹر زینڈے کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ کماٹھی پورہ جا رہا ہے۔ کماٹھی پورہ میں پولیس کی گاڑیوں کو قطار میں آتے دیکھنا وہاں کی بازاری عورتوں کے لیے معمول کی بات تھی۔ اس لیے پولیس کو وہاں آتا دیکھ کر کسی کو حیرت نہ ہوئی۔ انہوں نے سوچا پولیس والے ہفتہ وصول کرنے آئے ہوں گے۔ لیکن آج موٹر سائیکل پر صرف ایک پولیس والا نہ تھا، نہ ایک جیپ آئی تھی۔ بلکہ دو جیپیں اور اس کے ساتھ پولیس وین بھی تھی۔ اس کے علاوہ پولیس والے پوری طرح تیاری کے ساتھ آئے تھے۔

پولیس والے کماٹھی پورہ کی راہداریوں میں پھیل گئے۔ باگوان خود قادر بلڈنگ میں پہلی منزل پر واقع عالم زیب کے ہیڈ کوارٹر میں داخل ہو گیا۔ عالی شان دفتر میں صرف سلیم موجود تھا۔ سلیم ایک خاکروب تھا۔ وہ دفتر کی صفائی ستھرائی کے علاوہ عالم زیب اور امیر زادہ کے باہر کے کام بھی کیا کرتا تھا۔

باگوان، سلیم کو اپنے ساتھ کرائم برانچ لے آیا۔ سلیم سے کچھ اگلوانا آسان نہ تھا، لیکن پولیس والوں کا کہنا تھا کہ "اس پتھر والی بلڈنگ میں پتھر بھی بول پڑتے ہیں" چند گھنٹوں بعد ہی سلیم نے سب کچھ اگل دیا کہ فلمساز مشیر عالم کو اسی عمارت میں قید رکھا گیا تھا، لیکن اسے امیر زادہ اور عالم زیب کی حرکات و سکنات کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ البتہ اس نے بتایا کہ ان کے والد کو پتہ ہوگا کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔ باگوان وقت ضائع کئے بغیر دکن روڈ پر واقع علی بلڈنگ جا پہنچا، جہاں عالم زیب کا عمر رسیدہ باپ جنگریز خان رہائش پذیر تھا۔ خان کو حراست میں لے لیا گیا اور بالآخر جنگریز خان کو اپنے بیٹے کا پتہ بتانا ہی پڑا۔

انسپکٹر زینڈے کی سربراہی میں ایک پولیس پارٹی احمد آباد کے علاقے کالو پورہ روانہ کر دی گئی۔ انہیں سلیم اور جنگریز سے صرف دو اہم معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ ایک تو سفید رنگ کی ایمبیسیڈر کار جس کا نمبر GUJ-7999 تھا اور دوسرے ہوٹل کے پیچھے مٹکا، یعنی جوئے کا اڈہ۔ پولیس والوں کو راستے میں ہی مطلوبہ گاڑی مل گئی۔ پولیس پارٹی نے اس گاڑی کا تعاقب شروع کر دیا۔ جیسے ہی ایک مقام پر گاڑی رکی اور امیر زادہ گاڑی سے باہر آیا، پولیس والے اس پر جھپٹ پڑے اور اسے گرفتار کر لیا۔ پولیس کے ہاتھ بڑی مقدار میں اسلحہ بھی لگا، جس میں 12 بور کی تین رائفلیں، 14 ریوالور، مختلف بور کے جرمن ماؤزر اور بہت سی گولیاں شامل تھیں۔ یہ گرفتاری ایک ایسے وقت پر عمل میں آئی تھی جب بمبئی کی گینگ وار اپنے عروج پر تھی۔

☆☆☆☆☆

جمعۃ المبارک 16 نومبر 2012ء

قسط نمبر 25

ترجمہ: عبدالقادر

روزنامہ امت کراچی/حیدر آباد

PdfStuff.blogspot.com

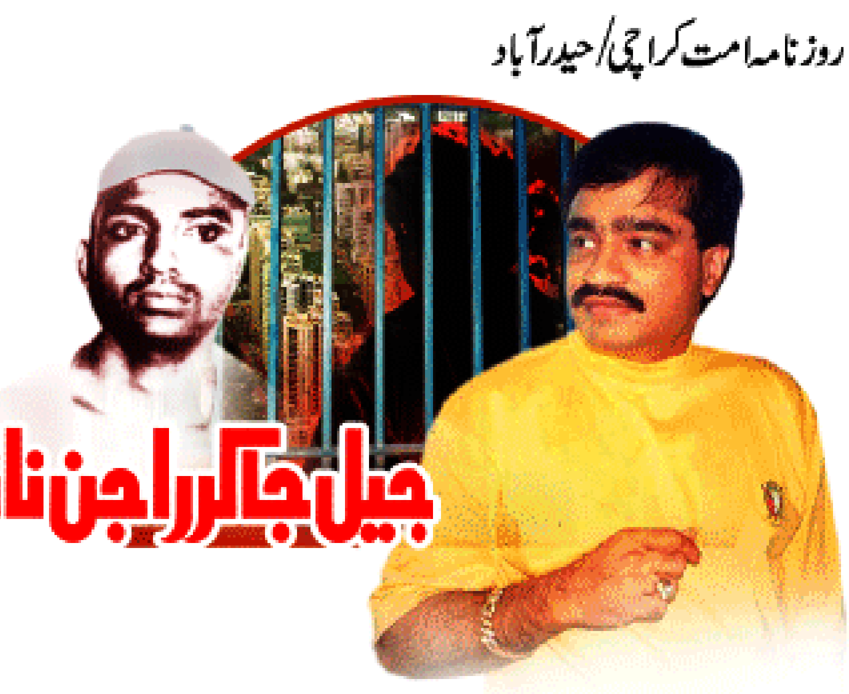

جیل جاکر راجن نائر معمولی چور سے گینگسٹر بن گیا

ٹائپ رائٹرز کی چوری کے جرم میں تین سال قید کی سزا پانے والا راجن درزی تھا-پہلی چوری گرل فرینڈ کو تحفہ دینے کیلئے کی-جیل سے رہائی کے بعد گولڈن گینگ بنایا-جو اپنی کارروائیوں سے جلد مشہور ہو گیا-داؤد ابراہیم نے صابر کے قتل کا بدلہ لینے کیلئے راجن نائر کو منتخب کرلیا-بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔"ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔"دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالیووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔"امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کئے جارہے ہیں۔

جس دوران راجن نائر درزی سے ٹائپ رائٹر چور اور ٹائپ رائٹر چور سے گینگ لیڈر بننے کا سفر طے کر رہا تھا، اسی دوران داؤد ابراہیم بھی انڈر ورلڈ کی بھٹی میں تپ کر کندن ہو رہا تھا۔البتہ جب تک راجن نائر بڑا راجن اور اپنے گینگ کا لیڈر بنا، اس وقت تک داؤد ابراہیم انڈر ورلڈ کے تمام ڈانوں کا ڈان بن چکا تھا۔شاید یہی وجہ تھی کہ جب بڑا راجن، داؤد ابراہیم سے ملنے کے لیے مسافر خانہ آیا تو اپنے وقت کے اس ڈان کا رعب اس پر طاری تھا۔درزی سے ٹائپ رائٹرز چور تو راجن اپنی غربت اور خواہشات کی وجہ سے بنا تھا، لیکن جیل نے راجن کو گینگسٹر بنا ڈالا۔

جیلوں کا مقصد مجرموں کو قید کرنا اور جرائم کی روک تھام ہے۔لیکن بھارتی جیلیں اس کے برعکس کام کرنے کے لیے مشہور ہیں۔کئی معصوم ان جیلوں سے بڑے بڑے مجرم بن کر نکلے۔اگر کسی شخص کو بھی غلطی سے گرفتار کر کے بھی جیل میں ڈال دیا گیا تو وہ ڈان بن کر باہر نکلا۔بمبئی انڈر ورلڈ کی تاریخ ایسے افراد سے بھری پڑی ہے۔راجن نائر عرف بڑا راجن کی کہانی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔

1970ء کی دہائی کے وسط میں راجن، ہندوستان اپیرل نامی ایک فیکٹری میں جو کہ تھانے کے علاقے میں واقع ہے، ایک درزی تھا۔وہ اپنی ہنرمندی کی وجہ سے بہت مشہور تھا، لیکن دن میں 14 گھنٹے کام کرنے کے باوجود وہ بمشکل 30 سے 40 روپے کما پاتا تھا۔اتنی سخت محنت کے باوجود اسے اندازہ تھا کہ بمبئی تو در کنار کسی اور مناسب جگہ پر بھی وہ کبھی گھر نہیں لے پائے گا۔

اسی دوران راجن ایک لڑکی میں دلچسپی لینے لگا تھا۔راجن کو محنتی اور ایماندار محسوس کر کے وہ لڑکی بھی راجن کو پسند کرنے لگی تھی۔لیکن دوسری لڑکیوں کی طرح وہ بھی ایک اچھی زندگی کے خواب دیکھا کرتی تھی۔راجن بھی چاہتا تھا کہ اس کے پاس پیسہ ہو، اچھا گھر ہو، وہ شادی کرے اور اپنی گرل فرینڈ کو قیمتی تحائف دے۔لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ اس کی قلیل سی تنخواہ ان خوابوں کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہے تو اس نے رات کے وقت میں مزید کام کی تلاش شروع کردی، لیکن اسے کچھ خاص کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔اسی طرح ایک دن راجن انتہائی پریشانی کے عالم میں گہری سوچ میں بیٹھا تھا۔اس کی گرل فرینڈ کی سالگرہ کے دن قریب آرہے تھے۔اس کی تنخواہ ختم ہو چکی تھی۔اس نے اپنے سیٹھ سے کچھ ایڈوانس مانگا تو اس نے انکار کردیا۔شدید مایوسی کے عالم میں راجن نے چوری کرنے کا فیصلہ کرلیا۔وہ دفتر میں داخل ہوا اور اسے وہاں ایک ہی قیمتی چیز نظر آئی جو کہ ٹائپ رائٹر تھا۔راجن نے ٹائپ رائٹر اٹھایا اور ایک تھیلے میں ڈال کر وہاں سے دوڑ پڑا۔اس نے بمبئی کی مٹن مارکیٹ المعروف چور بازار میں وہ ٹائپ رائٹر 200 روپے میں بیچ ڈالا۔اتنے پیسوں میں وہ اپنی گرل فرینڈ کے لیے ایک ساڑھی خرید سکتا تھا۔راجن کو اندازہ تھا کہ ٹائپ رائٹر بمبئی شہر کے تمام دفاتر میں استعمال ہوتے ہیں اور جتنا اچھا ٹائپ رائٹر ہو اتنے ہی اچھے پیسے مل سکتے ہیں۔اس کے خواب زیادہ بڑے نہیں تھے۔وہ ٹائپ رائٹر چوری کر کے اپنی زندگی آسانی کے ساتھ گزار سکتا تھا۔لیکن اس کی قسمت نے زیادہ دیر اس کا ساتھ نہ دیا۔پولیس پارٹی کسی مقدمے کے سلسلے میں جب چور بازار گئی تو انہیں پتہ چلا کہ وہاں موجود تمام ٹائپ رائٹر ایک ہی لڑکا لے کر آتا ہے، جو کہ جنوبی ہندوستان سے تعلق رکھتا ہے اور ہر ہفتے دو تین ٹائپ رائٹر لے کر وہاں آتا ہے۔

پولیس والوں نے اس ٹائپ رائٹر چور پر چند دن نظر رکھی اور جب ایک دن راجن نائر اپنے معمول کے مطابق ٹائپ رائٹر لے کر چور بازار آیا تو پولیس نے اسے گرفتار کرلیا۔بھوئے واڑہ پولیس نے راجن کے خلاف بہت ہی مضبوط مقدمہ قائم کیا۔راجن پر فرد جرم عائد کر کے اسے تین سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔

جیل میں سزا گزارنے کے بعد راجن کی زندگی مکمل طور پر تبدیل ہو چکی تھی۔جب وہ اپنے گھر گھاٹ کوپار واپس لوٹا تو اس کے ذہن میں ایک گینگ بنانے کا منصوبہ کروٹیں لے رہا تھا۔چند ماہ کے اندر اندر ہی اس نے گولڈن گینگ بنا لیا۔اس گینگ کی کارروائیوں کے علاقوں میں بمبئی کے مضافاتی علاقے یعنی گھاٹ کوپار، چیمبر، وکرولی، مان خورد، بھنڈپ اور دیگر علاقے شامل تھے۔

انہوں نے اپنے کام کا آغاز دکانداروں، ہوٹل والوں، ٹیکسی ڈرائیوروں، رکشہ ڈرائیوروں اور دیگر لوگوں سے بھتہ وصول کر کے شروع کیا۔اور چند سال میں ہی راجن اور اس کا گولڈن گینگ مضبوط ہو گیا۔اب جرم کی دنیا میں راجن کا اپنا ایک مقام تھا۔کنجو نامی ایک لڑکا راجن کے لیے کام کیا کرتا تھا۔کنجو انجمن اسلام ہائی اسکول کا ذہین طالب علم تھا۔جلد ہی کنجو کو احساس ہونے لگا کہ اسکول سے ملنے والے اعزازات کبھی بھی اس کے اس قدر کام نہ آسکیں گے جتنا کہ راجن بھائی کی سرپرستی۔وہ راجن کے ساتھ کام کر کے اس کا دایاں بازو بن سکتا تھا، کیونکہ اب راجن بھی اس پر انحصار کرنے لگا تھا اور راجن کو کنجو پر مکمل اعتماد بھی تھا۔کنجو راجن سے بھی زیادہ چالاک نکلا۔جلد ہی اپنی ذہانت کی وجہ سے راجن کے ہر منصوبے میں اسے مشورے کے لیے شامل کیا جانے لگا۔کنجو نے جلد ہی تلک نگر میں اپنا ایک گینگ بھی بنا لیا تھا۔اب ایک بڑے گروپ کے اندر ایک چھوٹا گروپ جنم لے چکا تھا، جس کا سرغنہ کنجو تھا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کنجو اتنا طاقتور ہو گیا کہ اپنے باس کو ہی چیلنج کر ڈالا۔ایسا کرنے میں کنجو نے اپنا لوہا منوایا۔یہاں تک کہ راجن کی گرل فرینڈ کے ساتھ چکر چلا کر اس سے شادی بھی کرلی۔یہ وہی لڑکی تھی جس کی خواہشات پوری کرتے کرتے راجن جرم کی دنیا کی دلدل میں دھنستا چلا گیا تھا۔

یہ راجن کے لیے بڑی بے عزتی کی بات تھی۔راجن نے انتہائی غصے کے عالم میں قسم کھائی کہ کنجو سے اس بات کا بدلہ ضرور لے گا۔جب کنجو کو نیشنل سیکورٹی ایکٹ مجریہ 1979ء کے تحت جیل میں ڈال دیا گیا تو ایک سنہری موقع راجن کے ہاتھ آگیا۔راجن کے گینگ نے کنجو کے گینگ کی خوب پٹائی کی۔راجو نے کنجو کی بیوی اور اپنی سابقہ محبوبہ کو اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی۔

کنجو جیل میں بے یارو مددگار پڑا تھا اور راجن دیمک کی طرح آہستہ آہستہ اس کی بنیادوں کو کمزور کرنے میں مشغول تھا۔بالآخر کنجو نے کچھ کرنے کی ٹھان ہی لی۔جس دوران کنجو کو وکرولی کورٹ لے جایا جارہا تھا، اس نے پولیس والوں کی آنکھوں میں مرچیں چھڑکیں اور فرار ہو گیا۔کچھ عرصہ تو کنجو اور پولیس کے درمیان آنکھ مچولی کا سلسلہ جاری رہا۔لیکن جب حالات معمول پر آنے لگے تو کنجو گھاٹ کوپار واپس لوٹ آیا۔جلد ہی اس نے راجن کو پیغام بھیجا کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔راجن اور کنجو کسی قسم کا فساد نہیں چاہتے تھے، اس لیے فی الحال مار پیٹ تھمی ہوئی تھی۔البتہ دونوں ہی اس انتظار میں تھے کہ کب کسے موقع میسر آئے اور وہ دوسرے پر کاری ضرب لگائے۔

اسی دوران داؤد ابراہیم نے بڑا راجن کو مسافر خانہ ملاقات کے لیے بلوایا۔بڑا راجن جب مسافر خانے آیا تو اس پر داؤد ابراہیم کا بہت رعب طاری تھا۔داؤد ابراہیم کے جو کارندے بڑا راجن کو مسافر خانہ لائے تھے، ان میں داؤد ابراہیم کا انتہائی با اعتماد ساتھی چھوٹا راجن بھی شامل تھا۔یہی وہ وقت تھا جب بڑا راجن اور چھوٹا راجن اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ انڈر ورلڈ کی دنیا میں شہرت پاتے ہیں۔

بڑا راجن سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ داؤد ابراہیم جیسے ڈان کو کبھی اس کی خدمات کی ضرورت پڑے گی۔کچھ دیر بات چیت کے بعد داؤد ابراہیم نے راجن کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا کہ وہ راجن سے کیا چاہتا تھا۔راجن کو یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ داؤد ابراہیم، امیر زادہ کو کیوں قتل کروانا چاہتا تھا۔آخر کار صابر، داؤد ابراہیم کا بھائی تھا اور اسے امیر زادہ اور عالم زیب نے قتل کیا تھا۔صابر کے قتل کے بعد سے زندگی داؤد کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن چکی تھی۔داؤد ابراہیم نے ہمیشہ دوسروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تھی۔لیکن اس معاملے پر داؤد ابراہیم خود کو اتنا بے بس محسوس کر رہا تھا کہ زندگی میں پہلی مرتبہ خود اپنے آپ سے بھی آنکھیں نہیں ملا پا رہا تھا۔داؤد ابراہیم کے درد کی دوا اب صرف امیر زادہ اور عالم زیب کے خون میں تھی۔

بڑا راجن نے داؤد کو یقین دلایا کہ وہ سب کچھ اس پر چھوڑ دے۔اب کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے اور کس سے کروانا ہے، یہ سب کچھ بڑا راجن کا دردسر تھا۔اس کے بعد بڑا راجن نے داؤد ابراہیم سے اس سلسلے میں منصوبہ بندی کے لیے وقت مانگ لیا اور پھر دونوں دوبارہ ملنے کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

ڈیوڈ پردیسی نے بھری عدالت میں امیرزادہ کو قتل کردیا

فرار ہوتے ہوئے خود بھی انسپکٹر باگوان کی گولی کا نشانہ بن کر پکڑا گیا- پولیس کی دھمکیوں سے ڈر کر پردیسی وعدہ معاف گواہ بن گیا- اس کی نشان دہی پر بڑا راجن اور داؤد ابراہیم گرفتار کر لئے گئے- داؤد ابراہیم سے غداری کی سزا موت کی شکل میں ملی- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

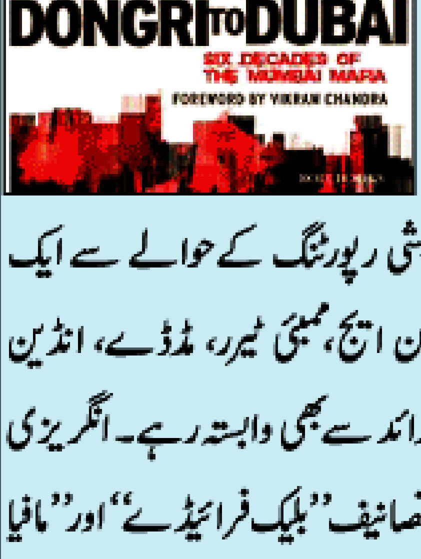

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرر ان ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

ابھی داؤد ابراہیم اور بڑا راجن جدا بھی نہ ہوئے تھے کہ راجن نے صابر کے قاتلوں کو ٹھکانے لگانے کے منصوبے پر سوچنا شروع کر دیا۔ تلک نگر کا دادا ہونے کے ناتے وہاں کے تمام گینگسٹرز اس کی نظر میں تھے، اس لیے اسے اپنی نظر زیادہ دور تک نہیں دوڑانی پڑی۔ راجن نے اپنے ذہن میں محفوظ گینگسٹرز کی ایک طویل فہرست میں سے دو گینگسٹروں کو اس کام کے لیے فوراً ہی منتخب کر لیا۔ ان میں سے ایک فلپ پاندھرے اور دوسرا ڈیوڈ پردیسی تھا۔

پردیسی 24 سالہ نوجوان تھا۔ اس کا کوئی کام دھندا تھا، نہ فیملی، اور نہ ہی زندگی کا کوئی مقصد۔ سارا دن آوارہ گردی اور غنڈہ گردی کرنا ہی اس کے پسندیدہ مشاغل تھے۔ بامقصد زندگی گزارنا اس کے نزدیک ایک بے معنی بات تھی۔ امیرزادہ کو قتل کرانے کے لیے راجن کی نظر اسی نوجوان پر جا ٹھہری۔

بالآخر طے یہ پایا کہ امیرزادہ کو عدالت کے اندر ہی شوٹ کیا جائے گا۔ حقیقت حال یہ تھی کہ پردیسی کوئی شوٹر نہ تھا۔ بلکہ وہ تو ڈھنگ سے پستول بھی پکڑ نہ پاتا تھا۔ سونے پر سہاگہ کہ، دن دیہاڑے کسی کو عدالت کے احاطے میں گولیاں مارنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ کوئی اس بات کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ عدالت کے احاطے میں، پولیس کے سخت پہرے میں کسی کو مارا جا سکتا ہے اور وہ بھی ایک ڈان کو۔ لوگ تو اس وقت بالی ووڈ کی فلموں میں ہی اس قسم کے مناظر پر یقین کیا کرتے تھے۔ اتنا کٹھن اور تقریباً ناممکن کام راجن نے پردیسی جیسے نوجوان سے کرانے کے بارے میں آخر سوچا بھی کیسے؟ راجن کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا، عدالت کے احاطے میں کسی کو مارنے کے بعد زندہ بچ نکلنا محض معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ چونکہ پردیسی کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا، لہذا اس لیے کام کے لیے دی جانے والی رقم مانگنے بھی کوئی نہ آئے گا اور نہ ہی اس کی فیملی سے نمٹنا پڑے گا۔ راجن کے ذہن میں اس سے زیادہ محفوظ منصوبہ نہیں آ پا رہا تھا۔ اسی لیے ناتجربہ کار ہونے کے باوجود پردیسی کو راجن نے اس کام کے لیے منتخب کر لیا۔ پردیسی کو اڑن کے علاقے الواگاؤں لے جایا گیا۔ الوا کوکنی کمیونٹی سے تعلق رکھتے تھے اور داؤد ابراہیم کو اپنا ہمدرد سمجھتے تھے۔ اس علاقے کی پہاڑیاں پردیسی کو فائرنگ کی تربیت دینے کے لیے نہایت موزوں تھیں۔ یہاں پردیسی داؤد ابراہیم کے پیسے پر مزے کی زندگی گزارنے لگا تھا اور یہی سب کچھ تو اسے چاہئے تھا۔ جب کبھی داؤد ابراہیم، بڑا راجن سے پردیسی کی تربیت کے بارے میں پوچھتا تو راجن، داؤد ابراہیم کو دلاسہ دیتا کہ سب ٹھیک چل رہا ہے۔ لیکن داؤد ابراہیم کافی بیتاب تھا اور چاہتا تھا کہ کام جلد از جلد ہو جائے۔ داؤد ابراہیم نے کئی مواقع پر راجن سے اس بات کا اظہار بھی کیا تھا کہ اسے پردیسی اس کام کے لیے موزوں دکھائی نہیں دیتا۔ تاہم پردیسی کا دنیا میں بالکل تنہا ہونا ہی اس کی سب سے بڑی خوبی تھی، جس کے سبب داؤد ابراہیم بھی آنے والے وقت کا بے صبری سے انتظار کرنے پر مجبور تھا۔ پردیسی اگلے چند دنوں میں اچھا نشانہ باز تو بن گیا، لیکن اصل منصوبے سے وہ لاعلم تھا۔

بالآخر وہ وقت آ ہی گیا، جس کا داؤد ابراہیم اور بڑا راجن کو بے چینی سے انتظار تھا۔ یہ 6 ستمبر 1983ء کا دن تھا۔ پردیسی کو سٹی کورٹ میں سٹی سول و سیشنز کورٹ کے احاطے میں لے جایا گیا۔ وہ خاصا گھبرایا ہوا اور پسینے سے شرابور تھا۔ اس نے ڈھیلی ڈھالی شرٹ اور پینٹ پہنی ہوئی تھی، تاکہ قمیض کے نیچے چھپائی ہوئی پستول کسی پر ظاہر نہ ہو سکے۔ عدالت میں پردیسی آرام سے ادھر ادھر آ جا رہا تھا۔ اس کی معمولی نظر آنے والی شخصیت اس کے لیے معاون ثابت ہوئی، کیونکہ کسی کی توجہ اس پر مبذول نہ ہوتی تھی۔ جیسے ہی جج کے حکم پر امیرزادہ کو عدالت میں بلایا گیا، پردیسی چوکنا ہو گیا اور اس نے شرٹ میں چھپے ریوالور پر گرفت مضبوط کر لی۔ اس کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اسے چیزیں دھندلی نظر آنے لگیں۔ ایسے میں اسے پستول تاننے اور نشانہ باندھنے میں شدید دقت محسوس ہو رہی تھی۔ پردیسی نے بمشکل خود کو سنبھالا اور جیسے تیسے ریوالور تان لیا۔ لیکن اسے پولیس والوں کے سروں کے علاوہ کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ فائر کرنا ہے اور بندہ مارنا ہے۔ گولی چلانے کے بعد پردیسی کو منصوبے کے مطابق پہلی منزل کی کھڑکی سے کود کر اس جیپ تک آنا تھا، جو اسے وہاں سے لے جانے کی منتظر تھی۔ راجن، اس کا ڈرائیور بالا رام اور علی انتولے عدالت کے احاطے میں موجود تھے اور ان کی ذمہ داری تھی کہ پردیسی پولیس کے ہاتھ نہ لگنے پائے۔

پردیسی بے چینی سے امیرزادہ کی تاک میں تھا۔ اسی اثنا میں امیرزادہ کے سامنے آنے والے پولیس اہلکار ذرا ایک طرف ہوئے تو اسے امیرزادہ صاف نظر آنے لگا۔ ان چند لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے پردیسی نے امیرزادہ کے ماتھے کا نشانہ لیا اور آناً فاناً گولی چلا دی۔ اسے خود بھی اس بات کا اندازہ نہ ہوا کہ اس نے کیا اور کیسے کر دیا۔ عدالت کی پوری عمارت فائر کے دھماکے سے گونج اٹھی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے امیرزادہ زمین پر پڑا تھا۔ عدالت کے اندر یکدم بھگدڑ مچ گئی۔ اسی افراتفری کا سہارا لیتے ہوئے پردیسی نے بھی دوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن اس کی مشکوک حرکتوں کی وجہ سے سب انسپکٹر باگوان اسے بھانپ گیا تھا۔ جیسے ہی باگوان نے اسے فرار ہوتے دیکھا، اپنی پستول اس پر تان لی۔ اتنے لوگوں کے ہجوم میں کسی ایک شخص کا نشانہ لینا بہت مشکل تھا، لیکن انسپکٹر باگوان ایک ماہر نشانے باز تھا۔ اس نے پردیسی کی گردن پر شست باندھ کر گولی چلائی اور پردیسی زخمی ہو کر گر پڑا۔

باگوان نے پردیسی کو گاڑی میں ڈالا اور تیزی سے جے جے اسپتال کا رخ کیا۔ اس سارے وقوعے کے دوران راجن کے کارندے وہیں کھڑے رہے، جب تک انہیں اس بات کا یقین نہ ہو گیا کہ ان کا مشن پورا ہو چکا ہے۔ ان کا اندازہ تھا کہ پردیسی کو جس طرح گولی لگی ہے، وہ بھی زندہ نہیں بچے گا۔ اس لیے انہوں نے سکھ کا سانس لیا کہ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی۔ لیکن ان سب کی بدقسمتی تھی کہ پردیسی زندہ بچ گیا۔ گولی نے اسے زیادہ نقصان نہ پہنچایا تھا۔

پردیسی حقیقتاً کوئی آزمودہ گینگسٹر نہیں تھا، بلکہ ایک لوفر اور آوارہ لڑکا تھا، جسے اس کی قسمت نے ایسے چکر میں پھنسا دیا تھا۔ اس میں بہادری اور تشدد برداشت کرنے کے کوئی اوصاف نہ پائے جاتے تھے، لہذا اس کے بارے میں داؤد ابراہیم کے تمام خدشات بالکل صحیح ثابت ہوئے۔

دوران تفتیش، ڈیوڈ پردیسی، انسپکٹر باگوان کی پہلی دھمکی بھی برداشت نہ کر سکا اور پولیس کا وعدہ معاف گواہ بننے کی ہامی بھر لی۔ بالآخر وہی ہوا جس کا داؤد ابراہیم کو ڈر تھا۔ پردیسی نے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے راجن اور داؤد ابراہیم کے خلاف بیان دے دیا کہ امیرزادہ کے قتل کے پیچھے داؤد ابراہیم کا ہاتھ ہے اور منصوبہ بنانے والا بڑا راجن ہے۔ ایسی واضح گواہی ملنے پر پولیس نے چھاپے مار کر بڑا راجن اور داؤد ابراہیم کو گرفتار کر لیا۔ راجن کے لیے تو یہ ساری کارروائی گویا ڈیتھ وارنٹ ملنے کے مترادف تھی۔ وہ داؤد ابراہیم کی طرح کوئی بڑا ڈان نہ تھا، جسے پولیس کے محکمے سے کسی ڈیل یا رعایت کی توقع ہوتی۔ تاہم داؤد ابراہیم کے لیے بھی بمبئی محفوظ جگہ نہیں رہی تھی۔ راجن اور داؤد ابراہیم بہت زیادہ عرصے جیل کی سلاخوں کے پیچھے نہ رہ سکے۔ ان کے باہر آنے کی تفصیل سے پہلے ڈیوڈ پردیسی کے انجام پر نظر ڈالتے ہیں۔

باگوان نے پردیسی کی حسب وعدہ رہائی کے بعد اسے نہ صرف حفاظتی نگرانی میں رکھا، بلکہ ایک نئی زندگی شروع کرنے میں اس کی بھرپور مدد کی۔ لیکن جو ایک مرتبہ داؤد ابراہیم سے دشمنی مول لے لیتا تھا، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہٹ لسٹ پر آ جاتا تھا۔ ڈیوڈ پردیسی نے شادی کی اور دبئی منتقل ہو گیا، جہاں اس نے ویڈیو کیسٹ کا کاروبار شروع کر دیا تھا۔ لیکن داؤد ابراہیم نے اس کا پیچھا وہاں بھی نہ چھوڑا اور اسے وہاں سے بھاگ کر بمبئی لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ چند برس تک تو وہ خود کو محفوظ رکھ سکا، بعد میں ایک مقامی ہوٹل کے کمرے میں پراسرار انداز میں مردہ پایا گیا۔

غداری کا سبق سکھانے کے لیے جس تندہی سے داؤد ابراہیم نے دبئی تک پردیسی کا پیچھا کیا، وہ اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ داؤد ابراہیم اپنے دشمن اور غداروں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتا۔

☆☆☆☆☆

اتوار 18 نومبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

قسط نمبر 27

ترجمہ: عبدالقادر

بڑا راجن کی سپاری ایک رکشہ ڈرائیور کو دی گئی

PdfStuff.blogspot.com

غریب چندر شیکھر راجن کے ظلم سے تنگ تھا- اتنی بڑی رقم کے عوض دشمن کو ٹھکانے لگانے کا سودا اسے مہنگا نہ لگا- اس روز عدالت میں بڑا راجن کی پیشی پر پولیس بہت مستعد تھی- سارا عمل انجام پا گیا تو سب نے سکون کا سانس لیا- اچانک نیوی یونیفارم میں ملبوس شخص نے گولیاں چلادیں- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

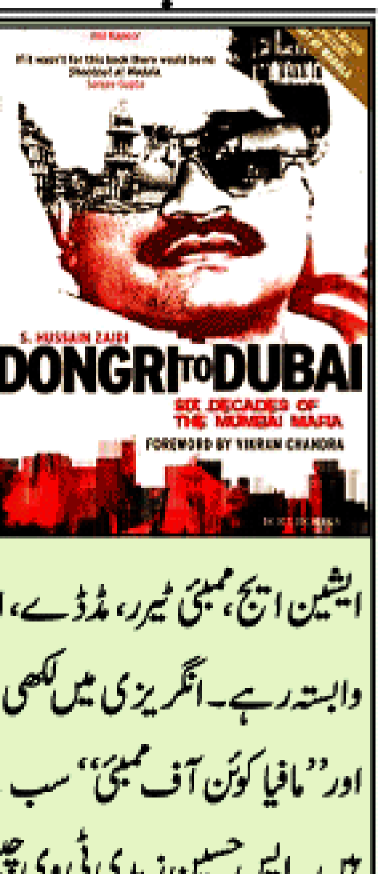

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرر ان ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

پٹھان گروپ کے لوگ غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک لوفر آوارہ لڑکا اس طرح سے ٹہلتا ہوا احاطۂ عدالت میں آئے گا اور ان کے گروپ کا دیاں بازو کاٹ ڈالے گا۔ اتنی آسانی سے امیرزادہ کو قتل کیا جانا انہیں کسی طور پر ہضم نہیں ہو پا رہا تھا۔ اولاً تو وہ یہ سمجھے کہ ڈیوڈ پردیسی، داؤد ابراہیم گینگ کا کوئی زبردست شوٹر ہوگا لیکن جب انہیں پتہ لگا کہ وہ تو ایک عام سے گینگسٹر راجن نائر عرف بڑا راجن کے پاس ایک لوفر سا لڑکا تھا تو ان کی بے چینی کی انتہا نہ رہی۔ پہلے وہ اس قتل کو اپنے لیے ناقابل تلافی نقصان سمجھ رہے تھے لیکن اب تو وہ اسے اپنی توہین سمجھنے لگے تھے۔

انہیں ہر قیمت پر اس قتل کا بدلہ لینا تھا اور انہوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ فی الفور اس قتل کا جواب راجن نائر کی لاش سے دینا ہوگا۔ اس سے کم پر وہ راضی ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ عالم زیب اس قتل کا بدلہ خود اپنے ہاتھوں سے لینا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اپنے بھائی کے قاتل کو خود اپنے ہاتھوں سے مارے تاکہ اس کے دل کو کچھ سکون حاصل ہو سکے۔ لیکن کریم لالہ نے اسے سمجھایا کہ چونکہ اسے یہ کارروائی عدالت کی عمارت میں کرنا ہوگی لیکن اس مرتبہ پولیس والے بہت چوکنے ہوں گے۔ اس لیے اس بات کے قوی امکانات موجود تھے کہ وہ پولیس والوں کے ہاتھوں مارا جائے۔

وہ لوگ کئی دن تک مختلف اسکیمیں بناتے رہے لیکن اب تک تمام اسکیمیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ کریم لالہ کو امیرزادہ بہت عزیز تھا وہ اس کا بازو تھا۔ اب وہ عالم زیب کی شکل میں اپنا دوسرا بازو کٹوانے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اس لیے کریم لالہ نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ بدلہ تو لیا جائے گا لیکن اس انداز سے کہ اس کی کمیونٹی کا کوئی فرد نہ مارا جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ باہر سے کسی شوٹر کو کرائے پر لایا جائے جیسا کہ داؤد ابراہیم نے کیا تھا۔

ان لوگوں کو ایسا شخص تلاش کرنے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگی۔ انہیں ایسا شخص مل گیا جو خود بھی اس تاک میں تھا کہ بڑا راجن کو راستے سے ہٹایا جائے اور وہ شخص کنجو کے سوائے اور کون ہو سکتا تھا۔ کنجو پہلے سے ہی دل میں بڑا راجن کے لیے دشمنی لیے بیٹھا تھا اور اگر اب کوئی شخص اسے اسی کام کا معاوضہ بھی دے دیتا تو یہ سونے پر سہاگہ تھا۔

بالآخر کنجو کو پیغام بھیجا گیا کہ ناناچوک میں واقع ایک ہوٹل میں آکر ان سے ملے۔ جب عالم زیب کنجو سے ملنے آیا تو وہ بہت خوش تھا۔ گویا کہ کنجو کے دل کی کوئی دیرینہ خواہش پوری ہونے جا رہی ہو۔ کنجو کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا کہ کوئی تگڑا گروپ بڑے راجن کو مارنے میں اس کی پشت پناہی کرے کیونکہ راجن نے داؤد ابراہیم کے لیے کام کیا تھا۔ اب تن تنہا اس پر ہاتھ ڈالنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ کریم لالہ اور عالم زیب کی پشت پناہی سے اب وہ اس کام کو ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

کنجو ایک ذہین انسان اور بہترین منصوبہ ساز تھا۔ بڑا راجن نے کبھی خود بھی اس کی ذہانت سے متاثر ہو کر اسے اپنے گینگ کا کرتا دھرتا بنایا تھا جس کا اسے ساری زندگی قلق رہا۔ کیونکہ اس کے علم میں آ گیا تھا کہ کنجو نے اپنے سابقہ محسن کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے کئی متبادل منصوبے بنائے تھے۔ خیر، عالم زیب سے ملاقات کے موقع پر کنجو نے اسے کہا۔ "بھائی اپن راجن کو کورٹ کے بیچ میں اچ مارے گا۔ جیسا کہ اس نے آپ کے بھائی کو مارا تھا۔" عالم زیب کے ذہن میں بھی یہی کچھ تھا کیونکہ اس کے مطابق صحیح بدلہ لینے کا صرف یہی طریقہ تھا۔ کنجو نے یہ بھی کہا کہ کسی پیشہ ور شوٹر کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جو کوئی بھی گولی چلائے گا لازماً پولیس کے ہاتھ چڑھ جائے گا اور پولیس دوسری مرتبہ یہ ہرگز برداشت نہ کرے گی۔

کنجو پر اعتماد تھا کہ بندوق کے پیچھے کھڑے ہونے کے لیے اسے بہت ہی آسانی سے کوئی موزوں شخص مل جائے گا کیونکہ راجن کے دشمن شہر میں بے تحاشا تھے۔ انہیں صرف ان دشمنوں کو تلاش کرنا تھا۔ کنجو ایسے شخص کی تلاش میں خود ہی نکل پڑا جو کہ عدالت میں بڑا راجن کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ کئی دنوں کی تلاش کے بعد بالآخر کنجو کو گھاٹ کوپار کے علاقے میں ایک ایسا شخص مل ہی گیا۔ اس کا نام چندر شیکھر تھا اور وہ رکشہ چلایا کرتا تھا۔

کسی زمانے میں چندر شیکھر بڑا راجن کے ظلم و ستم کا نشانہ رہا تھا۔ وہ راجن اور اس کے کارندوں کو 10 روپے ہفتہ دے دے کر عاجز آ چکا تھا۔ یہ 80ء کی دہائی کی بات ہے۔ اس کے علاوہ بڑا راجن کا ایک غنڈہ اس کی بڑی بہن پر غلط نظر رکھے ہوئے تھا۔ چندر شیکھر کو بڑا راجن سے بہت نفرت تھی۔ کنجو نے بڑا راجن کو مارنے کے لیے شیکھر کو 50,000 روپے کی پیشکش کی۔ یہ اس زمانے میں ایک بڑی رقم تھی۔ شیکھر نے سوچا کہ اس طرح وہ ایک تیر سے دو نشانے مار سکتا تھا۔ ایک طرف تو وہ اس قابل ہو جائے گا کہ اپنے دیرینہ دشمن کو ٹھکانے لگا دے اور دوسری جانب اپنی غربت کو بھی مٹا سکے گا۔ اس نے سوچا کہ 50,000 تو اتنی بڑی رقم تھی کہ دو یا تین رکشے لینے کے بعد بھی اچھی خاصی رقم اپنے گھر والوں کو دے سکتا ہے۔ اس طرح اگر وہ مارا بھی گیا یا گرفتار کر لیا گیا تو کوئی غم نہیں۔

پورے منصوبے کو انتہائی احتیاط سے تیار کیا گیا۔ امیرزادہ کے قتل کے ٹھیک چوبیس دن بعد 30 ستمبر 1983ء کو بڑا راجن کی عدالت میں پیشی تھی۔ یہ پیشی ایسپلانڈے کورٹ میں جو کہ میڈن پولیس اسٹیشن کی حدود میں تھا ہونا تھی۔ اس مرتبہ پولیس بھی کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ عدالت میں آنے والے ہر شخص کی سختی سے تلاشی لی جا رہی تھی۔ جج کو اس بات کا علم تھا کہ بڑا راجن کو عدالت میں پیشی کے لیے لایا جائے گا جبکہ پولیس نے عدالت کے روزنامچے میں اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ لیکن کنجو، اس بات کی کھوج لگا چکا تھا کہ راجن کو عدالت پیشی کے لیے لایا جا رہا ہے۔ کنجو نے سوچا کہ اب نہیں تو کبھی نہیں۔

جس لمحے پولیس کے انتہائی سخت پہرے میں راجن نے عدالت کے احاطے میں قدم رکھا چار سو ایک تناؤ کی سی کیفیت تھی کہ کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ عدالت میں ہر شخص سہما ہوا تھا۔ راجن جہاں سے گزرتا عام لوگ اور وکلا بھی اس جگہ سے دور رہتے۔ تمام پولیس والوں کی انگلیاں اپنی بندوقوں کے گھوڑوں پر تھیں۔ وہ کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے نمٹنے کے لیے انتہائی چوکنے تھے۔ گو لگتا تھا کہ کوئی بے وقوف ہی عدالت کے احاطے میں راجن کو مارنے جیسی کوشش کا ارتکاب کرے گا۔ لیکن بمبئی مافیا کی تاریخ اچھوتے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ یہاں کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ بڑا راجن بذات خود بھی انتہائی پریشانی کے عالم میں عدالت کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ ایسے ہی اقدام کی توقع کسی نہ کسی سے کر رہا تھا جیسی کہ وہ خود کر چکا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ تلواروں کے سائے تلے رہنے والے ایک دن تلواروں کی زد میں ضرور آتے ہیں۔

عدالت کی یہ مختصر سی پیشی کسی انہونی کے بغیر ہی ختم ہو گئی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ ایک انتہائی تناؤ کے بعد اب ایک انتہائی پرسکون فضا تھی۔ نہ کوئی قاتل عدالت میں ٹہلتا ہوا آیا اور نہ کسی نے اپنی بندوق کی گولیاں راجن کے جسم میں داغیں۔ پولیس نے عدالت کے اردگرد کی عمارتوں پر بھی نظر رکھی ہوئی تھی کہ وہاں سے کوئی راجن کو نشانہ نہ بنا پائے۔ راجن اور پولیس والوں نے سکھ کا سانس لیا کہ اب انہیں اپنے حکام بالا کی جانب سے ڈانٹ ڈپٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

وہ شخص جسے کسی نے بھی نہ دیکھا تھا عدالت کے اردگرد گھومتا رہا لیکن یہ کارروائی کرنے کی اس کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ وہ تو اپنا ریوالور باہر نکال کر نشانہ تک نہ باندھ سکا۔ چندر شیکھر نیوی کے افسر کی وردی پہن کر وہاں ٹہلتا رہا۔ وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ نشانہ تاک سکے لیکن اس کی گھبراہٹ اور پولیس کی مستعدی نے اسے ایسا کرنے سے روکے رکھا۔ ایک طرف ایک پیشہ ور گینگسٹر تھا جبکہ دوسری جانب ایک رکشہ ڈرائیور، اسے تو اب تک یہ یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ اس جیسے شخص کو راجن جیسے نامور غنڈے کو قتل کرنے کے لیے کہا جائے گا۔

چندر شیکھر ابھی اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ وہ ایسا کرے یا نہ کرے کہ اس کی بہن کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ اس نے خود سے کہا کہ یہ اس کی بہن کی عزت کا مسئلہ ہے اور اس کے لیے اسے جان بھی قربان کر دینی چاہیے۔

لوگ ادھر ادھر جا رہے تھے اور پولیس کا ایک دستہ راجن کو پولیس موبائل کی جانب لے جا رہا تھا۔ اب سب لوگ ان معاملات سے بے پروا تھے۔ اچانک ہی نیوی افسر کے یونیفارم میں ملبوس شیکھر ہجوم سے نکلا اور قدم زمین پر جما جما کر راجن کی جانب بڑھنے لگا۔ پولیس افسر سمجھا کہ کوئی افسر اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ کسی بھی اہلکار نے دوسرے انداز سے نہ سوچا یہاں تک کہ شیکھر نے اپنی پستول نکال لی۔ راجن ششدر رہ گیا کہ نیوی کے ایک افسر کو اس سے کیا دشمنی ہو سکتی تھی۔ اسی اثنا میں شیکھر نے راجن پر گولیاں برسا دیں۔

شیکھر نے راجن پر چار گولیاں چلائی تھیں۔ راجن کو ماتھے، سینے، گردن اور منہ پر گولیاں لگی تھیں۔ خون فوارے کی مانند اس کے جسم سے بہنے لگا۔ راجن کے ساتھ ہی ایک گولی نے قریب ہی کھڑے پولیس اہلکار کو بھی زخمی کر دیا۔ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راجن کو اسپتال لے جانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ زمین پر گرا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔

راجن کو مارنے کے بعد شیکھر نے اپنا ریوالور ایک جانب پھینک دیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ پولیس والے بھی ورطۂ حیرت میں کھڑے سوچ رہے تھے کہ کیا کریں۔ اس واقعہ کے بعد گویا کہ پورے ماحول پر ایک سناٹا سا طاری ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے پولیس والوں نے شیکھر کو دبوچ لیا جس نے فرار ہونے کی کوئی کوشش نہ کی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

بدگمانی نے داؤد ابراہیم اور خالد پہلوان کے راستے جدا کردیئے

زیادہ منافع کیلئے خالد پہلوان نے داؤد ابراہیم کو سمندری راستے سے گولڈ اسمگلنگ کی راہ دکھائی- دبئی کے شیخوں سے براہ راست ڈیلنگ سے گینگ میں خالد کا رسوخ بڑھنے لگا- داؤد ابراہیم کو اپنی پوزیشن کمزور ہونا گوارا نہ تھا- یہ کھنچاؤ دونوں میں علیحدگی کا سبب بن گیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

بدلے اور خون خرابے کے اس سارے چکر میں ہمیں خالد پہلوان داؤد کے ساتھ کھڑا نظر نہیں آتا حالانکہ داؤد ابراہیم، صابر کے بعد اگر کسی شخص پر اندھا اعتماد کرتا تھا تو وہ خالد پہلوان ہی تھا۔ لیکن کبھی کبھی شکوک وشبہات بڑے گہرے دوستوں میں بھی خلیج حائل کردیتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی خالد پہلوان اور داؤد ابراہیم کے ساتھ بھی ہوا۔ کہانی کو آگے بڑھانے سے پہلے تھوڑا پیچھے جا کر دیکھتے ہیں کہ ان دونوں کی دوستی میں دراڑ آخر کیونکر پڑی۔ صابر کے قتل کے بعد خالد پہلوان نے محمد علی روڈ مسافر خانہ پر واقع دو منزلہ عمارت میں رہائش اختیار کرلی۔ خالد پہلوان، داؤد ابراہیم کا با اعتماد ساتھی تھا اور صابر کی موت کے بعد اب داؤد ابراہیم کو اس کی اور بھی ضرورت تھی۔ اسی لیے داؤد ابراہیم یہی چاہتا تھا کہ خالد پہلوان اس کے پاس ہی رہے۔ خالد پہلوان ایک ذہین اور شاطر انسان تھا۔ اس نے سوچا کہ بھتہ خوری اور لوٹ مار میں بہت زیادہ پیسہ نہیں، اب اس سے آگے بڑھنا چاہئے۔

داؤد ابراہیم دبئی کے کئی چکر لگا چکا تھا اور اس نے دبئی کے کئی شیخوں سے اپنے تعلقات بھی بنا لئے تھے۔ لیکن ابھی اس سلسلے میں بہت سا کام کیا جانا باقی تھا۔ کچرا پٹی لائن اور سونا اسمگلنگ کرنے کے دیگر طریقے بھی کچھ زیادہ منافع بخش نہ تھے۔ خالد پہلوان نے داؤد ابراہیم سے قریب ہونے کے بعد اس کے بارے میں سوچ بچار شروع کی کہ کس طرح بڑے پیمانے پر اسمگلنگ کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پیسہ کمایا جائے۔ خالد پہلوان ایسے لمبے ہاتھ مارنے کی فکر میں منصوبے بناتا رہتا تھا۔

بات بہت سیدھی سی تھی کہ ہوائی راستے سے بڑے پیمانے پر اسمگلنگ کرنا ناممکن تھا اس لیے بڑے پیمانے پر کارگو لانے کے لیے سمندری راستوں کا استعمال کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں انہیں یہ پلان کرنا تھا کہ کسٹم والوں سے کیسے نمٹا جائے۔ داؤد ابراہیم کو یہ منصوبہ تو بہت اچھا لگا لیکن اسے اس کا خاص تجربہ نہ تھا۔ البتہ خالد نے اسے یقین دلایا کہ یہ اسکیم قابل عمل ہے اور باقاعدہ ایک ٹھوس لائحہ عمل اس کے سامنے پیش بھی کردیا۔ اس منصوبے کے مطابق مچھیروں کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں سمندر یا پھر رے گاڈ اور علی باغ کے ساحلوں پر جائیں گی۔ خالد پہلوان کے مطابق یہ کشتیاں سری وردھان اور مہاسالہ کی چھوٹی چھوٹی بندرگاہوں پر لنگر انداز ہوسکتی تھیں۔ ان جگہوں سے یہ کشتیاں اسمگل شدہ سونا اور چاندی لانے والے جہازوں سے بھارتی سمندری حدود میں مال وصول کرسکتی تھیں۔ مال لے کر یہ کشتیاں مہاراشٹر اور دمان کے ساحلوں کی جانب واپس آسکتی تھیں۔ اس طرح کسٹم والوں کی نظروں سے بچ کر چار سے پانچ گھنٹوں میں اسمگل شدہ سامان کو جہازوں سے مطلوبہ جگہ تک پہنچانا ممکن تھا۔

کئی آزمائشی پھیروں کے بعد داؤد ابراہیم نے محسوس کیا کہ خالد پہلوان کی منصوبہ بندی واقعتاً بہت اچھی ہے۔ بڑے پیمانے پر سونے چاندی کی اسمگلنگ سے اب داؤد کی دولت اور اس کے اثر ورسوخ، دونوں میں بہت تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ تاہم سمندری اسمگلنگ کا آپریشن بنیادی طور پر خالد پہلوان کے ہاتھ میں تھا۔ جبکہ داؤد ابراہیم اسمگل شدہ مال کو شہر میں تقسیم کرنے اور بیچنے پر توجہ دے رہا تھا۔ جس دوران وہ مال تقسیم کے کام پر مامور نہ ہوتا تو اپنی معمول کی کارروائیوں کی جانب توجہ دیتا۔ بمبئی کی گلیاں داؤد ابراہیم کے لیے گھر کے آنگن جیسی تھیں۔ وہ انہیں گلیوں میں پل کر بڑا ہوا تھا اور ان کے چپے چپے سے واقف تھا اس لیے مال کی سپلائی اس کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھی۔ البتہ سمندری اسمگلنگ کے آپریشن کی باریکیوں سے داؤد ابراہیم کافی حد تک نابلد تھا۔ دبئی کے شیخوں سے بات چیت کرنا، سونا چاندی کے بھاؤ طے کرنا، پیسے کی لین دین اور مال کی بیرون ملک سے سپلائی پر خالد پہلوان مامور تھا۔ خالد پہلوان اس لیے بھی یہ سارے کام آسانی سے کرلیا کرتا تھا کہ وہ عربی بڑی مہارت سے بول لیتا تھا۔

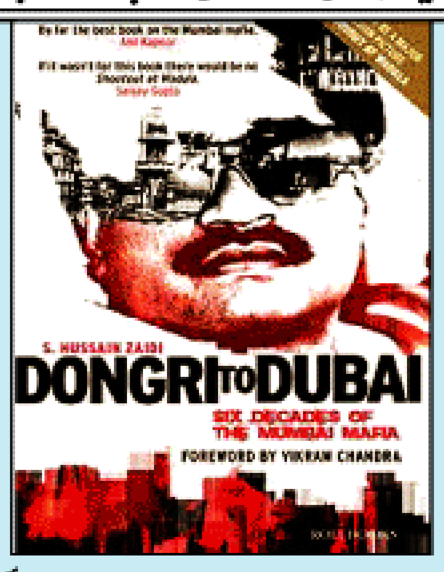

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرر ان ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

بین الاقوامی اسمگلنگ میں خالد پہلوان کے بڑھتے اثر ورسوخ کی وجہ سے جلد ہی داؤد ابراہیم کو محسوس ہونے لگا کہ بہت سے اہم معاملات آہستہ آہستہ خالد کے ہاتھ میں منتقل ہورہے تھے اور داؤد ابراہیم بذات خود محض اندرونِ ملک سپلائی تک محدود ہوتا جارہا ہے۔ داؤد ابراہیم بمبئی میں دفتر سنبھالے بیٹھا تھا جبکہ خالد دبئی میں شیخوں سے لین دین کے معاملات طے کررہا ہوتا تھا۔ کچھ اسی قسم کی باتیں اب گینگ کے اندرونی حلقوں میں بھی گردش کرنے لگی تھیں کہ خالد، باس اور داؤد ابراہیم کارندہ بنتا جارہا ہے۔ یہ باتیں سن کر داؤد ابراہیم کو تشویش ہونے لگی اور اس نے سوچا کہ اس معاملے پر خالد سے صاف صاف بات کرلینی چاہئے۔

داؤد نے خالد کو دفتر بلالیا اور اس سے اس سلسلے میں بات کی۔ گو کہ خالد پہلوان نے اپنی پوزیشن کی وضاحت کردی لیکن اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ ان کے درمیان اب ایک دراڑ پڑچکی ہے۔ خالد شش وپنج کا شکار تھا کہ ان معاملات سے کیسے نکلے۔ مگر وہ کسی بھی لحاظ سے داؤد ابراہیم کے ساتھ بات بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ داؤد ابراہیم اور خالد کی پارٹنرشپ اور دوستی کو اب سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن دونوں کے مابین بڑھتی خلیج اب صاف ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس کے چند ماہ بعد ہی خالد نے فیصلہ کرلیا کہ وہ پرامن طریقے سے داؤد ابراہیم کے گینگ سے الگ ہوجائے گا۔ خالد نے ٹھان لی کہ اب اسے زیادہ وقت اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ گزارنا چاہئے۔ اس نے بمبئی سے دور قرول باغ، نئی دہلی میں اپنے لیے ایک بنگلہ خرید لیا۔ داؤد ابراہیم تک یہ خبریں پہنچ رہی تھیں لیکن اس نے چپ سادھے رکھی۔ داؤد ابراہیم کی یہ خاموشی ان تمام معاملات پر ایک طرح سے رضامندی کا اظہار تھا۔ ابھی خالد جب داؤد ابراہیم گینگ سے علیحدگی کے منصوبے بنا ہی رہا تھا کہ داؤد ابراہیم اس سلسلے میں مشورے کی غرض سے جینا بائی دارو والی کے پاس گیا۔ داؤد ابراہیم نے جینا بائی سے کہا کہ وہ خالد اور گینگ کے معاملے پر اس سے مشورہ کرنے آیا ہے۔ داؤد ابراہیم، خالد سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ داؤد ابراہیم خود ہی تو خالد اور اس کے ساتھیوں کو اپنے گینگ میں لے کر آیا تھا۔

جینا بائی نے اس مسئلے پر کوئی تفصیلی بات نہیں کی۔ البتہ اگلی مرتبہ اسمگل ہونے والے سونے کے بارے میں چند معلومات دینے کو کہا۔ جب اسمگل شدہ سونے کی اگلی کھیپ پہنچی اور مسافر خانہ لائی جاچکی تو داؤد ابراہیم نے جینا بائی سے ملاقات کی اور اسے بتایا گاہکوں کو سپلائی کرنے سے پہلے کھیپ مسافر خانہ میں دو تین دن تک پڑی رہے گی۔

اسی دن کسٹم والوں نے مسافر خانہ پر چھاپہ مارا۔ وہاں موجود لوگ تو کسٹم پولیس کے ہاتھ نہ آئے، البتہ کسٹم اہلکاروں نے تمام سونا اور چاندی ضبط کرلیا۔ یہ خبر سن کر خالد پہلوان تو حیران ہوگیا۔ اس کھیپ کے بارے میں خود خالد اور داؤد ابراہیم کے سوا کوئی تیسرا بندہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کا دھیان داؤد ابراہیم کی جانب گیا لیکن اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ داؤد ابراہیم اسے دھوکا دے سکتا تھا۔ داؤد ابراہیم کے ساتھ یہ مسئلہ چھیڑ کر خالد کوئی جھگڑا بھی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اب اس نے گینگ کو چھوڑنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ اپنی اس ذاتی جنگ کے باوجود خالد گینگ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا تھا کیونکہ باشو دادا کے زوال کے بعد داؤد ابراہیم نے نہ صرف خالد پر اعتماد کیا تھا بلکہ اس اعتماد کو نبھایا بھی تھا۔ نیز انڈر ورلڈ ایک بند گلی ہے۔ یہاں آنے کا راستہ تو ہے جانے کا نہیں۔ بالفاظ دیگر اگر خالد گینگ کو تباہ کرنے کے بارے میں سوچتا تو اسے اس کے منفی اثرات کا ساری زندگی سامنا کرنا پڑتا۔ اس لیے پرامن انداز سے گینگ چھوڑ کر وہ خود کو ہمیشہ کے لیے محفوظ بنا سکتا تھا۔

خالد پہلوان اس لیے بھی اس گینگ کو ٹوٹتا نہیں دیکھنا چاہتا تھا کہ اسے مضبوط بنانے کے لیے اس نے دن رات محنت کی تھی اور بڑے منصوبے بنائے تھے۔ خالد ایسے لڑکوں کو اپنے گینگ میں لے کر آیا جن کا دیگر گروہوں سے تعلق تھا۔ ان میں اہم نام راما نائیک، ارون گاؤلی اور بابو ریشم کے تھے۔ ان کی وجہ سے چند دیگر لوگ بھی اس گینگ کی طرف کھنچے چلے آئے جن میں سنیل ساونت عرف سوتیا، منیش لالہ اور انیل پراب شامل تھے۔ داؤد ابراہیم سے حالات بگڑنے کے بعد بھی خالد نے گینگ کو کمزور کرنے کوشش نہیں کی۔ بالآخر خالد انگلستان چلا گیا، جہاں پرچون کی دکان چلانے والا اس کا پرانا دوست اقبال مرچی اب منشیات کا کاروبار کررہا تھا اور چاہتا تھا کہ خالد اس کے ساتھ مل کر کام کرے۔ اس کے بعد خالد نے دبئی کا رخ کیا اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ اس کے بعد خالد اور داؤد ابراہیم کی کبھی کسی پارٹی میں اتفاقاً ملاقات ہوجایا کرتی، لیکن اب دونوں میں وہ گرم جوشی باقی نہ رہی تھی۔

اس دوران داؤد ابراہیم ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ساتھ مزید طاقتور ہوتا چلا گیا۔ 1981ء میں ڈاکٹر دتہ سمنت نے ایک مل میں ہڑتال کی کال دی۔ اس ہڑتال کی وجہ سے مہاراشٹر سے آئے ہوئے بہت سے لڑکے جو مل میں کام کررہے تھے بے روزگار ہوگئے۔ یہ بے روزگار لڑکے بھی بالآخر انڈر ورلڈ کی جانب متوجہ ہوئے اور بالآخر داؤد اور گاؤلی گینگ کو مضبوط بنانے کا باعث بنے۔ اب داؤد گینگ طاقت اور علاقے کی وسعت کے لحاظ سے بہت مضبوط ہوچکا تھا۔

اس وقت اس کے گروپ میں جنوبی ہندوستان کا بڑا راجن اور مہاراشٹر کا چھوٹا راجن کام کررہے تھے۔ راجن کی جوڑی کے علاوہ شکیل لمبو اور چھوٹا شکیل پر مشتمل شکیلوں کی جوڑی بھی داؤد گینگ میں بہت مشہور تھی۔ بعد میں داؤد کو ڈینی، سنجے رگدا اور شرد شیٹی کی صورت میں بڑے کام کے لڑکے میسر آگئے۔

خالد پہلوان اس دوران انڈر ورلڈ سے کنارہ کش ہوکر گم نامی کی زندگی گزارتا رہا۔ انڈر ورلڈ کی دنیا میں یہ واحد مثال نظر آتی ہے کہ دو ڈان ایک دوسرے سے کسی خون خرابے کے بغیر جدا ہوگئے۔ بعد میں کبھی کبھی داؤد ابراہیم کو محسوس ہوتا تھا کہ خالد کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ اسے خالد کو روک لینا چاہئے تھا۔ کیونکہ خالد جیسا ذہین اور وفادار شخص پھر شاید اسے کبھی نہ مل سکا۔

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

حاجی مستان مدھو بالا کا عاشق تھا۔ اداکارہ کی ہم شکل سے شادی کی

PdfStuff.blogspot.com

بالی ووڈ کی مسلم پس منظر والی فلموں میں جلوہ گر ہونے والی سونا کو مستان نے جوہو میں عالیشان بنگلہ بنا کر دیا۔ ہر تقریب میں اسے ساتھ لے کر جاتا۔ بمبئی ڈان شیو سینا جیسی تنظیم بنانے کا خواہش مند تھا۔ کریم لالہ نے بھی لائن تبدیل کرنے کی ٹھان لی تھی۔ انڈر ورلڈ میں صرف داؤد ابراہیم رہ گیا۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

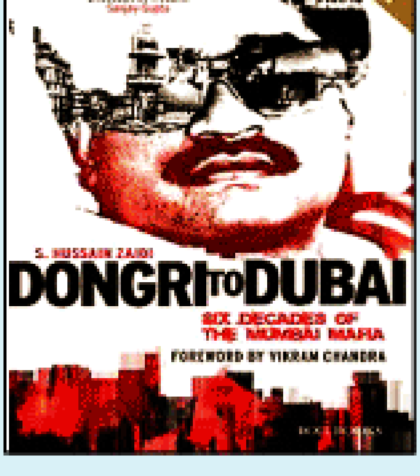

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارداراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

ایک جانب بمبئی مافیا کی انڈر ورلڈ میں نئے نئے طوفان آ اور جا رہے تھے تو دوسری جانب حاجی مستان ہنگاموں کی اس دنیا سے دور سماجی حلقوں میں اپنا ایک مقام بنانے میں مصروف تھا۔ حاجی مستان کے دل میں یہ خواہش جنم لینے لگی تھی کہ لوگ اسے اسمگلر مستان کی بجائے، محض حاجی مستان کے نام سے پکارا کریں۔

حاجی مستان نے زندگی میں تقریباً ہر وہ چیز حاصل کر لی تھی، جس کی کوئی شخص اس دنیا میں تمنا کر سکتا ہے۔ دولت، طاقت، اثر و رسوخ، شہرت، عیش و عشرت۔ مستان نے اپنی تین بیٹیوں قمر النسا، مہر النسا اور شمشاد کی اچھے گھرانوں میں شادیاں بھی کر دی تھیں۔ بیٹیوں کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر مستان اپنے آپ کو ہلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ البتہ اس کی شدید خواہش تھی کہ اس کی اولاد نرینہ ہو۔ عمر کے اس حصے میں پہنچ کر اسے شدت سے احساس ہونے لگا کہ اس کے بعد اس کے کاروبار کو سنبھالنے والا اور اس کی نسل کو زندہ رکھنے والا کوئی نہ کوئی ہونا چاہئے۔ مستان جب کبھی ابراہیم بھائی سے ملتا، اسے رشک ہوتا کہ خدا نے اسے اولاد کی نعمت سے مالا مال کیا ہے اور بیٹیوں کے ساتھ ساتھ چھ بیٹے بھی عطا کئے ہیں۔ اس سلسلے میں مستان خود کو ابراہیم بھائی کے سامنے مفلس محسوس کرتا تھا۔ جیسے جیسے عمر ڈھلتی جا رہی تھی، مستان کی اس خواہش کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مستان کا مذہب سے لگاؤ بڑھنے لگا اور وہ انسانی خدمت کے بارے میں سوچنے لگا۔ مستان نے ایک مرتبہ پھر مکہ اور مدینہ کی زیارت کیلئے سفر کیا۔ مستان نے نہ جانے کتنی ہی مرتبہ حج و عمرہ کیا تھا، لیکن اس مرتبہ اس کے جذبات کچھ اور ہی تھے۔ اس مرتبہ واپس لوٹنے پر مستان نے اپنے نام کے ساتھ حاجی کے لفظ کا اضافہ بھی کر لیا اور اب وہ حاجی مستان مرزا کہلانے لگا تھا۔

حاجی مستان اب مختلف بزرگوں کے مزاروں پر زیارت اور نیاز کے لیے جایا کرتا تھا اور ہر مرتبہ حاضری میں بیٹے کی پیدائش کے لیے منتیں مانگتا تھا۔ شہر کے بعد مستان نے ہندوستان کا کوئی مزار نہ چھوڑا، جہاں جا کر اس نے بیٹے کی پیدائش کی منت نہ مانگی ہو۔ وہ غریبوں کی بھی دل کھول کر مدد کرنے لگا۔ مستان جس کسی غریب کی مدد کرتا، اس سے درخواست ضرور کرتا کہ خدا سے دعا کریں کہ خدا اسے بیٹے جیسی نعمت سے نوازے۔ اپنے غم کو ہلکا کرنے کے لیے وہ مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے کی جانب بھی راغب ہوا۔ مستان کو اندازہ ہوا کہ فلمیں معاشرے پر بہت گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ مستان نے ٹھان لی کہ فلم کے پردے کو مذہب کا پیغام عام کرنے اور مسلمانوں کے مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے استعمال کرے گا۔ اس لیے حاجی مستان اب بالی ووڈ سے قریب تر ہو گیا۔ 1970ء کی دہائی کے اوائل میں مسلم معاشرے کی عکاسی کرتی فلموں کا ایک سلسلہ سینما گھروں میں نظر آتا تھا، جیسا کہ میرے غریب نواز، نیاز اور نماز، بسم اللہ کی برکت، اولیائے ہند، دیار مدینہ اور اسی قسم کی دیگر بہت سی فلمیں۔

فلم سازی کے دوران حاجی مستان کا آمنا سامنا وینا شرما عرف سونا سے ہوتا ہے۔ مدھو بالا ہندوستانی فلم انڈسٹری میں خوب صورت ترین ہیروئن مانی جاتی ہے۔ وینا شرما کی صورت مدھو بالا سے بہت مشابہہ تھی اور فلم انڈسٹری میں اس کی آمد بنیادی طور پر اسی مشابہت کی ہی مرہون منت تھی۔ جوانی کے دور میں حاجی مستان مدھو بالا کی فلمیں شوق سے دیکھا کرتا تھا۔ وہ اس کا عاشق تھا اور مدھو بالا سے شادی کرنے کی شدید خواہش بھی رکھتا تھا۔ بالی ووڈ میں مشہور تھا کہ مدھو بالا جیسی حسین اداکارہ پھر کبھی پیدا نہ ہو گی۔ لیکن جب سونا بالی ووڈ کی مسلم پس منظر والی فلموں میں جلوہ گر ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ مدھو بالا نے دوسرا جنم لے لیا ہے۔

مستان نے اسے فوراً ہی شادی کا پیغام بھیج ڈالا اور اس نے بخوشی یہ رشتہ منظور بھی کر لیا۔ مستان ایک انتہائی اہم فلم پروڈیوسر تھا اور سونا ابھی فلم انڈسٹری میں اپنا مقام بنانے میں کوشاں تھی، اس لیے اسے یہ رشتہ اپنے روشن مستقبل کے لیے بہت موزوں محسوس ہوا۔ مستان نے سونا کے لیے جوہو میں ایک عالیشان بنگلہ خریدا اور خود بھی اس کے ساتھ وہیں منتقل ہو گیا۔ جلد ہی حاجی مستان اپنی نئی بیگم کے ساتھ مختلف سماجی محفلوں میں بھی جلوہ گر ہونے لگا۔ حاجی مستان کی پوری کوشش ہوتی کہ ہر فنکشن میں وہ اور اس کی بیوی دلیپ کمار اور سائرہ بانو کے ساتھ تصاویر ضرور کھنچوائیں۔ اس کے علاوہ حاجی مستان دیگر اہم سماجی شخصیات سے بھی ملتا اور ان کے ساتھ بھی تصاویر کھنچوانے کو ترجیح دیتا۔ اس نے اپنے بنگلے کی دیواروں پر ان تصاویر کو بڑے اہتمام سے آویزاں کر رکھا تھا۔ بالخصوص ایسی تصاویر جن میں دلیپ کمار اور سائرہ بانو ان کے ساتھ تھے۔ جلد ہی حاجی مستان ایک سماجی شخصیت کے طور پر شہرت پانے لگا اور اس کی اسمگلنگ کی زندگی ماضی کے کسی باب کا عنوان محسوس ہونے لگا۔

کبھی کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ حاجی مستان نے یہ سب کچھ کیا ہی اس لیے تھا کہ لوگ اس کے ماضی کو بھول جائیں اور اسے معاشرے میں ایک نیا اور صاف ستھرا کردار مل سکے۔ معاشرے میں اعلیٰ سماجی حیثیت اور قابل احترام مقام تو حاجی مستان کی ہمیشہ سے شدید خواہش رہی تھی۔ بمبئی کے مسلمانوں کے پاس ایسا کوئی لیڈر موجود نہ تھا، جو کہ معاشرے میں ایک معتبر مقام پر فائز ہو۔ مستان بمبئی کے مسلمانوں کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس خلا کو پر کرنے کا خواہاں بھی تھا۔ حاجی مستان اپنی اس خواہش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہا اور لوگ اس کے ماضی کو بھول کر اب اسے اپنا خیر خواہ سمجھنے لگے تھے۔

حاجی مستان کو تمام اہم سماجی محافل میں دعوت دی جانے لگی تھی اور اسے اہم مقام پر بٹھایا جاتا تھا۔ حاجی مستان کو ہر فنکشن میں تقریر کی دعوت بھی دی جاتی تھی۔ حاجی مستان بھی ان مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتا اور دھواں دھار تقریریں کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ اسپیشل برانچ (ایس بی ا-) اس قسم کے پروگراموں میں اپنی موجودگی کو ہمیشہ ممکن بناتی تھی اور حاجی مستان کی تمام سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ محکمہ پولیس کے لیے حاجی مستان کی یہ سرگرمیاں کوئی نیک شگون نہ تھیں۔ ان پروگراموں کی تمام روداد اسپیشل برانچ والے منترالیہ میں موجود اپنے اعلیٰ حکام تک باقاعدگی کے ساتھ پہنچا رہے تھے۔

PdfStuff.blogspot.com

1984ء کے لسانی فسادات کے دوران جب حکومت نے فیصلہ کیا کہ تمام شر پسند عناصر کو پابند سلاسل کیا جائے تو اعلیٰ حکام نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ مافیا ڈانوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیجنے کا یہی مناسب موقع ہے۔ مشہور و معروف سینئر انسپکٹر زینڈے کو یہ ٹارگٹ دیا گیا اور اس نے حاجی مستان اور کریم لالہ کو گرفتار کر کے نیشنل سیکورٹی ایکٹ (ناسا) کے تحت دونوں پر مقدمہ قائم کروا دیا۔ حاجی مستان گرفتاری کے وقت اپنے جوہو والے بنگلے میں روپوش تھا، لیکن زینڈے وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد زینڈے گرانٹ روڈ پر واقع طاہر منزل پہنچا اور کریم لالہ کو بھی گرفتار کر لایا۔

کریم لالہ اور حاجی مستان پر ناسا کے تحت مقدمہ چلا کر فرد جرم عائد کر دی گئی اور انہیں تھانہ جیل میں کئی ماہ قید سخت کاٹنا پڑی۔ یہ وقت حاجی مستان پر کڑی آزمائش تھا۔ پیسہ، شہرت، بالی ووڈ کے تعلقات کچھ بھی کام نہ آ رہا تھا۔ حاجی مستان چاہتا تھا کہ لوگوں کا ایک ایسا پریشر گروپ تشکیل دیا جائے جو کہ ہڑتالوں، ٹریفک جام اور نعروں کے ذریعے اس کی رہائی کے لیے راہ ہموار کرے۔ بالآخر اپنے مشیروں اور جینا بائی سے مشاورت کرنے کے بعد حاجی مستان نے ایک منصوبہ بنایا کہ کیوں نہ ہندو دلتوں اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جائے۔ ہندوستانی معاشرے میں یہ دونوں سماجی گروہ ایک ہی طرح کی زندگی گزار رہے تھے۔ دونوں گروہ تمام سماجی حقوق سے محروم تھے، اس لیے مشترکہ مفادات کی بنیاد پر انہیں قریب تر لایا جا سکتا تھا۔ دوسری جانب مسلمان اور دلت بذات خود بھی یہ محسوس کرتے تھے کہ ہر حکومت نے ان کا استحصال ہی کیا ہے۔ اس طرح سے ترتیب پانے والا سیاسی پریشر گروپ ایک جانب تو حاجی مستان کی رہائی کے لیے موثر ہو سکتا تھا اور دوسری جانب شیو سینا کے لیے منہ توڑ جواب بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ حاجی مستان کا خواب تھا کہ وہ بال ٹھاکرے کی شیو سینا سے بھی زیادہ مضبوط سیاسی پریشر گروپ ترتیب دے۔

کئی دلت رہنماؤں سے ملنے کے بعد آخر کار ایک سینئر دلت رہنما اور دانشور جوگندرا کواڑے، نے حاجی مستان کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی حامی بھر لی۔ اس طرح 1985ء میں دلت، مسلم سرکھشہ مہاسنگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بھاری بھر کم میڈیا کوریج کے باوجود یہ پارٹی اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ حاجی مستان کی تمام تر کوششوں اور فنڈز کی فراہمی کے باوجود یہ پارٹی خاطر خواہ مقام حاصل کرنے میں ناکام رہی۔

حاجی مستان کے خلاف کئے جانے والے تمام اسمگلنگ کے مقدمات نمٹائے جا چکے تھے۔ ان مقدمات سے جان چھڑانے کے بعد اب مستان نے رئیل اسٹیٹ کے بزنس اور سیاست کو وقت دینا شروع کر دیا۔ حاجی مستان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کریم لالہ نے بھی اپنی اصلاح کرنے کی ٹھان لی۔ اب کریم لالہ نے اپنے ہوٹل کے بزنس پر توجہ دینا شروع کر دی اور جرائم کی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس وقت تک باشو دادا حیدرآباد ہجرت کر چکا تھا اور اس نے بمبئی کبھی نہ لوٹنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

اب انڈر ورلڈ میں صرف ایک ہی شخص باقی بچا تھا، جو کہ بمبئی مافیا پر راج کرنے کے لیے پر عزم دکھائی دیتا تھا اور وہ تھا داؤد ابراہیم۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

قسط نمبر 30

ترجمہ: عبدالقادر

بمبئی مافیا کا اہم کردار چھوٹا راجن سنیما ٹکٹ بلیک کرتا تھا

ٹکٹ بلیک کرنے والوں کیخلاف کریک ڈاؤن کرنے پر چھوٹا راجن نے پانچ پولیس اہلکاروں کی دھنائی کر کے علاقے میں دہشت بٹھادی-بڑا راجن کے قاتل کنجو پر پے در پے حملے کر کے اپنا لوہا منوالیا-جلد داؤد ابراہیم کی نگاہ انتخاب اس پر جا ٹھہری-بمبئی ڈان سے مل کر دوست کا بدلہ لینے میں کامیاب ہوگیا-بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

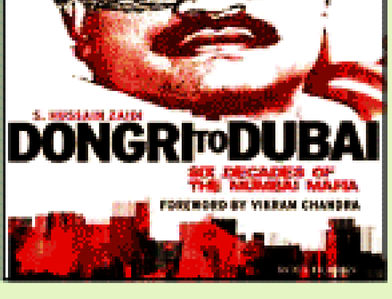

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔وہ ایشین ایج،ممبئی ٹیرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

راجن نائر عرف بڑا راجن کے قتل کے بعد چھوٹا راجن کا بمبئی انڈرورلڈ کا ایک اہم کردار بن رہا تھا۔چھوٹا راجن کا اصل نام راجندر انکھال جی تھا۔وہ پہلے چیمبر کے علاقے میں شاکار سینما کے باہر ٹکٹ بلیک کیا کرتا تھا۔اس کا والد تھانے کے علاقے میں ہوئسٹ کمپنی میں بطور ورکر کام کرتا تھا۔چھوٹا راجن کے تین بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ان کا تعلق ستارہ کے گاؤں لونار سے تھا۔ پانچویں جماعت سے اسکول چھوڑنے کے بعد راجن نے گلی محلے کے لوفر لڑکوں کے ساتھ گھومنا شروع کر دیا اور جگدیش شرما عرف گونگا کے گینگ میں شامل ہوگیا۔

1979ء میں پولیس والوں نے فلم کی ٹکٹیں بلیک کرنے والوں کے خلاف ایک بڑا کریک ڈاؤن کیا۔ پولیس شاکار سینما بھی آئی اور وہاں لاٹھی چارج شروع کر دیا۔چھوٹا راجن نے غصے کے عالم میں ایک پولیس والے سے لاٹھی چھین لی اور پولیس والوں کی دھنائی شروع کر دی۔ چھوٹا راجن اس قدر جذبات میں تھا کہ اس نے پانچ پولیس والوں کو بری طرح زخمی کر دیا۔اس واقعے کے بعد سے لوگوں میں چھوٹا راجن کی کافی دہشت بیٹھ گئی تھی۔

شمال مشرقی بمبئی میں کام کرنے والے تمام بڑے بڑے گینگ اس بات کے خواہش مند تھے کہ چھوٹا راجن ان کے گینگ میں شامل ہو جائے۔ بہرحال یونہی دن گزرتے رہے اور چھوٹا راجن، بڑا راجن (راجن نائر) کے پاس پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ہاتھ ملا لیا۔کنجو کے دھوکے کے بعد چھوٹا راجن کی بڑا راجن کے گینگ میں اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی۔چھوٹا راجن جانتا تھا کہ بڑا راجن، کنجو سے سخت دشمنی رکھتا ہے، کیونکہ کنجو نے اس کی گرل فرینڈ سے شادی کرلی تھی۔ بڑا راجن اس معاملے پر کنجو سے بات بھی کرنا چاہتا تھا، لیکن کوئی مناسب موقع اس کے ہاتھ آ نہیں پا رہا تھا۔

جب چھوٹا راجن کو علم ہوا کہ کنجو نے بڑا راجن کو عدالت میں قتل کر دیا ہے تو چھوٹا راجن کو بہت تکلیف ہوئی۔ کنجو نے بڑا راجن کے گینگ کے آدمیوں کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔چھوٹا راجن اور اس کے آدمیوں نے کنجو کی تلاش شروع کر دی۔ کنجو پناہ کی تلاش میں عالم زیب کے پاس گیا۔لیکن عالم زیب نے اسے دھتکار دیا اور کہا ''تمہیں اپنی حفاظت خود کرنا چاہئے، دفعہ ہو جاؤ یہاں سے''۔

کنجو اپنی زندگی بچانے کے لیے در در کی ٹھوکریں کھا رہا تھا، جبکہ چھوٹا راجن اسے تلاش کر رہا تھا۔ کنجو جہاں بھی چھپتا، چھوٹا راجن وہاں پہنچ جاتا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ چھوٹا راجن کے آنے سے چند ہی لمحات قبل کنجو فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔ چھوٹا راجن نے بڑا راجن کی جگہ لے لی تھی۔ اور کنجو کو ٹھکانے لگانا اس کے لیے عزت کا مسئلہ بن گیا تھا۔

بالآخر تھک ہار کر کنجو نے سوچا کہ بہتری اسی میں ہے کہ خود کو پولیس کی تحویل میں دے دیا جائے تاکہ کم از کم جان تو بچ سکے۔ 9 اکتوبر 1983ء کو کنجو کرائم برانچ کے دفتر پہنچا اور خود کو پولیس کی حراست میں دے دیا، لیکن کنجو کے اندازے غلط تھے کہ پولیس کی تحویل میں وہ چھوٹا راجن سے محفوظ رہ سکے گا۔ چھوٹا راجن، انڈرورلڈ مافیا میں طویل عرصہ گزار چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ کس طرح پولیس والوں کو رشوت دے کر ان سے کام نکالا جا سکتا ہے۔ چھوٹا راجن نے ہر ممکن کوشش کی اور ہر اس پولیس اہلکار کو رشوت دی جو رشوت سے خریدا جا سکتا تھا، تاکہ کنجو کو ٹھکانے لگایا جا سکے۔

بالآخر کنجو کو جیل کے اندر بھی اپنی جان کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ جب چھوٹا راجن کو علم ہوا کہ 22 جنوری 1984ء کو کنجو کو وکرولی کی عدالت میں لے جایا جائے گا تو اس نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ کنجو کو بھی اندازہ تھا کہ چھوٹا راجن سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور وہ اس دوران کوئی کارروائی کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔

PdfStuff.blogspot.com

مافیا میں اصل مسئلہ بدلہ لینا نہیں، بلکہ اسی انداز سے بدلہ لینا ہے جس انداز سے دشمن نے وار کیا ہو۔اسی لیے امیرزادہ کے قتل کا بدلہ بھی بڑا راجن سے عدالت کے اندر ہی لیا گیا تھا۔اگر بڑا راجن کی ضمانت ہو جاتی اور ضمانت پر رہا ہونے کے بعد اسے گولی مار بھی دی جاتی تو اس سے عالم زیب کو تسکین نہ ہوتی۔اسی طرح چھوٹا راجن بھی کنجو کو پولیس کی تحویل میں ہی مارنا چاہتا تھا۔اگر کنجو باہر آ جاتا تو چھوٹا راجن کو بدلہ لینے میں مزہ نہ آتا۔

کنجو انڈرورلڈ مافیا کے قوانین سے اچھی طرح واقف تھا۔

وہ جانتا تھا کہ چھوٹا راجن کی گولی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عدالتی تحویل میں ہی رہے اور جہاں تک ممکن ہو عدالت کے احاطے سے دور رہے۔22 جنوری کو جب کنجو کو عدالت لے جایا جا رہا تھا، اس نے اپنی حفاظت پر مامور پولیس اہلکاروں کو رشوت کی پیشکش کی کہ اسے پولیس وین کی بجائے اس کی اپنی کار میں عدالت جانے دیا جائے۔اس نے پولیس والوں سے وعدہ کیا کہ فرار ہونے کی ہرگز کوشش نہیں کروں گا۔اپنی بات کی سچائی کی دلیل اس نے کچھ اس طرح پیش کی کہ ''میں تو خود پولیس کی تحویل میں رہنا چاہتا ہوں۔اگر میں فرار ہو کر باہر چلا گیا تو چھوٹا راجن مجھے قتل کر ڈالے گا''۔اس نے پولیس والوں کو یہ سمجھانے کی کوشش بھی کی کہ پولیس وین میں وہ اپنے دشمنوں کی نظروں میں آسانی سے آ جائے گا، جبکہ اپنی ایمبیسیڈر کار میں وہ اپنے دشمنوں سے بچ کر عدالت میں پیش ہو سکتا ہے۔لیکن کنجو کے اندازے غلط نکلے۔پیشی کے بعد جب کنجو کو اس کی گاڑی میں واپس لے جایا جا رہا تھا تو پولیس پارٹی نے دیکھا کہ کنجو کی ایمبیسیڈر کے پیچھے ایک اور گاڑی آ رہی ہے۔جب چھوٹا راجن کی گاڑی کنجو سے ذرا آگے بڑھی تو کنجو کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔جب تک کنجو اپنے حواس درست کرتا اس کی گاڑی چیمبر کے علاقے میں ایک سگنل پر آ کر رک گئی۔اسی لمحے دوسری کار کے لوگوں نے یکدم گاڑی گھمائی اور کنجو پر اندھادھند فائرنگ کر دی۔

چھوٹا راجن کا پروگرام یہ تھا کہ کنجو پر گولیاں برساتے ہی فوراً وہاں سے نکل پڑیں گے اور پولیس کی جانب سے کسی بھی جوابی کارروائی سے بچنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ٹریفک رکتے ہی ان لوگوں نے گولیوں کی بوچھاڑ کر ڈالی اور جیسے ہی ٹریفک کھلی انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔فائرنگ کرنے والوں کو اندازہ نہ ہوا کہ کنجو کو کاندھے میں صرف ایک گولی لگی ہے اور یہ کہ ایک پولیس اہلکار بھی فائرنگ کی زد میں آ گیا ہے۔

کنجو اس حملے میں بچ تو گیا، لیکن وہ بری طرح سہم گیا تھا۔اب اسے نفسیاتی طور پر ہر جگہ چھوٹا راجن کے کارندے نظر آنے لگے تھے۔پولیس والوں کو آج بھی یاد ہے کہ کنجو اچانک چلاتا ہوا جیل میں اٹھ جایا کرتا تھا اور پسینے سے شرابور ہو جایا کرتا تھا۔ایسے میں خوف کے مارے اس کی بری حالت ہو جاتی تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

کئی ماہ تک کچھ بھی نہ ہوا اور پولیس والے بھی سمجھے کہ چھوٹا راجن نے اب کنجو کو مارنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔کنجو اب تک ذہنی سکون حاصل نہ کر پایا تھا۔اسے معلوم تھا کہ چھوٹا راجن بدلہ لیے بغیر نہیں رہے گا اور اگلی مرتبہ موقع ملنے کا انتظار کر رہا ہوگا۔

کنجو پر دوسرا حملہ 25 اپریل 1984ء کو اس وقت کیا گیا، جب کنجو کو پولیس کی تحویل میں کاندھے کے زخموں کی وجہ سے جے جے اسپتال لے جایا جا رہا تھا۔کنجو کو کئی مرتبہ علاج کے لیے جے جے اسپتال لے جایا جا چکا تھا، اس لیے پولیس والوں کو کسی ناخوشگوار واقعے کی توقع نہیں تھی۔

چھوٹا راجن کی خاص بات یہ تھی کہ وہ ہمیشہ ایسی کارروائی کرتا تھا کہ پولیس والے حیران رہ جاتے تھے۔پولیس اہلکار کنجو کو اپنی تحویل میں ڈاکٹر کے کمرے میں لے کر جا رہے تھے کہ کمرے کے باہر بیٹھے ایک مریض نے اچانک ہی اپنے ہاتھ سے پلاستر اتارا تو اس میں سے ایک پستول برآمد ہوا۔اس شخص نے پستول نکالتے ہی گولیاں برسا دیں۔اس فائرنگ کی زد میں آ کر ایک دوسرا مریض چل بسا، جبکہ کنجو ایک مرتبہ پھر کاندھے پر گولی لگنے سے زخمی ہو گیا۔معجزاتی طور پر کنجو ایک بار پھر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔لیکن ان کارروائیوں کی وجہ سے چھوٹا راجن، داؤد ابراہیم کی نظروں میں آ گیا تھا۔

جس انداز سے مستقل چھوٹا راجن، کنجو کو تلاش کر رہا تھا اور اس پر تابڑتوڑ حملے کر رہا تھا، وہ داؤد ابراہیم کو بہت پسند آئے۔داؤد ابراہیم نے ہر معاملے پر نظر رکھی ہوئی تھی کہ کس کس انداز سے چھوٹا راجن منصوبہ بندی کر کے کارروائیاں کر رہا ہے۔داؤد ابراہیم نے چھوٹا راجن کو مسافر خانہ بلوایا اور باقاعدہ اسے اپنے گینگ میں شامل کر لیا۔چھوٹا راجن، بڑا راجن کے ساتھ پہلے بھی داؤد ابراہیم کے پاس آ چکا تھا اور اس کے لیے کام بھی کر چکا تھا، لیکن یہ اس کے لیے ایک سنہری موقع تھا۔داؤد ابراہیم گینگ میں آنے کے فوراً بعد ہی چھوٹا راجن نے کنجو کو ایک کامیاب کارروائی کے دوران موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔

یہ واقعہ 1987ء میں چیمبر کے علاقے میں رونما ہوا تھا۔کنجو نے کافی عرصے سے چھوٹا راجن کو نہیں دیکھا تھا۔کنجو اب باہر آ چکا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ اب چھوٹا راجن معاملے کو بھول چکا ہوگا اس لیے باہر آنا جانا اس کے لیے خطرناک نہ ہوگا۔کنجو اور چند دوسرے ساتھی ایک میدان میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ان سب نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے، جیسا کہ کرکٹ کے کھلاڑی پہنا کرتے ہیں۔کھیل زور و شور سے چل رہا تھا اور سب کا دھیان کھیل کی جانب تھا۔اسی اثنا میں چند دیگر افراد بھی سفید یونیفارم میں ملبوس میدان میں داخل ہوئے، لیکن کسی کا دھیان ان کی جانب نہیں گیا۔اس سے پہلے کہ کنجو اور اس کے ساتھیوں کو حالات کی نزاکت کا اندازہ ہوتا، ان سب لوگوں نے اپنی چھریاں، ٹوکے اور پستولیں ہوا میں لہرانا شروع کر دیں۔ان تمام افراد نے کنجو پر یلغار کر دی۔جس وقت تک کنجو کے ساتھی اس تک پہنچتے، چھوٹا راجن کے کارندے اسے گولیوں سے چھلنی کر چکے تھے۔کنجو کی جان بچانے کے لیے آنے والے ساتھی بھی اسی طرح دردناک موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ایک منٹ کے اندر اندر یہ سب کچھ ہو گیا۔اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کرتا حملہ آور بڑے اطمینان کے ساتھ میدان سے واپس لوٹ گئے۔

☆☆☆☆☆

روزنامہ امت کراچی/حیدر آباد

PdfStuff.blogspot.com

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراهیم نے صابر کے قاتل صمد خان کو بھی مار ڈالا

کریم لالہ نے بے راہ رو صمد سے لاتعلقی کا اشتہار شائع کر دیا تھا۔ اپنے چچا کیخلاف اس نے داؤد ابراہیم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ نہ چاہنے کے باوجود بمبئی ڈان نے دشمن کو معاف کر دیا۔ لیکن جب صمد نے نورا کو زخمی کیا تو داؤد ابراہیم نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد پولیس پوری تیاری کے ساتھ داؤد ابراہیم کے پیچھے پڑ گئی۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

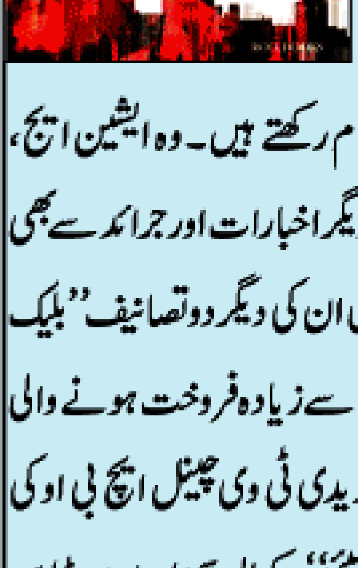

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئ'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئ سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

چار اکتوبر 1984ء کا دن تھا۔ بمبئی کی سڑکوں پر لوگ خوشی سے ناچ اور گا رہے تھے۔ بھارت میں اس دن کو دسہرہ کا میلہ کہتے ہیں۔ ہندو مذہب کے مطابق اس دن رام نے راون کو شکست دی تھی۔ یہ حق و باطل کی جنگ تھی جس میں حق جیت گیا تھا۔

لوگ ولا بھائی پٹیل روڈ پر دیوانہ وار دوڑ رہے تھے اور ہر شخص خوشی سے پاگل نظر آ رہا تھا۔ جب صمد خان نے سات منزلہ سیکا نگر بلڈنگ کی کھڑکی سے نیچے دیکھا تو وہ بھی ان نظاروں میں کچھ کھو سا گیا۔ وہ یہاں شلپا زویری سے ملنے آیا تھا۔ صمد خان اپنی بے راہ روی، شدت پسندی اور تشدد کیلئے مشہور تھا۔ یہاں تک کہ اس کی اپنی کمیونٹی کے دیگر لوگ بھی اس سے ملنے سے کتراتے تھے۔ کریم خان عرف کریم لالہ نے بمبئی کے مشہور اخبار ''انقلاب'' میں بہت بڑا اشتہار دے رکھا تھا..... ''میرا صمد خان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے جو کوئی بھی معاملات طے کرے اپنی ذمہ داری پر کرے۔ میں اس کے کسی کام کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ میں اس کے ساتھ کسی بھی قسم کے لین دین کی ذمہ داری بھی قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں''۔

صمد خان انتہائی غصے میں تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے اسے دھتکارا گیا ہو۔ اپنے قبیلے سے روایتی وفاداری اب اس کیلئے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا چچا جو اس کیلئے کسی ہیرو سے کم نہ تھا، اب ایک ناقابل برداشت حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔ یہ اس کی سر عام بے عزتی تھی اور اس سے پٹھان گروپ میں پھوٹ بھی پڑ سکتی تھی۔ صمد خان سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کریم لالہ نے آخر کن وجوہات کی بنا پر ایسا کیا تھا۔ جب بھی صمد خان کوئی جرم کرتا پولیس والے کریم لالہ کو تھانے لے جاتے۔ کرائم برانچ کے دفتر اور عدالتوں کے چکر، بار بار کی تفتیش، اب لالہ کے بس سے باہر ہو رہی تھی۔ اس لیے لالہ کو یہی حل سمجھ میں آیا کہ اس کی حرکتوں سے بذریعہ اخبار لاتعلقی کا اظہار کر دیا جائے۔

صمد خان ایک انا پرست انسان تھا۔ اس نے سوچا کہ اب تک اس نے جو شیر کہتا تھا۔ اسے اپنے چچا کے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے جین نامی بزنس مین کو قتل کرنے کی سپاری دی گئی تھی۔

صمد خان ہوٹل میں داخل ہوا تو وہ اپنے انداز گفتگو اور چال ڈھال کے سبب ہوٹل میں بیٹھے لوگوں سے بالکل ہی مختلف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ استقبالیہ پر پہنچا اور گرجتے ہوئے بولا ''جین کون سے کمرے میں ہے؟''۔ ہر ہوٹل کی پالیسی ہوتی ہے کہ گاہک کی مرضی کے بغیر کمرے کا نمبر نہیں بتاتے، لیکن استقبالیہ پر بیٹھے شخص کو صمد خان کا انداز کچھ مناسب معلوم نہ ہوا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس نے کمرے کا نمبر نہ بتایا تو شاید کچھ بہت ہی برا ہو جائے۔ اس نے خالصتاً انگریزی لہجے میں کہا ''1921''۔ اس کا خیال تھا صمد خان کو یہ سمجھ ہی نہ آئے گا، لیکن ''1921'' کے ہندسے صمد خان کے ذہن پر نقش ہو چکے تھے اور اب وہ رات چھانے کا انتظار کرنے لگا تھا۔ رات ہوتے ہی وہ ہوٹل میں آیا اور ادھر ادھر دیکھے بغیر اپنے دو ساتھیوں سمیت ہوٹل کی انیسویں منزل پر چلا گیا۔ اس نے کمرہ نمبر 1921 کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک چھوٹے قد کے شخص نے دروازہ کھولا۔ صمد نے کہا ''تیرا نام جین ہے؟''۔ اس شخص سے شاید کسی نے اتنی بدتمیزی سے بات کبھی نہ کی ہوگی۔ وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ لیکن جب اس نے خطرناک عزائم کے ساتھ تین افراد کو سامنے کھڑا دیکھا تو اس پر خوف بھی طاری ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے ایک گھونسا منہ پر لگنے سے جین کمرے کے اندر جا گرا۔ تینوں افراد لاتوں، مکوں اور گھونسوں سے اسے بری طرح پیٹ رہے تھے اور وہ زمین پر لیٹا درد سے کراہ رہا تھا۔ پھر اچانک مار پیٹ کا سلسلہ بند ہوا اور اسے پیروں سے گھسیٹا گیا۔ صمد خان نے ایک موم بتی جلا کر جین کے چہرے سے قریب کی اور گھمانے لگا۔ اور پھر اس کے جسم پر موم بتی کی گرم گرم موم ٹپکانے لگا۔ جیسے جیسے جین درد سے چیختا، صمد خان کے چہرے پر شیطانی قہقہے نمایاں ہو جاتے۔ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ ان بڑے ہوٹلوں کے کمرے اس انداز سے بنائے جاتے ہیں کہ اندر کی آواز باہر اور باہر کی آواز اندر نہ آنے پائے۔ اس لیے ہوٹل انتظامیہ کو خبر نہ ہوئی کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ جب تشدد کرتے کرتے یہ لوگ تھک گئے تو انہوں نے جین کو ایک رسی سے باندھ کر پھانسی دے دی۔ صمد خان ایک جذباتی انسان تھا، اس نے جذبات اور پیسے کی لالچ میں آ کر جلد بازی میں غلط بندہ قتل کر دیا تھا۔ اگلی صبح اسے پتہ چلا کہ جس جین کو اس نے قتل کیا ہے وہ ٹیکس کے محکمے میں ایگزیکٹو آفیسر تھا۔ جبکہ اس کا اصل ٹارگٹ رنویر جین تھا، جس کی سپاری اسے دی گئی تھی۔ اس لیے کام مکمل نہ کرنے پر اسے کوئی معاوضہ نہ دیا گیا۔ اس کے بعد صمد خان ہوٹل سے روک پہنچا اور اپنے اصل ہدف کو پا لیا۔ صمد خان نے رنویر جین کو قتل کر کے معاوضہ حاصل کر لیا۔

صمد خان 1983ء سے 1984ء کے دوران آرتھر روڈ جیل میں قید تھا۔ گو کہ اس دوران داؤد گینگ کے بہت سے لوگ بھی اسی جیل میں موجود تھے لیکن صمد خان سب سے بھاری تھا۔ وہ جیل میں بھی دادا گیری کرتا تھا۔ جیل کے اندر ہی وہ گواہوں کو ڈراتا دھمکاتا اور لوگ اس سے مدد مانگنے کے لیے آتے۔ یہاں تک کہ اس نے جیل انتظامیہ کو بھی اپنے ہاتھ تلے کر رکھا تھا۔ صمد خان کی کھولی میں رنگین ٹی وی اور وی سی آر بھی رکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور قیدی کو اس قسم کی سہولیات میسر نہ تھیں۔ جیل کے اندر ہی وہ دربار بھی لگایا کرتا تھا اور اندر ہی وہ بھتے بھی وصول کیا کرتا تھا۔ اس کے اس انداز کو دیکھ کر لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اگر جیل کے اندر رہ کر یہ شخص اتنا کچھ کر سکتا ہے تو جیل سے باہر یہ کیا کچھ کرتا ہوگا۔ جیل کے اندر لوگ اس کے خوف سے مرعوب تھے اور ان کی نفسیات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ نہ صرف ان سے پیسے لیتا تھا بلکہ خدمت بھی کرواتا تھا۔

صمد خان بڑے فخر سے اس واقعے کو بھی یاد کیا کرتا تھا جب کالیا انتھونی اور کنجو نے پاسپورٹ ایجنٹ راجا سنگھ ٹھاکر کے قتل کے مقدمے میں اس کے خلاف پیش ہونے والے دو گواہوں کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا۔ صمد خان کو معلوم تھا کہ سیشن کورٹ کا فیصلہ انہی دو گواہوں کی گواہی پر منحصر تھا اس لیے انہیں چپ کرانا ضروری ہے۔ یہ دو گواہ غلام حسین اور نصیر حسین تھے۔ صمد خان نے سوچا کہ اگر یہ دو گواہ اپنی گواہی سے باز آ جائیں تو مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں آ سکتا ہے اور با آسانی ضمانت پر رہا ہو سکتا ہے۔ صمد خان نے اسی دربار میں ان دونوں گواہوں کو بلوایا، جہاں انتھونی، کنجو اور ان کے گینگ کے دیگر افراد بھی موجود تھے۔ پہلے تو اس نے دونوں کے بال منڈھوا دیئے۔ اس کے بعد اس نے گواہوں سے کہا کہ تم سمجھ گئے ہو گے کہ اگر تم اپنی حرکت سے بعض نہ آئے تو یہ استرا اگلی مرتبہ تمہاری شہ رگ پر ہوگا۔ اس نے ان سے یہ بھی کہا کہ وہ انہیں جیل کے اندر بھی مروا سکتا ہے اور اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ کوئی ان کی مدد کو آئے گا۔ اس ڈرانے دھمکانے کی وجہ سے بالآخر صمد خان ضمانت پر رہا ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے ذہن میں وہ وقت گردش کرنے لگا، جب جین کو قتل کرنے کے بعد اس نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اسے اپنے چچا سے محبت تھی اور وہ اس کیلئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

جب پولیس کو پتہ لگا کہ رنویر جین کو صمد خان نے قتل کیا ہے تو پولیس صمد خان کو گرفتار کرنے کیلئے جگہ جگہ چھاپے مارنے لگی۔ ناکامی پر پولیس اس کے چچا کریم لالہ کو گرفتار کر لائی۔ پولیس والے جانتے تھے کہ صمد خان، کریم لالہ کو بچانے ضرور آئے گا۔ پولیس والوں نے کریم لالہ سے کہا کہ صمد خان بر آمد نہ ہوا تو وہ اسے بھی مقدمے میں شامل کر لیں گے۔ کریم لالہ پہلے ہی صمد خان کی حرکتوں سے تنگ تھا اور اب یہ نئی مصیبت آ چکی تھی۔ کریم لالہ نے حاجی مستان کے ذریعے صمد خان کو پیغام بھجوایا کہ آ کر گرفتاری دے۔ حاجی مستان نے اپنے ذرائع استعمال کرتے ہوئے کہیں نہ کہیں سے صمد خان کو ڈھونڈ نکالا اور اسے پیغام دیا کہ اپنے چچا کی خاطر گرفتاری دے دے اور وہ لوگ کوشش کریں گے کہ اسے جلد از جلد ضمانت پر رہا کروالیں۔ صمد خان نے گرفتاری دے دی اور صرف دو ماہ جیل میں رہنے کے بعد اسے رہا کروالیا گیا۔ لیکن جیل سے باہر آتے ہی صمد خان پھر سے اسی ڈگر پر چلنا شروع ہو گیا۔ اس لیے حاجی مستان نے کریم لالہ کو مشورہ دیا کہ اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے کہ اخبار میں اشتہار دے کر صمد خان سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا جائے۔

اس اشتہار کے بعد قانوناً وہ اپنے کیئے ہر جرم کا خود ہی ذمہ دار ہوگا۔ صمد خان ابھی انہی سوچوں میں گم تھا کہ اس کا دھیان داؤد ابراہیم کی جانب گیا۔ اپنی کمیونٹی کی جانب سے اس اشتہار کے بعد اس نے محسوس کیا کہ داؤد ابراہیم اس کے لیے اچھی پشت پناہی ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ داؤد ابراہیم اور پٹھان گروپ کے مابین جو کچھ ماضی میں ہو چکا ہے اس کے مدنظر اسے راضی کرنا آسان نہ ہوگا، لیکن پھر بھی اس نے داؤد ابراہیم کے ساتھ میٹنگ کے لیے وقت مانگ لیا...... اس نے داؤد ابراہیم سے کہا کہ امیر زادہ اور عالم زیب نے جو کچھ بھی کیا اس میں وہ ان کے ساتھ شامل نہ تھا اور نہ ہی صابر کے قتل میں وہ ملوث تھا۔ یہ سب انہوں نے اپنی ذاتی حیثیت میں کیا تھا۔ اس نے داؤد ابراہیم سے یہ بھی کہا کہ ماضی کی تمام دشمنیوں کو بھلا کر وہ اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے۔ گو کہ داؤد ابراہیم اس طرح سے صمد خان کے آنے سے حیران و پریشان تھا، لیکن اس نے صمد خان کی ہمت کی داد دی۔ گو داؤد ابراہیم کا دل تمام شکوک و شبہات سے پاک نہیں ہوا تھا، اس کا خیال تھا کہ صابر کے قتل میں وہ بھی ملوث ہے، لیکن اس نے صمد خان کا دوستی کیلئے بڑھنے والا ہاتھ پیچھے نہیں کیا۔ اس میٹنگ کے بعد صمد خان بخوشی اپنے گھر لوٹا۔ تاہم اگلے ہی دن جب وہ ایک شراب خانے میں بیٹھا تھا، اس کے مخبر نے اسے بتایا کہ داؤد ابراہیم کا چھوٹا بھائی نورا، صمد خان کو گالیاں دے رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ اگر صمد خان، کریم لالہ کا بھتیجا نہ ہوتا تو بہت پہلے ہی اسے ٹھکانے لگا دیا جاتا۔ وہ بھی صابر کا قاتل ہے۔ صمد خان چچا کی جانب سے عاق کئے جانے کے بعد پہلے ہی غصے میں بھرا بیٹھا تھا اور اب یہ ایک نیا گھاؤ تھا۔ صمد خان کو اپنی ذلت محسوس ہوئی اور اس کے اندر کا وحشی پن پھر سے جاگ گیا۔ اسے یہ بات ہضم نہیں ہو پا رہی تھی کہ کوئی اس طرح سر عام اس کی آزادی اور غیرت کو چیلنج کر سکتا ہے۔ داؤد ابراہیم کے ساتھ معاہدہ کرنے کے اگلے دن ہی اس نے نورا کو پکڑ کر اس کی پٹائی کر دی اور نورا کو بری طرح زخمی کر ڈالا۔ صمد خان اس بات پر خوش تھا کہ کس طرح اس نے داؤد ابراہیم کے علاقے میں اسی کے بھائی کو مار مار کر ادھ موا کر دیا اور کوئی اس کی مدد کیلئے بھی آگے نہیں بڑھا۔ اگر اس نے داؤد ابراہیم کی جانب دوستی کا ہاتھ نہ بڑھایا ہوتا تو شاید وہ نورا کو مار ہی ڈالتا۔ حیرت کی بات ہے کہ داؤد ابراہیم نے فوراً ہی اس واقعے پر ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے صمد خان یہ سمجھا کہ داؤد ابراہیم نے اس کی حرکت کو جائز قرار دے دیا ہے۔ 4 اکتوبر 1984ء کے دن صمد خان سگریٹ کے دھویں اڑاتا اپنے فلیٹ سے باہر نکل کر بر آمدے میں آیا اور لفٹ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے ختم ہوتی سگریٹ کا ایک لمبا کش لیکر اسے پھینکا اور بڑے فخریہ انداز سے آنے جانے والے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ جب وہ لفٹ سے نیچے آ رہا تھا تو ایک انجانا سا خوف اسے لاحق ہو گیا۔ تاہم جیسے ہی لفٹ زمین سے آ کر لگی تو ایک ہلکے سے جھٹکے نے خوف کو اس کے ذہن سے جھٹک دیا۔ لیکن جب وہ لفٹ سے باہر آیا تو ششدر رہ گیا۔ داؤد ابراہیم، اس کا بھائی علی انتولے، چھوٹا راجن اور عبدالحمید اس کے سامنے پتھروں کے بتوں کی مانند خاموش قطار بنائے کھڑے تھے۔ وہ سب پستولیں تھامیں کھڑے تھے اور کوئی بھی بات کرنے کے موڈ میں نظر نہ آتا تھا۔ صمد ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ان سب کی پستولیں بارود اگلنے لگیں۔ جب فائرنگ کا سلسلہ تھما اور بارود کا دھواں ذرا بیٹھنے لگا تو اندازہ ہوا کہ صمد خان کا باڈی گارڈ اور اس کی بیوی بھی جو کہ لفٹ میں تھے، زخمی ہو گئے۔ صمد خان کے جسم میں 19 گولیوں نے چھید کئے تھے اور موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ صمد خان کو اندازہ ہی نہ تھا کہ اس نے نورا کی پٹائی کر کے داؤد ابراہیم کو کس قدر غصہ دلایا تھا۔ داؤد ابراہیم کو یہ بات ہضم ہی نہ ہو پائی کے ایک جانب تو اس نے اپنے دیرینہ دشمن اور اپنے بھائی کے قاتل صمد خان سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور دوسری جانب اگلے ہی دن اس نے اس کے دوسرے بھائی کی پٹائی کر کے اسے بری طرح زخمی کر ڈالا۔ داؤد ابراہیم، صابر کے قتل کا بدلہ بھی اپنے ہاتھوں سے لینا چاہتا تھا، لیکن حالات نے اسے اجازت نہیں دی۔ لیکن جب داؤد ابراہیم نے نورا کو اسپتال میں دیکھا تو صابر کا چہرہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ گیا اور وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس مرتبہ اس نے ٹھان لی کہ وہ صمد خان کو خود اپنے ہاتھوں سے ہی قتل کرے گا۔ شاید اس طرح وہ صابر کے قتل کے بعد دل میں لگی آگ کو بھی بجھانا چاہتا تھا۔ صمد خان کے قتل سے بمبئی پولیس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ داؤد ابراہیم پر پہلے ہی کافی مقدمات تھے اور اب اس قتل کے بعد پولیس پوری تیاری کے ساتھ داؤد ابراہیم کے پیچھے لگ گئی تھی۔ 1986ء میں داؤد ابراہیم نے آخری مرتبہ بمبئی شہر کو الوداع کہا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

جمعۃ المبارک 23 نومبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

قسط نمبر 32

ترجمہ: عبدالقادر

داؤد ابراہیم پولیس کو جل دے کر دبئی فرار ہوگیا

PdfStuff.blogspot.com

صمد خان کے قتل کے بعد نئے پولیس کمشنر سومن نے بمبئی ڈان کو پکڑنے کیلئے نئی ٹیم بنائی لیکن پھر بھی ناکام

رہا- داؤد ابراہیم نے اپنی جڑیں اتنی پھیلالی تھیں کہ اسے گرفتار کرنا ممکن نہیں تھا- پولیس میں اس کے مخبر

موجود تھے- داؤد ابراہیم دبئی جا کر بھی بمبئی پر حکمرانی کرتا رہا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

ٹیبل پر سلگتا ہوا سگار پڑا تھا، جیسے کسی نے پیتے پیتے چھوڑ دیا ہو۔ پاس ہی ایک قلم رکھا تھا اور کرسی پر کسی کے بیٹھنے کی وجہ سے پڑنے والا گڑھا اپنی جگہ واپس آ رہا تھا، گویا ابھی ابھی کوئی اٹھ کر وہاں سے گیا ہو۔ سامنے والی کھڑکی کھلی تھی اور ہوا کے جھونکوں سے پردہ ہل رہا تھا۔ پولیس والے جب اس کمرے میں آئے تو انہیں وہ شخص نہ ملا، جس کی تلاش میں وہ یہاں آئے تھے۔ ایئر کنڈیشنر نے کمرے کو مکمل طور پر ٹھنڈا کر رکھا تھا اور تمباکو کی بو ابھی کمرے سے گئی نہ تھی۔ پولیس کی آمد کی خبر سنتے ہی داؤد ابراہیم چند لمحات پہلے ہی یہاں سے فرار ہوگیا تھا۔ یہ 1986ء کے کسی دن کی بات ہے جب کرائم برانچ نے مسافر خانہ میں ڈی کمپنی کے ہیڈ کوارٹر پر چھاپہ مارا تھا۔ پولس والے حیران تھے کہ رات دن گہما گہمی میں گھری اس بلڈنگ کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ سنسان پڑی ہے۔

پولیس کے مسلح گارڈز بلڈنگ کے داخلی راستوں پر تعینات تھے اور سینئر افسران داؤد ابراہیم کی تلاش میں بلڈنگ کا کونا کونا تلاش کر رہے تھے۔ عمارت کے چند کمروں میں سوئے ہوئے لوگوں کی نیند میں خلل واقع ضرور ہوئی، لیکن جس شخص داؤد ابراہیم کی تلاش میں پولیس پوری تیاری سے یہاں آئی تھی، اس کا نام ونشان نہ تھا۔ پولیس نے تمام لوگوں کو عمارت سے باہر نکال دیا۔

ابھی داؤد ابراہیم اور مہہ جبین کی شادی کو چند دن ہی ہوئے تھے کہ پولیس نے داؤد ابراہیم اور انڈر ورلڈ کے دیگر کرتا دھرتاؤں کے خلاف ایک گرینڈ آپریشن شروع کر دیا تھا۔ داؤد ابراہیم کو پوری طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ اب ممبئی میں اس کا رہنا محال ہے۔ پولیس والے مسافر خانہ سے صرف داؤد ابراہیم کے بھائیوں اور کزنوں کو ہی گرفتار کر سکے تھے۔ یہ چھاپہ پولیس کمشنر ڈی ایس سومن کے اسپیشل آرڈر کی بنیاد پر مارا گیا تھا۔ کمشنر نے بڑی احتیاط کے ساتھ سارا مشن ترتیب دیا تھا اور اہلکاروں کا انتخاب بھی بطور خاص کیا تھا تاکہ داؤد ابراہیم فرار نہ ہو سکے، لیکن وہ ناکام رہا۔ جب سے پولیس کمشنر سومن نے چارج سنبھالا تھا، اس وقت سے اس نے انڈر ورلڈ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دی تھیں اور اس سلسلے میں اس نے کرائم برانچ کے افسران کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔ انسپکٹر زینڈے کو یقین تھا کہ انڈر ورلڈ کے لوگ اس آپریشن کے بعد یا تو سلاخوں کے پیچھے ہوں گے یا راہ فرار اختیار کر چکے ہوں گے۔ اس وقت انڈر ورلڈ کے بڑے ڈان یعنی حاجی مستان اور کریم لالہ تو قانون کے مطابق زندگی گزار رہے تھے، لہذا اب بمبئی انڈر ورلڈ کا حقیقی ڈان داؤد ابراہیم تھا، جس کیلئے پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ جگہ جگہ مخبر پھیلا رکھے تھے۔ اور مسافر خانہ پر چھاپہ بھی پوری تیاری اور احتیاط سے مارا گیا تھا لیکن داؤد ابراہیم انہیں نہیں مل سکا۔

دراصل داؤد ابراہیم نے بھی محکمہ پولیس میں اپنے مخبر پال رکھے تھے۔ ان مخبروں نے داؤد ابراہیم سے وفاداری نبھائی تھی اور آپریشن کی بروقت اطلاع دے کر اسے اتنا وقت فراہم کر دیا تھا کہ وہ راہ فرار اختیار کر کے زیر زمین چلا جائے یا کسی دوسرے ملک فرار ہو جائے۔ داؤد ابراہیم نے اپنی جڑیں اتنی پھیلالی تھیں کہ اب اسے گرفتار کرنا محکمہ پولیس کے بس سے باہر نظر آتا تھا۔ پولیس کیلئے اب وہ ایک چھلاوا ثابت ہو رہا تھا، جو کبھی بھی وہاں نہیں ہوتا تھا جہاں پولیس کے مطابق اسے ہونا چاہئے تھا۔ داؤد ابراہیم کی سرپرستی کرتے وقت پولیس والوں نے سوچا تھا کہ ایک کو ڈان بنا کر دوسرے ڈان کو ختم کر دیں گے اور پھر داؤد ابراہیم تو ان کے ہاتھ تلے ہی ہے، اس سے بھی نمٹ لیں گے۔ لیکن انہوں نے جس پودے کی آبیاری کی تھی، اب وہ ایک ایسا تناور اور مضبوط درخت بن چکا تھا کہ اسے کاٹنے کی ہمت خود ان میں بھی نہیں تھی۔

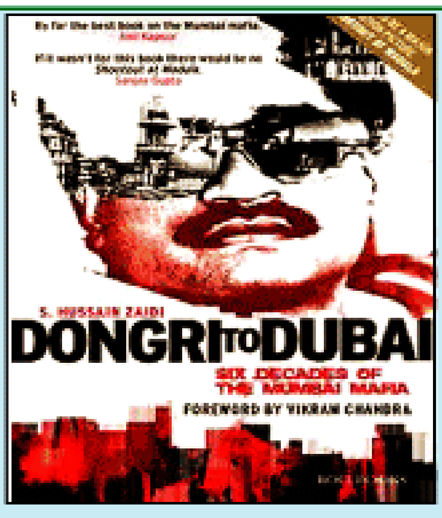

”ڈونگری سے دبئی“ چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ”بلیک فرائیڈے“ اور ”مافیا کوئن آف ممبئی“ سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ”ٹیرر ان ممبئی“ کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ”ڈونگری سے دبئی“ نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ”دبئی سے ڈونگری“ میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ”سپاری“ (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ”ڈان“ منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ”امت“ کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

PdfStuff.blogspot.com

پولیس والے یہ سمجھے تھے کہ وہ داؤد ابراہیم کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر رہے ہیں، لیکن داؤد ابراہیم ان سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ وہ محکمہ پولیس کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتا رہا۔ پولیس کیلئے کام کرتے کرتے، وہ ان کا باس بن بیٹھا تھا۔ بمبئی سے دمان تک، الیکٹرانکس سے سونا چاندی تک، ہر بندرگاہ اور ہر چیز پر اب داؤد ابراہیم کا حکم چلتا تھا۔ گجرات جو کسی زمانے میں پٹھان گروپ کے قبضے میں تھا، اب داؤد ابراہیم کے زیر دست آ چکا تھا۔ پولیس کی زیر نگرانی بمبئی کا ڈان بننے والا داؤد ابراہیم اب پورے ملک میں اپنی جڑیں پھیلا چکا تھا۔

1982ء میں داؤد ابراہیم کو COFEPOSA ایکٹ کے تحت جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا تھا۔ یہ داؤد ابراہیم کی زندگی میں پہلی بار تھا کہ اسمگلنگ کے الزام میں اسے جیل جانا پڑا تھا۔ اس سے پہلے جب اسے 1977ء میں گرفتار کیا گیا تھا تو اس پر ایک معمولی چوری کا الزام تھا۔ لیکن صابر کی موت کے بعد سے اس کی طاقت اور دہشت بڑھتی ہی چلی گئی۔ داؤد ابراہیم کو 1983ء میں باعزت بری کر دیا گیا تھا۔ انہی دنوں میں داؤد ابراہیم نے اپنے گینگ کو مضبوط سے مضبوط تر بنا ڈالا اور اسی دوران بمبئی میں لاقانونیت اور قتل وغارت گری کا دور دورہ رہا۔ اب صمد خان کے قتل کے بعد پولیس داؤد ابراہیم کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ وہ صمد خان کے قاتلوں میں سرفہرست تھا، جس کی تلاش کیلئے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے، لیکن پولیس کے حصے میں ناکامی ہی آ رہی تھی۔

جب پولیس کمشنر سومن کو یہ اطلاع دی گئی کہ داؤد ابراہیم فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے تو اسے اس بات پر یقین ہی نہ آیا۔ وہ حیران تھا کہ پولیس فورس کی مخبری کا اتنا مضبوط نظام ہونے اور خفیہ پلاننگ کے باوجود ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اگلے دن کمشنر نے جب چھاپہ مارنے والی پارٹی کے ساتھ میٹنگ کی تو داؤد ابراہیم کے کامیابی سے فرار ہونے کی وجہ بھی پوچھی۔ اس پر سب انسپکٹر ونود بھٹ نے کمشنر کو بتایا کہ چھاپے سے صرف دس منٹ پہلے داؤد ابراہیم کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ وہ فرار ہو جائے۔ یہ بات سب انسپکٹر ونود نے ٹیلی فون ریکارڈ دیکھ کر بتائی تھی۔ اس پر کمشنر کو اور بھی تعجب ہوا کہ اتنی احتیاط سے بنایا گیا منصوبہ اور اتنے ایماندار افسران کی ٹیم کی موجودگی میں راز فاش کیسے ہوگیا۔ اس وقت کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی۔ لیکن بعد میں پتہ لگا کہ خود کمشنر سے ایک بہت بڑی غلطی ہوئی تھی۔ جب پولیس کی پارٹی داؤد ابراہیم کے تعاقب میں تھی، عین اسی وقت کمشنر نے اجازت اور ہدایات حاصل کرنے کی غرض سے منترالیہ میں ایک سیاست دان کو فون کیا تھا۔ اس سیاست دان نے پولیس کمشنر سے کہا تھا کہ میری خواہش ہے کہ داؤد ابراہیم کو ہر قیمت پر زندہ گرفتار کیا جائے۔ پولیس پارٹی میں موجود تمام افسران کا غالب گمان تھا کہ اسی دوران یہ راز افشا ہوا ہوگا اور کسی نے چھاپے سے محض چند لمحات قبل داؤد ابراہیم کو اطلاع دے کر پولیس کا سارا منصوبہ ناکام بنا ڈالا۔ اگر یہ بات داؤد ابراہیم کو محکمہ پولیس سے نہیں پہنچی تھی تو پھر صرف وہ سیاست دان ہی باقی رہ جاتا تھا، جس نے داؤد ابراہیم کو اس سارے منصوبے کے بارے میں اطلاع دی ہوگی۔

ایک افسر نے یہ بھی بتایا کہ ہماری اطلاع کے مطابق داؤد ابراہیم نہ صرف مسافر خانہ سے فرار ہونے میں کامیاب رہا ہے، بلکہ اب تک ایئرپورٹ پہنچ کر وہاں سے دبئی کی فلائٹ پکڑنے میں بھی کامیاب ہوگیا ہوگا۔

اس پر کمشنر سومن نے کہا کہ لیکن ہم تو اس کا پاسپورٹ پہلے ہی اپنی تحویل میں لے چکے ہیں۔ اس پر اس افسر نے جواب دیا۔ ”سر! اس کا پاسپورٹ کرائم برانچ کی تحویل میں ہے اور آفیسر راجا تمبٹ کے پاس لاکر میں محفوظ ہے۔ آج صبح بھی جب میں نے لاکر چیک کیا تھا تو اس میں داؤد ابراہیم کا پاسپورٹ موجود تھا“۔

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم بمبئی سے دبئی فرار ہو چکا تھا۔ پہلے تو اس نے بمبئی سے دہلی کیلئے مقامی فلائٹ پکڑی اور پھر وہاں سے دبئی کیلئے راہ فرار اختیار کی۔ داؤد ابراہیم نے پولیس کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی کہ ان کی جانب سے اس کا پاسپورٹ ضبط کرنے سے اسے کوئی فرق پڑ سکتا ہے۔ اس نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ اس نے اسی دن کیلئے ایک اور پاسپورٹ بنا رکھا تھا۔ جب پولیس والے اسے اس کے دفتر میں تلاش کر رہے تھے تو وہ دبئی کی جانب رواں دواں تھا۔ ڈونگری میں پیدا ہونے والا یہ بچہ، بمبئی کا ڈان بن کر دبئی منتقل ہو چکا تھا، لیکن اس کا اثر ورسوخ بمبئی پر اسی طرح قائم رہا۔ بلکہ وہ اب پورے بھارت میں اپنا حکم چلا رہا تھا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

قسط نمبر 33

داؤد ابراہیم نے بااعتماد ساتھیوں کو دبئی بلالیا

چھوٹا راجن - چھوٹا شکیل - انتولے - بھائی انیس اور دیگر لڑکوں نے ذمہ داریاں سنبھال لیں - راجن بہادری اور ذہانت کے سبب داؤد ابراہیم کا دایاں بازو بن گیا - بمبئی ڈان نے گھوڑوں کی ریس - رئیل اسٹیٹ بزنس اور شیئر مارکیٹ تک ہر جگہ سے دولت کمائی - اپنے عالیشان بنگلے کا نام وہائٹ ہاؤس رکھا - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

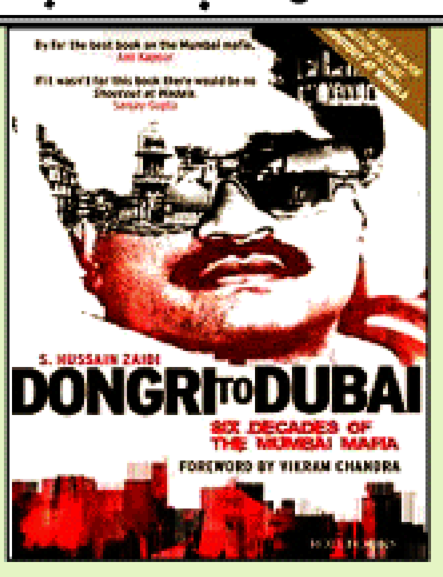

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈ ڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "تیران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

1973ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد چند ریاستوں کے الحاق سے ایک نئی ریاست یعنی متحدہ عرب امارات کی بنیاد رکھی گئی۔ ٹیکس فری پالیسی اور بعدازاں تیل کی دریافت نے دبئی کی معیشت گویا پہیے لگا دیئے۔ دبئی معاشی لحاظ سے دن دگنی رات چگنی ترقی کرنے لگا۔ سرمایہ کاری کی کوئی حد نہ سرمایہ نکالنے کی۔ پیسہ ہنڈی سے بھیجیں چاہے بینک کے ذریعے۔ چاہے نقد لائیں یا لے جائیں، چاہے سونے کی اینٹیں۔ سونے پہ سہاگہ سب کچھ ٹیکس فری۔ یہی وہ عوامل تھے، جن کی وجہ سے دبئی بڑے بڑے تاجروں اور اسمگلروں کی آماجگاہ بنتا گیا۔

اپنی ترقی کے اولین دور میں حکمران خاندان نے مسائل حل کرنے کیلئے لوگوں سے ملاقات کے سلسلے کو انتہائی سہل بنا رکھا تھا۔ اس وقت کے حاکم شیخ محمد اور حکام بالا تمام مسائل بالخصوص مالیاتی مسائل کے حل میں ذاتی دلچسپی ظاہر کیا کرتے تھے۔ جس وقت داؤد ابراہیم نے خالد پہلوان کے ساتھ مل کر دبئی میں سونے کی اسمگلنگ شروع کی تھی، وہ ان تمام باتوں سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ داؤد ابراہیم کے بڑھتے ہوئے سونے کے کاروبار اور شاہی خاندان کی دلچسپی کی وجہ سے داؤد ابراہیم کو دبئی میں قدم جمانے میں کچھ خاص وقت نہ لگا۔

جیسے ہی جہاز کے پہیے ایئرپورٹ کے رن وے سے لگے، داؤد ابراہیم نے سکھ کا سانس لیا۔ ایئرپورٹ سے باہر آتے ہوئے داؤد ابراہیم خوف اور خوشی کی درمیانی کیفیت سے دوچار تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اب بمبئی کی گلیاں اس کے لئے اجنبی ہو چکی ہیں۔ "ہو سکتا ہے یہ جدائی وقتی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جدائی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہو" داؤد ابراہیم انہی سوچوں میں گم تھا۔ اس سے پہلے بھی دوادا ابراہیم دبئی آچکا تھا، لیکن بطور مسافر۔ اس مرتبہ تو وہ دبئی کو ہی اپنا وطن بنانے کیلئے آیا تھا۔ ایئرپورٹ پر کاغذی کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد داؤد ابراہیم ایئر کنڈیشنڈ لاؤنج میں بیٹھا روشنی میں چمکتے صحرا کو دیکھنے لگا۔ بمبئی کی لوگوں سے بھری گلیوں کے مقابلے میں یہ نظارے داؤد ابراہیم کو کچھ بھلے معلوم نہیں ہو رہے تھے۔ بیابان، نامعلوم منزلوں کی جانب جاتی ہوئی ناختم ہونے والی سڑکیں۔ خال خال عمارتیں اور جھلسا دینے والی سخت گرمی۔ یہ تھا اس وقت کا دبئی۔ یہی وہ دبئی تھا، جہاں بہت سے ہندوستانی آنے کیلئے بے تاب رہتے تھے کہ اپنی غربت مٹا سکیں۔ لیکن داؤد ابراہیم کو آج یہاں بیٹھے ہوئے بمبئی اور گھر والوں کی یاد ستا رہی تھی۔ البتہ اگلے ہی لمحے اسے یہ احساس ہوا کے اسے اپنے جذبات پر کنٹرول رکھنا ہے اور اب انہی صحراؤں سے اسے ڈونگری پر حکمرانی کرنی ہے۔ وہ واپسی کی تمام کشتیاں جلا کر آیا تھا۔

داؤد ابراہیم کا ذہن پوری طرح منصوبہ بندی میں مصروف تھا۔ وہ آنے والے دنوں کے بارے میں کوئی حکمت عملی بنا رہا تھا۔ داؤد ابراہیم کو اندازہ تھا کہ خالد پہلوان کا باب تو اب اس کی زندگی میں بند ہو چکا ہے، اس لئے اب اسے کوئی نیا بااعتماد شخص تلاش کرنا ہوگا، جو اس دیار غیر میں اس کا ساتھ دے سکے۔ اب اسے دبئی میں ایک تھنک ٹینک اور ایگزیکٹیو کمیٹی بنانی تھی۔ دبئی میں دولت کمانے کے بہت سے مواقع تھے اور داؤد ابراہیم ان مواقع سے بھرپور فوائد اٹھانا چاہتا تھا۔ لیکن یہاں اسے تمام سرمایہ کاری قانونی طریقے سے کرنی تھی۔ اسے اپنے کالے دھن کو دبئی میں سفید دھن میں تبدیل کرنا تھا۔ بالی ووڈ سے گھوڑوں کی ریس تک اور رئیل اسٹیٹ بزنس سے شیئر مارکیٹ تک ہر جگہ داؤد ابراہیم قسمت آزمانے کا خواہش مند تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایسا کوئی بھی بزنس دبئی میں اس کی دسترس سے باہر نہ رہے، جس میں لمبے ہاتھ مارنے کے مواقع میسر ہوں۔ فلم سازی اور گھوڑوں کی ریس کا شوق اسے اس وقت سے تھا، جب وہ نوعمر تھا۔ لیکن بمبئی میں اسے اپنے دشمنوں سے نمٹنے سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ دشمنوں کی جانب سے فارغ ہوا تو بمبئی پولیس کے ساتھ آنکھ مچولی کا کھیل شروع ہو گیا۔ لیکن اس نئے وطن میں اسے اپنے تمام شوق پورے کرنے کیلئے وقت اور مواقع دونوں ہی میسر تھے۔ یہاں اسے قانون کے ساتھ آنکھ مچولی نہیں کھیلنی تھی، بلکہ قانون والوں کو اپنا ہمنوا بنانا تھا۔

اسی اثنا میں گاڑی رکی اور ڈرائیور نے داؤد ابراہیم سے کہا "سر! آپ کی جگہ آچکی ہے۔ داؤد ابراہیم نے محسوس کیا کہ جس طرح آرام کے ساتھ جہاز نے لینڈ کیا تھا اسی طرح آرام کے ساتھ کار بھی رکی ہے۔ نہ کوئی گڑھا، نہ کوئی جھٹکا اور نہ ہی کوئی شور و غل، جن کا داؤد ابراہیم بمبئی کی سڑکوں پر دوسرے لوگوں کی طرح عادی تھا۔ گاڑی اس آرام سے چلی اور اتنی آہستگی کے ساتھ آکر رکی تھی کہ اس دوران ذہن میں آنے والے خیالات میں ذرہ برابر خلل بھی واقع نہ ہوا تھا۔ بمبئی میں تو ایسے پُرآسائش سفر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

داؤد ابراہیم کی نظر اس عالیشان بنگلے پر پڑی، جو دبئی میں اس کے نئے اسمگلر پارٹنر نے اسے فراہم کیا تھا۔ داؤد ابراہیم کو اپنی ذاتی رہائش کا بندوبست کرنے تک اسی بنگلے میں رہنا تھا۔ داؤد ابراہیم کا یہ نیا پارٹنر شیخ یوسف تھا، جو کہ دبئی میں اپنے ہیڈ کوارٹر کو کافی مضبوط بنا چکا تھا۔ داؤد ابراہیم ایک مرتبہ پھر ماضی کے دریچوں میں جھانکنے لگا۔ اس کی نظروں میں تمکار محلے کا وہ چھوٹا سا گھر گھومنے لگا، وہ ٹوٹی پھوٹی دیواریں، ادھڑی ہوئی سیڑھیاں اور بدبودار راہداریاں۔ اس کے بعد اسے مسافر خانے میں اپنی وہ عمارت یاد آئی، جو تمکار محلے والے گھر سے قدرے بہتر تھی۔ اس کے بعد وہ ماضی کے ان ٹوٹے پھوٹے گھروں سے اس عالیشان بنگلے کا موازنہ کرنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہے۔

اگلے ہی لمحے داؤد ابراہیم اپنے ماضی کے در و دیوار سے اس عالیشان بنگلے کا موازنہ کرنے لگا۔ یہ ایک انتہائی خوبصورت بنگلہ تھا، جسے انتہائی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ خوبصورت لان، امپورٹڈ ٹائلیں، وسیع و عریض کمرے، انتہائی دیدہ زیب فرنیچر اور گھر کے باہر تک ماربل کی ٹائیلوں کا فرش۔ بمبئی میں تو اسٹیٹ گورنر اور وزیر اعلیٰ بھی اس قدر پُرآسائش زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بنگلے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لینے اور اسے سراہنے کے بعد داؤد ابراہیم نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس سے بھی خوبصورت بنگلہ اپنے لئے بنائے گا۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہاں رہتے ہوئے وہ نہ صرف بمبئی، بلکہ دبئی کا بھی امیر ترین انسان بن سکتا ہے۔

ایک مرتبہ پھر اپنی منصوبہ بندی کی جانب آتے ہوئے اس نے سوچا کہ دبئی میں اپنا سیٹ اپ بنانے کیلئے اسے اپنے اعتماد کے ساتھیوں کو دبئی لانا ہوگا۔ اسے اندازہ تھا کہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں وہ بالکل نئے لوگوں پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے صرف منصوبہ بندی کرنا تھی اور اس منصوبہ بندی پر عمل کرنے کیلئے اسے اپنے قریبی ساتھیوں کی اشد ضرورت تھی۔ ابھی اسے دبئی آئے چوبیں گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ وہ درجنوں ٹیلی فون کالیں بمبئی ملا چکا تھا۔ ان کالوں کو موصول کرنے والوں میں کئی سینئر پولیس آفیسر، سیاستدان اور اس کے قریبی ساتھی شامل تھے۔ ایک جانب تو اس نے اپنی مدد کرنے والے پولیس افسروں اور سیاستدانوں کا شکریہ ادا کیا اور دوسری جانب اس نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ پہلی فرصت میں اپنا سارا کاروبار اور بوریا بستر لپیٹیں اور دبئی کیلئے روانہ ہو جائیں۔

PdfStuff.blogspot.com

یہ حکم ملتے ہی داؤد ابراہیم کے قریبی ساتھی دبئی روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ جلد ہی اپنے معاملات نمٹا کر یہ لوگ دبئی روانہ ہو گئے۔ داؤد ابراہیم کو دبئی میں سب پہلے ملنے والا شخص اس کا چھوٹا بھائی انیس ابراہیم تھا۔ اس کے بعد انیل پراب عرف وانگیہ (بینگن) داؤد ابراہیم کے پاس پہنچا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے سنیل ساونت عرف سوتیا، منیش لالہ، علی عبداللہ انتولے اور دیگر ساتھی بھی دبئی کیلئے روانہ ہو گئے۔

داؤد ابراہیم کے دو قریبی ساتھیوں کو، پولیس اور انتہائی پیچیدہ عدالتی مقدمات سے جان چھڑانے میں کئی ماہ لگ گئے تھے۔ ان میں دو چھوٹے شامل تھے۔ یعنی چھوٹا راجن اور چھوٹا شکیل۔ یہ لوگ بالترتیب 1987ء اور 1988ء میں دبئی پہنچے۔ چھوٹا راجن دبئی پہلے پہنچ گیا اور اپنی وفاداری، بہادری اور ذہانت کی وجہ سے داؤد ابراہیم کا دایاں بازو بن چکا تھا۔ گو کہ چھوٹا شکیل بھی چھوٹا راجن سے کسی طور کم نہیں تھا، لیکن فی الوقت اسے پہلے پہنچنے والے چھوٹا راجن کا ماتحت بن کر کام کرنا پڑا۔ بہرحال اسی دوران ترقی کرتے کرتے داؤد ابراہیم بہت آگے نکل چکا تھا اور اس نے خوابوں کے عین مطابق ایک بہت ہی بڑا اور عالیشان بنگلہ اپنے لئے بنا لیا تھا۔ داؤد ابراہیم نے اس بنگلے کا نام وہائٹ ہاؤس رکھا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ داؤد ابراہیم خود کو کسی طور امریکی صدر سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

ترجمہ: عبدالقادر

قسط نمبر 34

پلاٹ کے تنازعے پر راما نائیک ڈی کمپنی سے علیحدہ ہوگیا

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم نے اس جھگڑے پر شراڈ شیٹی کے حق میں فیصلہ دیا تھا- جس کا راما کو شدید رنج تھا- کچھ عرصے بعد راما نائیک بمبئی پولیس کے ہاتھوں مقابلے میں مارا گیا- یہ تاثر عام تھا کہ اس قتل کی سپاری دبئی سے دی گئی- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

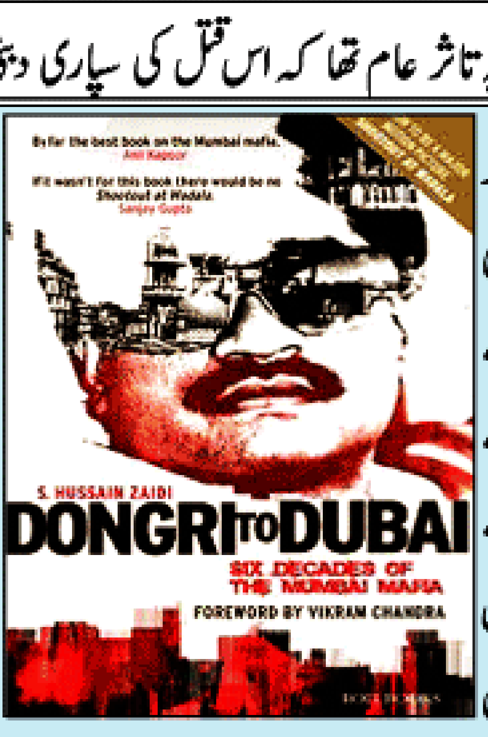

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

تمام نظریں داؤد ابراہیم پر جمی ہوئی تھیں اور داؤد کرسیوں پر بیٹھے ہر فرد کو بغور دیکھ رہا تھا گویا کہ انڈر ورلڈ کا کوئی بہت ہی اہم فیصلہ کیا جانے والا تھا۔ عین اسی وقت چھوٹا راجن کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ہاتھ میں کورڈلیس فون تھام رکھا تھا۔ چھوٹا راجن کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کوئی بہت ہی اہم کال آئی تھی لیکن داؤد ابراہیم اور کمرے میں موجود دیگر افراد کے چہرے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ کوئی نازک معاملہ چل رہا ہے اس لئے اس نے فون داؤد ابراہیم کے ہاتھ میں دینے کے بجائے فون کرنے والے سے کہا 'بھائی ابھی مصروف ہیں تھوڑی دیر بعد فون کرنا' یہ کہہ کر چھوٹا راجن نے فون رکھ دیا۔ اس کے بعد راجن نے کمرے میں موجود ہر فرد کے چہرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس وقت کمرے میں بالخصوص شراڈ شیٹی عرف انا اور راما نائیک موجود تھے۔ انا شرطیں لگانے کیلئے داؤد کی مشاورتی کمیٹی کا اہم رکن تھا جبکہ راما نائیک، داؤد کا وہ ساتھی تھا جس نے ڈونگری سے اب تک داؤد سے وفاداری نبھائی تھی۔ ان دونوں کے مابین مغربی بمبئی کے علاقے میلاڈ میں ایک پلاٹ پر تنازع چل رہا تھا۔ یہ تنازع اب خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا اور کسی بھی وقت خون خرابے کا باعث بن سکتا تھا۔ لیکن چونکہ دونوں ہی داؤد کے قریبی ساتھی تھے اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس مسئلے کے حل کیلئے داؤد سے رجوع کریں۔ انھیں پورا اعتماد تھا کہ داؤد ان کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ بگ باس کے ٹھاٹ دیکھ کر ان کے دل میں بگ باس کیلئے پہلے سے موجود رعب اور دبدبہ کئی گنا بڑھ چکا تھا۔ یہ لوگ جیسے ہی بمبئی سے دبئی پہنچے انہیں ایک نہایت ہی قیمتی گاڑی میں ایک فائیو اسٹار ہوٹل لایا گیا اور گاڑی بھی ایک باوردی شیفرڈ چلا رہا تھا۔ انہوں نے تو یہ ٹھاٹ اب تک صرف انگریزی فلموں میں اربوں پتی سیٹھوں کے ہی دیکھے تھے۔ وہ لوگ داؤد ابراہیم کا یہ طرز زندگی دیکھ کر اس قدر ششدر تھے کہ کچھ دیر تو اپنی ذاتی دشمنی بھی بھلا بیٹھے تھے۔

داؤد نے ان لوگوں سے اس سلسلے میں کئی ملاقاتیں کیں۔ شراڈ عرف انا کا موقف تھا کہ اس پلاٹ کو پہلے اس کے ساتھیوں نے تلاش کیا تھا اور اس پلاٹ پر قبضہ کرنے کیلئے اقدامات بھی سب سے پہلے اسی نے اٹھائے تھے۔ جبکہ راما نائیک کا موقف یہ تھا کہ پلاٹ کا مالک ماضی کے کسی احسان کی وجہ سے پلاٹ اسے دینے پر راضی تھا لیکن انا کے کارندوں نے پلاٹ کے مالک کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں اور وہ خوف کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔ داؤد خاموشی کے ساتھ اپنے دونوں انتہائی قریبی ساتھیوں کے دلائل سنتا رہا اور چند ایک سوالات ان سے پوچھے۔ چھوٹا راجن بھانپ چکا تھا کہ بھائی اب ان لوگوں کے دلائل سن سن کر عاجز آچکے ہیں اور اب معاملے کا کوئی نہ کوئی تصفیہ کرنا چاہتے ہیں۔ راجن کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ بھائی کوئی نہ کوئی فیصلہ کر چکے ہیں۔ چند سالوں کی قربت نے راجن کے ذہین ذہن کو اچھا خاصہ داؤد شناس بنا دیا تھا۔ اب راجن یہ سمجھنے لگا تھا کہ داؤد کو کیا اور کب اچھا اور کیا برا لگتا ہے۔ اسی لئے جب اس نے داؤد کے چہرے کی جانب دیکھا تو اسے فون دینے کے بجائے فون کرنے والے سے کہا تھا کہ بعد میں فون کر لے۔

آخر کار جب دوبارہ دونوں نے اپنے دلائل پیش کرنا شروع کئے تو راجن کے اندازوں کے عین مطابق داؤد نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو خاموش کرا دیا۔ داؤد اب مزید کچھ سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ داؤد کا ہاتھ اٹھانا تھا کہ کمرے کے اندر موجود ہر شخص نے چپ سادھ لی اور کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ ہاتھ اٹھانے کے دوران داؤد گہری سوچ میں گم تھا۔ بجائے کچھ کہنے کے داؤد خاموش رہا۔ اس نے اپنا سگار جلایا اور دھواں اڑانے لگا۔ اس دوران پورے ماحول میں خاموشی اور تناؤ کی سی کیفیت طاری رہی۔ کسی شخص میں ہمت نہ تھی کہ اب لب کشائی کرتا۔ داؤد کھڑا ہوا اور ٹہلتا ہوا قد آدم کھڑکی کی جانب بڑھا۔ کھڑکی کے پاس جا کر داؤد رک گیا اور دبئی کی سڑکوں پر رواں دواں ٹریفک کو بغور دیکھنے لگا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد داؤد نے کہا 'راما میرا خیال ہے کہ تم انا کے حق میں پلاٹ چھوڑ دو اور انا تم اس پلاٹ کے بدلے میں راما کو کچھ رقم ادا کرو گے۔' اب تک ماحول پر مکمل سکوت طاری تھا۔ سب لوگ خاموشی کے ساتھ اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ شاید داؤد اس بات کی کوئی وضاحت بھی پیش کرے گا کہ آخر کیوں کر اس نے راما کے حق میں فیصلہ نہ دیا تھا۔ لیکن داؤد نے اس کے بعد ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اس کے بعد وہ باہر جانے کیلئے دروازے کی جانب مڑا۔ اس لمحے راما جو کہ غصے کے مارے کھول رہا تھا اور اب تک اپنا غصہ دبائے بیٹھا تھا بولا 'بھائی یہ غلط بات ہے میرا تو نقصان ہو جائے گا۔ آپ ناانصافی کر رہے ہو' داؤد نے اس بات کا جواب دینے کے بجائے فوراً ہی کمرے سے باہر نکلنے کو ترجیح دی۔ شراڈ اپنی کرسی سے اٹھا اور فوراً ہی داؤد کے پیچھے ہو لیا جبکہ راما سر پکڑے ابھی اپنی کرسی پر ہی بیٹھا تھا۔ راما نے راجن کی جانب دیکھا اور مراٹھی زبان میں کہا 'مالا ہے نا ہی جمنار یعنی "مجھے یہ فیصلہ ہرگز منظور نہیں ہے"۔ راجن نے راما کو سمجھانے کی کوشش کی گو کہ وہ یہ جانتا تھا کہ اسے اس سلسلے میں سمجھانا بے کار تھا۔

آج سب کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اب راما نائیک ڈی کمپنی سے علیحدہ ہو جائے گا۔ راما نہ صرف ارون گاؤلی کے لئے بہت ہی قابل احترام تھا بلکہ بمبئی مافیا میں بھی راما کا کافی مقام تھا۔ اسے صرف اس بات کا غصہ نہ تھا کہ اسے آج بہت بڑا نقصان ہوا تھا بلکہ اس کے خیال میں آج داؤد بھائی نے اس سے صحیح انداز سے بات بھی نہیں کی تھی۔ اسے اندازہ ہونے لگا کہ داؤد نے شراڈ کو پہلے ہی تسلی دے دی تھی کہ فیصلہ اسی کے حق میں دیا جائے گا۔

دبئی سے بمبئی پہنچ کر بالآخر اس نے ایک ایسا فیصلہ کیا جو دیکھنے میں ناممکن تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ داؤد کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دے گا۔ ارون گاؤلی بھی راما کے حق میں تھا اور اس نے راما سے کہا کہ دبئی شفٹ ہونے کے بعد سے اب داؤد بہت بدل چکا ہے۔ ارون کے مطابق اب داؤد ان کی کمپنی کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔ آج سے قبل بھی ارون، داؤد کے بارے میں بہت کچھ کہتا رہا تھا لیکن راما اسے ارون کا داؤد کے خلاف حسد جان کر نظر انداز کر دیا کرتا تھا۔ لیکن آج بذات خود راما بھی ارون کی باتوں کا یقین کرنا چاہ رہا تھا۔ اب راما کا داؤد سے اعتماد اٹھنے لگا تھا۔ اس لئے راما نے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ اب داؤد سے ڈکٹیشن نہیں لے گا۔ وہ بھائی تھا لیکن اب بمبئی میں تھا اس لئے بمبئی کے فیصلے اس سے کروانا سراسر حماقت تھی۔ ادھر شراڈ شیٹی، داؤد بھائی کے فیصلے پر تو بہت خوش تھا لیکن اسے راما کا یوں روٹھ جانا خوف میں مبتلا کر گیا۔ شراڈ جانتا تھا کہ راما اتنی بڑی ڈیل اتنی آسانی سے اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ اس کے خدشات اس وقت بالکل صحیح ثابت ہوئے جب اس کے ساتھیوں نے اسے بتایا کہ راما ابھی تک اس پلاٹ سے دست بردار نہیں ہوا ہے بلکہ اس نے پلاٹ کے مالک سے رابطہ بھی قائم کیا ہے۔ شراڈ ابھی تک داؤد کے پاس ہی تھا اس لئے اس کے لئے آسان تھا کہ داؤد کے پاس جا کر راما کی شکایت لگا دیتا۔ جب داؤد کو معلوم ہوا کہ راما نے اس کے فیصلے کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا ہے تو اس نے کہا 'کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔' یہ جملہ عموماً لوگ اس وقت ادا کیا کرتے ہیں جب وہ خود کو بے بس سمجھنے لگتے ہیں لیکن جو لوگ داؤد سے قریب رہ چکے ہیں انھیں اس بات کا اندازہ تھا کہ اس کے بعد کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔

سب انسپکٹر راجندر کادھرے اپنی برہمن فیملی میں وہ پہلا شخص تھا جس نے پولیس میں نوکری کی تھی۔ وہ انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہوئے آج اس مقام تک پہنچا تھا اور ہمیشہ اسی تاک میں رہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اسے کوئی ایسا موقع ہاتھ آجائے کہ وہ پولیس کے محکمے میں مشہور افسران میں شمار ہونے لگے۔ اس کی زندگی میں ایسا موقع تقریباً ایک دہائی کے بعد آیا۔ 1987ء کی گرمیوں کے دن تھے کہ کادھرے کو ایک واقعہ نے راتوں رات مشہور بلکہ یوں کہئے کہ بدنام کر دیا۔ 24 جولائی کے دن وہ اپنی ڈیوٹی پر تھا کہ کسی مخبر نے اسے راما نائیک کی نقل و حمل کی اطلاع دی۔ مخبر نے بتایا تھا کہ راما چیمبر کے علاقے میں کسی نائی کی دکان میں بیٹھا بال کٹوا رہا ہے۔ کاندھرے نے وقت ضائع کئے بغیر موبائل لی اور روانہ ہو گیا۔ کاندھرے کے مطابق وہ جب اس مقام پر پہنچا تو اس نے راما سے ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ لیکن راما نے بجائے ہتھیار ڈالنے کے پولیس والوں پر فائر کھول دیا۔ فائرنگ کے اس تبادلے میں راما بری طرح زخمی ہو گیا۔ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے راما نائیک چل بسا۔ کاندھرے کو توقع تھی کہ اس واقعہ کے بعد اسے کوئی میڈل وغیرہ ملے گا لیکن میڈیا نے واقعہ کو کچھ اس انداز سے پیش کیا کہ کہانی الٹا کاندھرے کے گلے میں آگئی۔ اس پولیس مقابلے کے خلاف ایک عدالتی کمیشن قائم کیا گیا لیکن کاندھرے اپنا دفاع کرنے میں ناکام رہا۔ اس وقت کے ایک کالم نگار نے انڈین ایکسپریس میں یہاں تک لکھا کہ دراصل راما نائیک کو داؤد ابراہیم کے چچا احمد انتولے اور ایک شوٹر ڈینی نے مل کر قتل کیا تھا اور لاش کو کاندھرے کے حوالے کر دیا۔ بعض صحافیوں نے اسے جعلی پولیس مقابلہ قرار دیا اور بعض نے یہاں تک کہا کہ داؤد ابراہیم کے کہنے پر کاندھرے، نائیک کو مارنے ہی کی غرض سے گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسے ماورائے عدالت قتل قرار دیا۔ بعض صحافیوں کو یہ اعتراض تھا کہ چیمبر کا علاقہ کاندھرے کی عملداری میں آتا ہی نہ تھا اگر وہ مجرم کو پکڑنے میں واقعی سنجیدہ تھا تو اسے وہاں کے پولیس انسپکٹر کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔

کاندھرے تو اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی کی خوشی نہ منا سکا لیکن وہاں وہائٹ ہاؤس دبئی میں انا خوشی کے دیئے جلا رہا تھا۔ اسے اس قتل سے پچاس کروڑ روپے کا فائدہ ہوا تھا اور اس کا دشمن اس انداز سے مارا گیا تھا کہ کسی کو اس پر شبہ بھی نہ ہو سکتا تھا۔ انا دبئی میں اپنی اس فتح کی خوشی میں جشن منا رہا تھا۔ داؤد اس مسئلے پر ویسے تو خاموش رہا لیکن ایک بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قتل کے پیچھے داؤد کا ہاتھ ہو سکتا تھا۔ داؤد کھڑکی کے پاس کھڑا سگار پی رہا تھا۔ وہ کہیں جانے والا تھا اور اس کا کوٹ تھامے چھوٹا راجن پاس ہی کھڑا تھا۔ اتنے میں انا دوڑتا ہوا آیا اور داؤد کے گلے لگ گیا۔ اس پر داؤد نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ انا نے داؤد سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا لیکن داؤد نے صرف 'راز' کہا اور اس کے بعد راجن اور داؤد ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ بمبئی میں یہ پہلا پولیس مقابلہ نہ تھا جس کی سپاری داؤد نے دبئی سے دی تھی۔ یہ بات پولیس کے محکمے میں مشہور تھی اور سب جانتے تھے کہ جو کوئی بھی داؤد سے بمبئی میں ٹکر لیتا ہے داؤد وہیں سے اس کی سپاری بھجوا دیتا ہے۔ بمبئی شہر میں اس طرح کے درجنوں قتل پولیس کے ہاتھوں ہوئے جن کے تانے بانے بالآخر دبئی میں داؤد سے جا ملے۔ اسی طرح کا ایک قتل محمود خان عرف کالیا کا انسپکٹر ایمولک کے ہاتھوں ہوا تھا جس پر بعد میں عدالتی کمیشن بٹھایا گیا تھا۔ منت خان اور ببن کونڈے بھی اسی طرح انسپکٹر ایمولک کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ ببن کونڈے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے داؤد کے ایک بہت ہی قریبی سیاستدان پپو کالانی سے دشمنی مول لے لی تھی جس کی سزا اسے پولیس مقابلے کی صورت میں ادا کرنی پڑی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

قسط نمبر 35

ترجمہ: عبدالقادر

PdfStuff.blogspot.com

بمبئی کا مشہور گینگسٹر بابو ریشم معمولی غنڈے کے ہاتھوں مارا گیا

رامانائک اور ارون گاؤلی کے ساتھی گوپال ریشم نے کنجرواڑہ کی ایک لڑکی کو چھیڑا تھا۔جس پر وجے نے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔

اس کا پہلا حملہ ناکام رہا۔دوسری مرتبہ لاک اپ میں ہونے کے باوجود ریشم کو ہتھوڑوں سے وار کر کے ہلاک کر دیا۔وجے

پولیس مقابلے میں مارا گیا۔کہا جاتا ہے بابو کے قتل میں بھی داؤد ابراہیم ملوث تھا۔بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

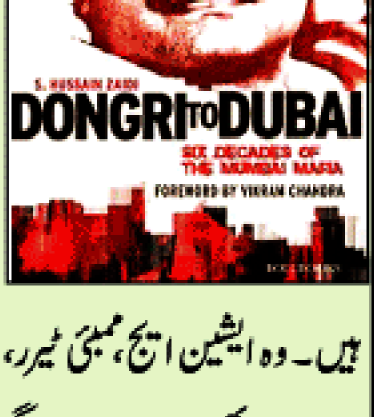

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ بمبئی میں کئی شہر آباد ہیں۔ہر دہائی بعد یہاں کئی نئی کچی بستیاں آباد ہو جاتی ہیں۔اسی طرح کی ایک بستی بمبئی کے مضافات میں کنجرواڑہ کے نام سے آباد ہوئی۔کنجرواڑہ، سینٹرل بمبئی بائیکولہ ریلوے اسٹیشن سے آدھا کلومیٹر کے فاصلے پر آباد تھا۔

ایک دن بابو گوپال ریشم جو کہ رامانائیک اور ارون گاؤلی کی کمپنی میں شریک تھا، موئی کلی دار اسٹریٹ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ریشم کچھ اس انداز سے گلیوں میں چہل قدمی کر رہا تھا، جیسے کہ کوئی بادشاہ اپنی رعایا پر نظر رکھے ہوئے ہو۔اسی دوران ایک گھر کے اندر ریشم کی نظر کنجرواڑہ کی ایک لڑکی پر پڑی۔ریشم کو وہ لڑکی اچھی لگی اور اس نے سوچا، اسے اس علاقے میں کون روک سکتا ہے اور لڑکی اس علاقے میں بھاگ کر کہاں جا سکتی ہے؟ وہ لڑکی کی جانب بڑھا لیکن لڑکی نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔جس پر ریشم ایک لمحے کو ذرا جھینپ سا گیا۔

اس نے دیکھا کہ تھوڑی ہی دیر میں چند افراد اس کے گرد جمع ہو گئے۔ان میں سے ایک شخص نے ریشم کا کالر پکڑا اور اسے مارنا شروع کر دیا۔ریشم کو پہلے تو یقین ہی نہیں آیا کہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے اور پھر جب ہوش سنبھلے تو وہ ان سب پر ٹوٹ پڑا۔گویا کہ اسے یاد آ گیا ہو کہ وہ تو بائیکولہ کا ڈان ہے، گلی محلے کا کوئی چھوٹا موٹا آوارہ غنڈہ نہیں۔اسے غصے میں دیکھ کر جیسے ہی سب بھاگنے لگے، اس نے ایک جوان سے لڑکے کو پکڑ لیا اور اسے بری طرح پیٹنے لگا۔وہ لڑکا مار کھا کر بھاگ گیا اور بابو ریشم اکڑتا ہوا ایک مرتبہ پھر گلی میں ٹہلنے لگا۔اس کے اندر غصے کا ایک طوفان برپا تھا۔

پٹنے والے لڑکے کا نام وجے تھا۔اس 26 سالہ لڑکے کا تعلق کنجرواڑے سے تھا۔وجے اس بات پر پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ کسی شخص کی ہمت کیسے ہوئی کہ باہر سے آئے اور ان کی کمیونٹی کی کسی لڑکی کو اس کے گھر میں چھیڑے اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اس نے وجے اور اس کی کمیونٹی کے لوگوں کو سرعام پیٹا بھی تھا۔وجے کی ذاتی انا اور اس کے پورے قبیلے کی انا کو بری طرح ٹھیس پہنچائی گئی تھی۔

غصے سے پاگل وجے نے ٹھان لی تھی کہ وہ اس ظلم و بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا۔بہت سی دیگر اقلیتوں کے نوجوانوں کی مانند وجے بھی کثیر الثقافتی اس شہر میں کئی باتوں سے نالاں تھا۔اب تک تو بے منزل باغی تھا۔لیکن اب اس کی بغاوت کی باقاعدہ ایک منزل بھی طے پا چکی تھی۔وہ پہلے ہی ان تمام معاملات پر نظر رکھے ہوئے تھا کہ کس طرح ارون گاؤلی کے کارندے بھتہ وصول کرتے، بدمعاشی کرتے اور اس کے قبیلے والوں کو ڈراتے دھمکاتے ہیں۔وجے کا دل ارون کی نفرت سے بھرا ہوا تھا۔اب اس کی نفرت پر بابو گوپال ریشم کی اس حرکت نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔اب وہ دن رات ایک ہی بات سوچتا رہتا تھا کہ بابو ریشم کو کیسے قتل کیا جائے؟ وجے کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کیوں نہ شری دھر شیٹی کے بھائیوں جے انت شیٹی اور اپو شیٹی سے ملا جائے۔شیٹی برادران کی ریشم سے دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔شیٹی برادران نے وجے کو ریشم سے نمٹنے کیلئے عام وسائل بہم پہنچا دیئے تھے اور اب اسے صرف ایک اچھے موقع کی تلاش تھی۔علاقے کے دیگر غنڈوں کی طرح ریشم بھی علاقے میں موجود مختلف مے خانوں میں جاتا رہتا تھا۔ایسے ہی ایک موقع کی تلاش میں وجے اپنے دوست روی گروور کے ساتھ گلی کے ایک نکڑ پر کھڑا تھا۔وہاں سے وجے کو ریشم اپنے غنڈوں کے ساتھ ایک بار میں بیٹھا نظر آ رہا تھا۔وہ ریشم کو اپنے ساتھیوں سمیت اندر بیٹھے رنگ رلیاں مناتے دیکھ رہا تھا اور اس کا سر غصے سے پھٹے جا رہا تھا۔بالآخر اس کے خون نے جوش مارا اور وہ اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔اسی اثنا میں اس نے اپنا دیسی پستول نکالا اور ریشم کو للکارتے ہوئے کہا ''اوئے، لوگوں کی عورتوں پر نظر رکھتا ہے، ادھر ہی گاڑ دوں گا تیرے کو'' اور فائر کھول دیا۔

ریشم کو جیسے ہی اندازہ ہوا، اس نے چھپنے کیلئے کسی چیز کی اوڑھ لے لی۔اسے یہ اندازہ بھی نہ تھا کہ وجے جیسا کوئی لڑکا اس کے خلاف ایسی کوئی حرکت کر سکتا ہے۔ریشم کے ساتھیوں نے جوابی فائرنگ کی، لیکن وجے وہاں سے فرار ہو گیا۔یہ دیکھ کر ریشم بھی فوراً ہی وہاں سے نکل آیا۔یہ ریشم کے منہ پر دوسری مرتبہ طمانچہ تھا۔اس پر اس کے علاقے میں دوسری مرتبہ حملہ کیا گیا تھا۔ادھر وجے سوچ رہا تھا کہ اسے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ریشم سے ٹکرانا ہو گا۔وہ اپنی طرف سے ایک برائی کے خلاف جدوجہد کر رہا تھا اور اس کا حوصلہ بلند تھا۔

وجے کی جرأت کی داستان چھوٹا راجن تک بھی پہنچ چکی تھی۔راجن نے یہ کہانی سنتے ہی اپنے ذہن میں منصوبہ تیار کرنا شروع کر دیا۔چھوٹا راجن ریشم کو کافی عرصے سے اس علاقے سے ہٹانا چاہتا تھا اور اب اسے ایک ایسا لڑکا مل گیا تھا جس کا تعلق بھی کسی اور ڈان سے تھا۔اس سے اچھی اور کون سی بات ہو سکتی تھی۔راجن نے سوچ لیا کہ وجے سے ملاقات کرنی ہے۔

اسی اثنا میں وجے بذات خود بھی ایک بڑا منصوبہ ترتیب دے رہا تھا۔بابو ریشم بائیکولر کے ایک چھوٹے سے غنڈے راجا کرمیکار سے الجھ پڑا۔پولیس والے راجا کو بری طرح زخمی کرنے کی وجہ سے بابو ریشم کی گرفتاری چاہتے تھے۔ریشم کو اگری پاڑہ تھانے بلوایا گیا۔ریشم نے پولیس والوں سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ کبھی بھی عوام کے سامنے اسے نہ گرفتار کریں گے، نہ گھسیٹیں گے اور نہ بے عزتی کریں گے اور اس کے بدلے وہ جب بھی اسے بلائیں گے وہ خود ہی تھانے حاضر ہو جائے گا۔اس لیے بابو ریشم پولیس کے بلانے پر خاموشی سے تھانے چلا گیا۔ریشم کو زیر دفعہ 307 آئی پی سی اقدام قتل کے مقدمے میں گرفتار کر کے جیکب سرکل پولیس لاک اپ میں ڈال دیا گیا۔یہ لاک اپ علاقے کے چھ تھانوں کا مشترکہ لاک اپ تھا۔

وجے کو معلوم ہوا کہ بابو ریشم جیکب سرکل لاک اپ میں قید ہے، تو اس ء مارنے کیلئے اس نے ایک جرأت مندانہ منصوبہ بنایا۔اپنے اس منصوبے کی خاطر وہ چھوٹا راجن سے ملا اور راجن نے وجے کو ہر ممکن مدد کی یقین دہانی کرائی، لیکن چھوٹا راجن یہ اندازہ نہ کر سکا کہ وجے کے ذہن میں آخر ہے کیا۔

5 مارچ کو وجے صبح ڈیڑھ بجے جیکب سرکل لاک اپ آیا۔اس کے ساتھ جگجیت کھنڈوال، کشور مہیشکر، روی گروور اور راجو شنکر تھے۔چونکہ اس کے پاس اپنی کوئی کار نہ تھی، اس لیے وہ کرائے کی ٹیکسی پر ان دوستوں کو وہاں لے کر آیا تھا۔یہ لوگ دو ٹیکسیوں میں آئے تھے۔تین لوگ واردات کیلئے اندر گئے اور ایک شخص گن پوائنٹ پر ٹیکسی والوں کو وہاں لئے کھڑا رہا تاکہ وہ فرار نہ ہو جائیں۔پہلے تو وجے نے پولیس گارڈ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اسے ریشم کو صرف شراب پہنچانی ہے، لیکن اس کے انکار کرنے پر وجے تھوڑا پیچھے ہٹا اور دستی بم سے دروازہ ہی اڑا دیا۔اس کے بعد یہ لوگ اپنی منزل پر واقع کھولی نمبر ایک کی جانب دوڑے، جہاں بابو ریشم کو رکھا گیا تھا۔وجے نے ایک ہتھوڑے کے ذریعے لاک اپ کا تالا توڑنا شروع کر دیا۔پہلے تو ریشم سمجھا کہ اسے کوئی حوالات سے نکالنے آیا ہے، لیکن جب اس نے دیکھا کہ وجے پاگلوں کی طرح لاک اپ کا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ ڈر گیا۔پھر اس نے دیکھا کہ وجے نے پستول تان لی ہے تو خوف کے مارے دیوار کے ساتھ چپک گیا۔وجے نے ریشم کو تین گولیاں ماریں اور وہ زمین پر گر پڑا۔لیکن وجے اتنی آسانی سے ریشم کو مرتا نہیں دیکھ سکتا تھا، اس لیے اس نے ہتھوڑا مار مار کر اس کا بھیجا باہر نکال دیا۔اب اس کھولی میں ریشم کا خون اور دماغ جگہ جگہ بکھرا پڑا تھا۔پولیس والوں نے یہ منظر دیکھا تو انہیں بھی خوف آنے لگا۔پولیس والوں کو اب بھی یاد ہے کہ وجے ہتھوڑا مارتا جاتا اور ساتھ ساتھ کہتا تھا ''میرا نام وجے اتیکار ہے'' جیسا کہ ہر ہتھوڑا وہ ریشم کو ایک سبق سکھانے کیلئے برسا رہا ہو۔جب وجے کو تسلی ہو گئی کہ اس نے اپنا بدلہ لے لیا ہے تو اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے فرار ہو گیا۔باہر کھڑی دو ٹیکسیوں میں یہ چاروں رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے غائب ہو گئے۔چند منٹ بعد اگری پاڑہ تھانے کا انچارج انسپکٹر زینڈے وہاں پہنچا اور روزنامے میں تمام تفصیلات درج کر لیں۔زینڈے کو کھولی کے اندر پانچ ایسے بم بھی ملے جو ابھی پھٹے نہیں تھے اور چند گولیاں بھی وہاں پڑی ہوئی ملیں۔پولیس کے دو سپاہی بابو ریشم کا ٹوٹا پھوٹا جسم پوسٹ مارٹم کیلئے جے جے اسپتال لے گئے۔اس واقعے میں ایک پولیس کانسٹیبل اور ریشم کے دو ساتھی بھی مرے، جو کہ ساتھ والے لاک اپ میں بند تھے۔اگلی صبح جب کہانی عوام کے سامنے آئی تو سب کے دل لرز اٹھے۔لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ لاک اپ کے اندر کسی کو اس بری طرح قتل کیا جا سکتا ہے۔اگلے دن کے اخبارات حکومت پر تنقید سے بھرے پڑے تھے۔حکومت نے فوراً ہی ایک کمیشن بنا دیا۔شروع شروع میں بہت تیزی دکھائی گئی لیکن بالآخر سب کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔ویسے بھی وجے نے کسی فرشتہ صفت انسان کو تو مارا نہ تھا، بلکہ ایک ایسے غنڈے سے شہر کو پاک کیا تھا جس سے لوگ پہلے ہی عاجز تھے۔اس لیے سب نے چپ سادھ لی۔البتہ محکمۂ پولیس نے اس واقعے کو اپنے منہ پر ایک طمانچہ سمجھا۔پولیس شہر کا چپہ چپہ تلاش کر رہی تھی اور وجے کو سر چھپانے کیلئے کوئی ٹھکانہ میسر نہ آ رہا تھا۔وہ جہاں جاتا پولیس پہنچ جاتی۔اب اسے استعمال کرنے والے بھی اسے پناہ دینے سے کترا رہے تھے اور وجے اپنی جان بچانے کیلئے جگہ جگہ بھاگ رہا تھا۔وجے کئی ماہ اسی طرح مفرور رہا۔بالآخر اکتوبر کے مہینے میں دادار ہوٹل کے قریب دودھ والوں کے بھیس میں دو پولیس والوں نے وجے کا کھوج لگا لیا۔وجے کو جیسے ہی اندازہ ہوا، اس نے فرار ہونے کی کوشش کی، لیکن گولیوں کی زد میں آ کر مارا گیا۔جب وہ ہلاک ہوا تو اس کے پاس ایک تھیلا بموں سے بھرا ہوا برآمد ہوا۔جس کیس نے پورے محکمہ پولیس کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اس کا اختتام بالآخر وجے کی موت پر ہوا۔پولیس عموماً ایسے مقدمات میں عدالتوں پر بھروسہ نہیں کیا کرتی۔ویسے بھی حوالات پر حملہ آور ہو کر وجے نے پولیس کو کھلے عام چیلنج کیا تھا اور ڈیوٹی پر مامور ایک افسر کو قتل بھی کر دیا تھا۔اس قسم کے جرائم کی پولیس کی کتابوں میں ایک ہی سزا ہوا کرتی ہے......موت۔بعدازاں وجے کے ساتھیوں جگدیش، کشور، روی اور راجو کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔بعدازاں جگدیش کو عدالت نے عدم ثبوت کی بنا پر بری کر دیا، جبکہ باقی تین افراد کو سیشن کورٹ نے عمر قید کی سزا سنا دی۔تاہم ہائی کورٹ سے اپیل کرنے کے بعد یہ تینوں بھی رہا کر دیئے گئے۔وجے وہ اکیلا شخص تھا، جو ریشم سے بدلہ لیتے لیتے اپنی جان سے گیا۔پولیس کے مخبروں کو کافی عرصے بعد اس بات کا علم ہوا کہ اس پورے گیم کے پیچھے کون سا خاموش کھلاڑی مہرے ہلا رہا تھا۔وہ خاموش کھلاڑی داؤد ابراہیم کا سکار تھا۔داؤد ابراہیم نے اس تمام ڈرامے کے کرداروں کا بندوبست خود کیا تھا اور خود دبئی میں بیٹھا اپنی کرسی پر تمام مناظر دیکھ رہا تھا۔دراصل داؤد ابراہیم نے چھوٹا راجن کو بھیج کر وجے اتیکار کو اپنے دشمنوں کو مٹانے کیلئے استعمال کیا تھا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ترجمہ: عبدالقادر

قسط نمبر 36

PdfStuff.blogspot.com

راجے کا قتل داؤد ابراہیم کیلئے بڑا دھچکا تھا

اہم شوٹر ستیش راجے کو مار کر ارون گاؤلی کا خیال تھا بمبئی میں اب اس کی حکمرانی ہوگی - چھوٹا راجن نے ارون کے اہم ساتھی اشوک کو قتل کر کے واضح کر دیا بمبئی اب بھی داؤد ابراہیم کا ہے - جواباً ارون نے بمبئی ڈان کے بہنوئی ابراہیم پرکار کی جان لے لی - اس کے بعد قتل و غارت کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

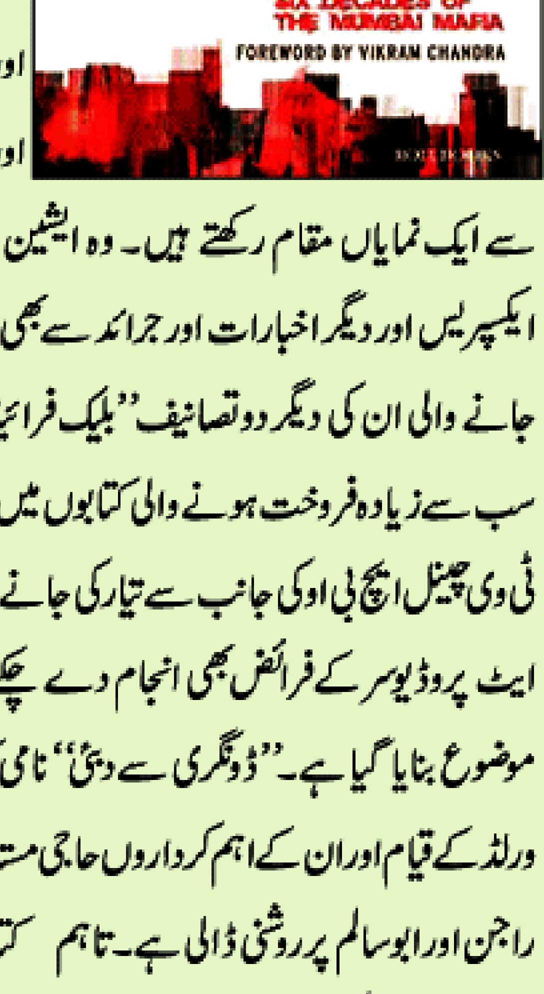

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

رامانائیک کی جعلی پولیس مقابلے میں ہلاکت اور بابو ریشم کو حوالات میں قتل کئے جانے کے بعد ارون گاؤلی کو سمجھ میں آچکا تھا کہ کس طرح داؤد ابراہیم دیار غیر میں بیٹھے بیٹھے ان کے گینگ کو کمزور کر رہا ہے۔ اب صرف ارون گاؤلی ہی باقی بچا تھا۔ ارون نے اپنے منتشر گروہ کو ایک مرتبہ پھر سے یکجا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ارون نے اپنے مہاراشٹری کارندوں کو شہر کے تین حصوں میں پھیلا دیا تھا۔ کنجور مرگ، شمال مشرق میں تھا۔ تلسی، وادی تاردیو میں۔ جبکہ دگدی چاؤل اور پیون چاؤل بائیکولہ میں تھے۔ بائیکولہ شہر کا مرکزی علاقہ تھا اور اسی علاقے میں اشوک جوشی، صدا پاؤلے عرف صدا ماما، گنیش ٹانڈل عرف وکیل، راجو میراشی اور سنیل گھاٹے بھی رہتے تھے۔ ارون گاؤلی کے گینگ میں دو انتہائی بے رحم غنڈے راجو فلپس اور پال نیومین بھی شامل تھے۔ ارون گاؤلی نے ٹھان لی تھی کہ شہر میں موجود داؤد ابراہیم کے بڑے بڑے مخبروں کو ٹھکانے لگانا ہے۔ کیونکہ یہی مخبر تھے، جن کی وجہ سے داؤد ابراہیم وہاں بیٹھے بیٹھے بھی کارروائیاں کرنے کے قابل تھا۔ جلد ہی ارون نے ایک نہایت ہی اہم مخبر ستیش راجے کی نشاندہی کی۔ ارون کو یقین تھا کہ راجے کا قتل بمبئی میں داؤد ابراہیم کی کارروائیوں کے لیے ایک ناقابل برداشت دھچکا ثابت ہوگا۔ اس لیے اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ داؤد ابراہیم کی اب تک کی کارروائیوں کے جواب میں ستیش راجے کی لاش بھجوائی جائے۔ راجے کو پوری طرح سے اس بات کا اندازہ تھا کہ داؤد ابراہیم کی غیر موجودگی میں اس طرح سے اس کیلئے کام کرنا آسان بات نہیں، بالخصوص جبکہ داؤد ابراہیم اپنے پیچھے ایسے بیسیوں گینگ بمبئی میں چھوڑ کر گیا تھا جو اس کے خون کے پیاسے تھے۔ ان لوگوں میں پٹھان گروپ اور حاجی مستان کے چند لوگ بھی شامل تھے۔ کنجو اور باشو دادا کے گینگ کے لوگ بھی شہر سے پوری طرح سے ختم نہیں ہوئے تھے اور کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ ان تمام خطرات کے پیش نظر ستیش راجے کو ہر لمحے اپنی جان کا خوف لاحق رہتا۔

داؤد ابراہیم کے گینگ کا ایک اہم شوٹر ہونے کی وجہ سے تمام قتل کی وارداتوں سے بھی راجے کا تعلق جوڑا جا رہا تھا۔ زیادہ تر قتل اسی طرح ہوئے تھے کہ سگنل پر گاڑی رکتی تھی اور دو شوفر پیچھے سے آکر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیا کرتے تھے۔ راجے نے اپنے لیے کالے شیشوں والی ایک مضبوط گاڑی کا بندوبست کیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ جب بھی سفر کرتا اس کے دائیں اور بائیں دو محافظ بیٹھتے اور ایک محافظ آگے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھتا۔ راجے کو ٹھکانے لگانے کیلئے ارون کے ساتھ منصوبے میں صدا پاؤلے، وجے ٹانڈل، پال نیومین، گنیش وکیل شامل تھے۔ ان لوگوں نے 21 نومبر 1988ء کو راجے کا اس کی رہائش پاریل سے تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہیں ناگ پاڑہ جنکشن میں اپنی کارروائی کرنی تھی۔ منصوبے کے مطابق جب راجے کی کار ماذگاؤں، ناگ پاڑہ پہنچی تو دو کاروں نے اس کا راستہ روک لیا۔ پورا منصوبہ انتہائی احتیاط کے ساتھ بنایا گیا تھا اور غلطی کی گنجائش نہ تھی۔ اس سے قبل کے راجے کے محافظ کچھ کرتے، اچانک ہی تین اطراف سے برسنے والے ہتھوڑوں نے گاڑی کے شیشے توڑ ڈالے۔ ہتھوڑوں کو یوں استعمال کیا جانا پہلی مرتبہ دیکھا گیا تھا۔ منصوبے کے مطابق نیومین نے راجے کا نشانہ لیا، جبکہ دیگر افراد نے محافظوں کو سنبھالا۔ راجے کے جسم میں نو گولیاں چھید کر گئیں۔ راجے اپنے تینوں محافظوں سمیت موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔

راجے کی موت واقعتاً داؤد ابراہیم کیلئے بہت بڑا نقصان تھی۔ راجے بمبئی کے اندر داؤد ابراہیم کا انتہائی مستعد اور قابل بھروسہ ساتھی تھا۔ ارون گاؤلی نے داؤد ابراہیم کا گیم سمجھتے ہی فوراً یہ جوابی کارروائی کی تھی۔ اس کارروائی کے ذریعے ارون گاؤلی نے باقاعدہ داؤد ابراہیم کو جنگ کیلئے للکارا تھا اور داؤد ابراہیم اس للکار کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ داؤد ابراہیم نے چند دنوں کے اندر ہی اس کا جواب دینے کی ٹھان لی اور راجن سے کہا کہ ارون کا اس سے زیادہ نقصان ہونا چاہیے۔

PdfStuff.blogspot.com

راجن نے ارون گاؤلی کے گینگ کے اہم کارندوں کی نشاندہی شروع کر دی۔ بالآخر اس کی نظر اشوک جوشی پر آکر ٹھہری جو ارون کیلئے بڑے بھائیوں کی طرح تھا۔ راجن نے جوشی کے ڈرائیور شمیسندر نائر کو رشوت دی اور اس کے بدلے اس نے اسے جوشی کے باہر آنے جانے کے اوقات سے متعلق معلومات فراہم کر دیں۔ سارا منصوبہ پندرہ دنوں کے اندر اندر طے پا گیا اور راجن نے اس وقت کے بہترین شوٹروں یعنی سوتیا اور وانگیہ کو یہ ذمہ داری سپرد کی۔

3 دسمبر 1988ء کی سخت سردی والی رات تھی۔ شمیسندر نائر اپنے مالک کو لے جاتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ جوشی کے ساتھ تین اور گینگسٹر بھی بیٹھے تھے۔ یہ لوگ پونے کی جانب جا رہے تھے۔ جوشی کار میں بیٹھے دیگر افراد کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھا، لیکن ڈرائیور کو علم تھا کہ داؤد ابراہیم کے شوٹر ان کے تعاقب میں آرہے ہیں۔ اس شوٹر اسکواڈ کی کمان بذات خود راجندر انکھال جی عرف چھوٹا راجن کر رہا تھا۔ وہ تلک نگر سے نکلا اور سوتیا کو ساتھ لیا۔ سوتیا AK-47 رائفل سے مسلح تھا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس پندرہ عدد خودکار گنیں بھی تھیں، جنہیں راستے میں ملنے والے افراد میں تقسیم کیا جاتا رہا۔ نائر حال ہی میں اپنی وفاداری تبدیل کر کے داؤد ابراہیم گینگ میں آیا تھا اور اس نے جوشی کے پونے کے سفر کے بارے میں روٹ سے تعلق معلومات بھی فراہم کی تھیں۔ پانویل کے مقام پر حملہ آور گاڑیوں نے جوشی کی کار کا محاصرہ کر لیا اور سب لوگ چھلانگیں لگاتے ہوئے گاڑیوں سے باہر آگئے۔ جوشی کو نائر پر پہلے ہی شک تھا، اب نائر کو دیکھ کر اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ اس نے نائر کو دیکھتے ہی اسے گولی مار دی۔ اس کے ساتھ ہی راجن اور دیگر گینگسٹروں کی بندوقوں سے بارود اگلنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جوشی کی کار گولیوں سے چھلنی ہو گئی۔ ان لوگوں نے اتنی گولیاں برسائیں تھیں کہ گاڑی ایسے ٹوٹنے لگی جیسے کسی نے اس پر ہتھوڑے برسائے ہوں۔ چند سیکنڈ کے اندر اندر کارروائی کر کے راجن نے راہ فرار اختیار کی۔

اس قتل کے بعد ارون گاؤلی اور داؤد ابراہیم میں جنگ کی حدود واضح ہو چکی تھیں۔ دونوں گینگ بمبئی شہر میں اپنی بالادستی قائم کرنے کی جنگ میں مصروف تھے۔ اس جنگ میں دونوں جانب سے اہم ٹارگٹس کی فہرست مرتب کرنا اور قتل روزمرہ کا معمول تھے۔ دونوں جانب سے تھنک ٹینک، ایک دوسرے کی بربادی کے منصوبے متواتر بنا رہے تھے، لہٰذا نہ تھمنے والا خون خرابے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کبھی اس جانب سے لاش گرتی تو کبھی اس جانب سے۔ بمبئی پولیس بھی تماشائی بنی دیکھ رہی تھی اور لوگ بھی خوش تھے کہ اچھا ہے گینگسٹر آپس میں ہی ایک دوسرے کو ختم کر رہے ہیں۔ البتہ روز روز کی قتل و غارت گری نے ایک عام آدمی کیلئے زندگی اجیرن بنا دی تھی۔ داؤد ابراہیم کو اندازہ تھا کہ ارون گاؤلی بہادر تو ہے، لیکن اس کے پاس دماغ نہیں۔ وہ رامانائیک اور بابو ریشم پر بھروسہ کیا کرتا تھا اور ان کے مارے جانے کے بعد اشوک جوشی سے مشورہ کرنے لگا۔ جب جوشی بھی مارا گیا تو اس نے اپنے بڑے بھائی پاپا گاؤلی کو اپنا مشیر بنا لیا۔ ارون گاؤلی تو دگدی کے علاقے سے کم ہی نکلا کرتا تھا، لیکن پاپا گاؤلی بے خوف و خطر ادھر ادھر آیا جایا کرتا تھا۔ پاپا کا گمان تھا کہ داؤد ابراہیم کی دشمنی چونکہ ارون سے چل رہی ہے، اس لیے اسے ٹارگٹ نہیں بنایا جائیگا۔

22 جنوری 1990ء کو داؤد ابراہیم کے گینگ میں آنے والا ایک نیا شوٹر سیتلا دیوی مندر تک پاپا گاؤلی کے تعاقب میں گیا اور مندر کے قریب اسے گولی کا نشانہ بنا ڈالا۔ پاپا گاؤلی کی موت نے ارون گاؤلی کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ ارون گاؤلی اپنے بھائی اور پیاروں کی موت کا خود کو ذمہ دار سمجھنے لگا۔ اب ارون ڈھیلا پڑ چکا تھا اور داؤد ابراہیم نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ارون گاؤلی کے انتہائی اہم ساتھیوں پال نیومین اور سنیل ساونت کو بھی ٹھکانے لگوا دیا۔ بالآخر گاؤلی کے ساتھیوں نے سوچا کہ اب کسی ایسے کو قتل کیا جائے جو کہ داؤد ابراہیم کو بہت ہی عزیز ہو۔

اس مرتبہ ابراہیم پرکار کا نام تجویز کیا گیا۔ ابراہیم پرکار، داؤد ابراہیم کی ہمشیرہ حسینہ کا شوہر تھا۔ داؤد ابراہیم کو حسینہ تمام بہنوں میں سب سے زیادہ عزیز تھی۔ پرکار جونیئر فلم آرٹسٹ ہونے کے علاوہ عرب گلی ناگ پاڑہ میں قادری ہوٹل کا مالک بھی تھا۔ 26 جولائی 1992ء کے دن وہ اپنے ہوٹل پر بیٹھا معمول کے بزنس میں مصروف تھا۔ دوپہر کے وقت وہ اپنے ڈرائیور سلیم پٹیل کے ساتھ ہوٹل سے باہر آیا۔ ابھی وہ ہوٹل کے باہر کھڑا ہی تھا کہ چار افراد تیزی سے اس کی جانب بڑھے۔ انہوں نے اپنی شرٹوں کے نیچے چھپی پستولیں نکالیں اور آناً فاناً پرکار پر فائرنگ شروع کر دی۔ فائرنگ کرنے کے بعد چاروں افراد فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

PdfStuff.blogspot.com

پرکار زمین پر پڑا تھا اور سلیم پٹیل مدد کیلئے لوگوں کو پکار رہا تھا۔ اسے سینٹ جارج اسپتال لے جایا گیا، لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا۔ پرکار کی موت کی خبر پہلے اس کی بیوی حسینہ اور بعد میں داؤد ابراہیم تک پہنچی۔ فون پر خبر سنتے ہی داؤد ابراہیم کا خون کھولنے لگا اور اس نے احکامات صادر کر دیئے کہ جب تک قاتل زندہ ہیں اس کا ایک بھی کارندہ آرام سے نہ بیٹھے۔ قاتلوں میں شیلیش ہلدنکار، بپن شیری، راجو بتالہ اور سنتوش پٹیل شامل تھے۔ ایک ماہ بعد ہلدنکار اور شیری ناگ پاڑہ میں ایک بزنس مین کو ہلاک کر کے فرار ہو گئے۔ البتہ ان سے غلطی ہوئی کہ دو دن بعد اسی علاقے میں واپس آگئے اور لوگوں نے انہیں پہچان کر پکڑ لیا۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن لوگوں کی پٹائی کی وجہ سے انہیں شدید زخم آئے تھے، اس لیے انہیں جے جے اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ارون گاؤلی خود کو اس دوران مضبوط کرتا رہا کہ داؤد ابراہیم سے برابر کی ٹکر لے۔ اسکے بعد ڈونگری کی گلیوں میں داؤد ابراہیم کے ساتھیوں پر بھی ایک کڑا وقت آیا۔ پرکار کے قتل نے قتل و غارت گری کا نہ تھمنے والا ایک نیا سلسلہ شروع کر دیا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

پولیس نے داؤد ابراہیم کے دو اہم ساتھی مار ڈالے

مخبر کی اطلاع پر خطرناک شوٹر دلیپ بووا اور مایا دولاس کا گھیراؤ کیا گیا۔ اس مشن کیلئے ایڈیشنل کمشنر نے خصوصی پارٹی تشکیل دی تھی۔ پانچ گھنٹے کی جنگ کے بعد بووا اور مایا سمیت 6 گینگسٹر ہلاک کر دیئے گئے۔ دو انسپکٹر زخمی ہوئے۔ مشن کا سب سے زیادہ فائدہ کمشنر رامرتھی کو ہوا۔ اس کی کرسی بچ گئی تھی۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

16 نومبر 1991ء کی ایک صبح پولیس شیلڈ کے میچ ہندو جیم خانہ کلب میں جاری تھے۔ اس وقت تک پولیس جیم خانہ ابھی تعمیر نہیں ہوا تھا۔ ممبئی پولیس کمشنر ایس رامرتھی اسٹینڈ کی جانب بڑھا۔ کمشنر کے آتے ہی پولیس کے جوان الرٹ ہوگئے۔ لیکن لگتا تھا کمشنر کسی گہری سوچ میں گم ہے۔ اسے ایک کرسی پیش کی گئی اور وہ بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ محکمے میں اب تک وہ اپنا مقام بنانے میں ناکام رہا ہے اور اہلکار اور اعلیٰ افسران زیر زبان اس موضوع پر گفتگو بھی کرنے لگے ہیں۔ کمشنر تک یہ باتیں بھی پہنچ رہی تھیں کہ محکمہ اس کی جگہ کسی مناسب شخص کو لانے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ ممبئی شہر میں گینگ وار اپنے عروج پر تھی اور جرائم بڑھتے جا رہے تھے، لیکن کمشنر ان تمام واقعات کے جواب میں کوئی حکمت عملی وضع کرنے میں ناکام رہا تھا۔ کمشنر رامرتھی جب یہ سب باتیں سوچ رہا تھا، سب انسپکٹر اقبال شیخ وہاں آ گیا۔ اقبال، کمشنر سے غالباً کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔ چھوٹے قد اور مضبوط بدن کا مالک اقبال شیخ ممبئی انڈر ورلڈ پر اچھی خاصی گرفت رکھتا تھا۔ اس کیلئے مشہور تھا کہ وہ مافیا کے اندر تک کی خبریں لے آتا ہے۔ جب کمشنر کرسی سے اٹھ کر جانے لگا تو اقبال شیخ نے اسے سلیوٹ کیا اور باہر آتے ہوئے کہنے لگا ''سر! آج ایک بڑا آپریشن ہے''۔ رامرتھی نے شیخ کی جانب دیکھا تو اس کے چہرے پر ایک انجانا سا خوف تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن اپنا ارادہ بدل دیا اور اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ شیخ واپس مڑا اور جیم خانہ میں داخل ہوگیا۔ اس کے دوست اتل چوہدری نے جو ہندو جیم خانہ ٹیم کا کیپٹن تھا، اس کی جانب دیکھا اور اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اقبال شیخ نے اسے اشارے سے جواب دیا، اپنی چیزیں سمیٹیں اور وہاں سے نکل پڑا۔ یہ صبح دس بج کر پینتالیس منٹ کا وقت تھا۔ شیخ، لوکھنڈ والا اندھیری کی جانب جا رہا تھا۔

کارٹر روڈ بندرہ پر واقع ایڈیشنل کمشنر پولیس نارتھ ریجن، اے اے خان کے دفتر میں اینٹی ٹیررازم اسکواڈ (اے ٹی ایس) کے ممبران جمع ہو رہے تھے اور انہیں وہاں سے ایک مشن کے لیے روانہ ہونا تھا۔ انسپکٹر ایم اے قوی، پرامود رانے، اقبال شیخ، راجا مندگے، امیداس پوٹے، جھنجھار و گھرل، سنیل دیش مکھ اور آرمڈ ڈویژن کے سات سپاہی تیار کھڑے تھے۔ اے ٹی ایس کے اس اسکواڈ کو خان کی درخواست پر بطور خاص ترتیب دی گئی تھی۔ ان دنوں اے ٹی ایس خالصتانی عسکریت پسندوں اور انڈر ورلڈ گینگسٹرز کیخلاف کارروائیوں کیلئے خصوصی طور پر بنایا گیا تھا۔ البتہ آج کل اس کا دائرہ کار تمام دہشت گردی کے امور سے نمٹنے تک بڑھا دیا گیا ہے۔ ایک کانسٹیبل کو اسٹور روم سے بلٹ پروف جیکٹس لانے کو کہا گیا۔ کانسٹیبل واپس آیا اور کہنے لگا ''صاحب! تالا لگا ہوا ہے۔ چابی والا کانسٹیبل آیا نہیں ہے''۔ ایک انسپکٹر نے سپاہیوں سے کہا کہ تالا توڑ کر جیکٹس نکال لاؤ۔ بالآخر آٹھ افسران کے ہاتھ پانچ بلٹ پروف جیکٹس آئیں۔ جیکٹس تقسیم کی جانے لگیں تو اقبال شیخ نے کہا ''مجھے نہیں چاہئے''۔ اس پر گھرل نے بھی جیکٹ لینے سے انکار کر دیا۔ مسلح ہونے کے بعد یہ لوگ چلنے کیلئے تیار تھے۔ انسپکٹر پرامود رانے کہا ''اندھیری لوکھنڈ والا چلنا ہے، فون نمبر بھی مل گیا ہے''۔ جس وقت یہ اندھیری کی جانب روانہ ہوئے صبح کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ پولیس والوں کو مخبر نے بتایا تھا کہ داؤد ابراہیم کا انتہائی خطرناک شوٹر دلیپ بووا، مایا دولاس کے ساتھ موجود ہے۔

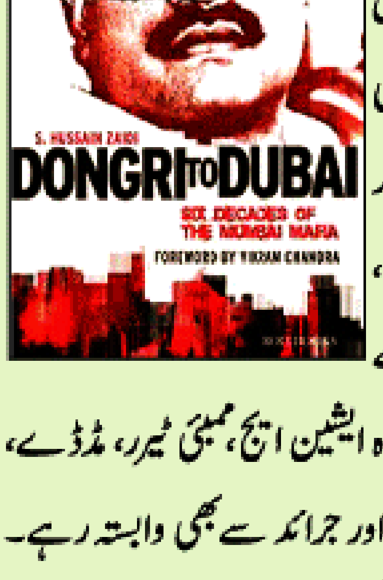

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی ٹیرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

پولیس ٹیم آرٹی او جنکشن اندھیری پر رکی۔ یہاں سے انہوں نے قوی، رانے، سنیل دیش مکھ اور اقبال شیخ پر مشتمل ایک پارٹی کو حالات کے جائزے کیلئے آگے بھیجا۔ یہ ٹیم اپنا گھر کمپلیکس، سوامی سمرتھ نگر پہنچی۔ اپنا گھر کمپلیکس چار عمارتوں پر مشتمل تھا۔ ان عمارتوں میں روہینی، سواتی، ادیتی اور اشوینی نامی عمارتیں شامل تھیں۔ سواتی اس کمپلیکس کے شمال مغربی کونے میں واقع تھی۔ پولیس پارٹی فلیٹوں سے قریب تر ہوتی گئی۔ فلیٹ کے باہر دو سفید رنگ کی ماروتی اسٹیم کاریں کھڑی تھیں۔ دلیپ بووا کیلئے مشہور تھا کہ وہ ماروتی اسٹیم چلایا کرتا ہے۔ اس کے اور پولیس والوں کے درمیان کچھ ایسی آنکھ مچولی چل رہی تھی کہ چابی گاڑی کے اندر لگی رہتی تھی، تاکہ بوقت ضرورت راہ فرار اختیار کرنے میں آسانی ہو۔

آگے جانے والی ٹیم نے واقعات کا جائزہ لیا اور باقی پولیس والوں کے پاس لوٹ آئے۔ انسپکٹر قوی نے اس جگہ کا نقشہ بنایا۔ ان کے ہدف فلیٹ نمبر پانچ سے نکلنے کے دو راستے تھے اس لیے پولیس پارٹی بھی دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔ تمام اہلکاروں نے اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ انسپکٹر قوی اپنی ٹیم کے ساتھ دروازے سے حملہ آور ہوا۔ دوسری جانب اقبال شیخ دروازے سے کان لگائے کھڑا تھا۔ انسپکٹر اقبال شیخ نے پہلے تو فلم ''اکیلا'' میں امیتابھ بچن کے ڈائیلاگ سنے اور پھر اسے گولیاں چلنے کی آوازیں آئیں۔ اس کا مطلب تھا قوی، گھرل اور دیش مکھ کے ساتھ اندر داخل ہو چکا ہے۔ دلیپ بووا اپنے ریوالور کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی اس نے ان تینوں کو اندر آتے دیکھا ان پر فائر کھول دیا۔ گھرل نے بلٹ پروف جیکٹ نہیں پہنی ہوئی تھی، اس لیے گولی اس کے سینے میں آ لگی۔ وہ زمین پر گر پڑا اور اس کے جسم سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ قوی کے بازو میں گولی لگی، لیکن وہ دیش مکھ کے ساتھ مل کر جوابی فائر کرنے لگا۔

وائرلیس پر باہر موجود اہلکاروں کو فائرنگ کی اطلاع دے دی گئی۔ آج سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ کسی گینگسٹر نے جان بوجھ کر کسی پولیس والے کو گولی کا نشانہ بنایا ہو۔ یہ پہلا واقعہ تھا اور پولیس کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ جب ہیڈ کوارٹر تک یہ خبر پہنچی تو چند منٹ کے اندر پولیس کے کئی یونٹ لوکھنڈ والا پہنچ گئے۔ ایک بج کر پندرہ منٹ تک پورے کمپلیکس کو پولیس فورس نے گھیر لیا تھا۔ لوگ اپنے گھروں میں محصور ہو چکے تھے۔ پولیس والوں کے دو ساتھی پہلے ہی زخمی ہو چکے تھے، اس لیے وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ انسپکٹر قوی دیکھ چکا تھا کہ مایا دولاس کے ساتھ بووا اندر موجود ہے۔ مایا دولاس بھی معمولی غنڈہ ہوا کرتا تھا، لیکن عدالت میں پولیس کی تحویل سے فرار ہو کر سب کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ بعدازاں ارون گاؤلی کے دائیں بازو اشوک جوشی کو بھی اسی نے مارا تھا اور فائرنگ کی زد میں آ کر پانچ دیگر افراد بھی مارے گئے تھے۔ بعدازاں وہ داؤد ابراہیم کے گینگ میں ترقی کرتا رہا۔ بووا اور دولاس کے علاوہ دیگر گینگسٹر بھی یہاں موجود تھے، جن میں گوپال پجاری، انیل خوبچندانی، انیل پادر اور راجوند کرانی شامل تھے۔

پولیس والے آگے بڑھ کر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے لگے۔ خان نے اندر موجود گینگسٹروں سے ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ اسی اثنا میں دلیپ بووا جنوبی دروازے سے ایک شخص کے ساتھ نکلا اور اپنی کار کی جانب بڑھا۔ بووا نے پولیس والوں کو تعاقب سے روکنے کی غرض سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تھی تاکہ آسانی سے فرار ہو سکے، لیکن باہر پولیس والوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ پولیس والوں نے جوابی فائر کیا تو مختلف سمتوں سے آنے والی گولیوں نے دونوں کے جسم چھلنی کر دیئے۔ وہ دونوں وہیں گر گئے اور دم توڑ دیا۔ اندر اب صرف مایا دولاس اور اس کے ساتھی باقی بچے تھے۔ ایک بج کر چالیس منٹ کا وقت ہو چکا تھا۔ پولیس والے مزید آگے بڑھے۔ وہ اس بات کا یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ گینگسٹرز نے چیز ہمیں پسند ہے''۔

''مگر یہاں آپ کو اپنے لیے بہو پسند کرنی ہے، اپنے بیٹے کے لیے بیوی''۔ عبدالحق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ جی چاہتا تھا کہ سر کے بال نوچنے لگے۔

''میں سمجھ گیا''۔ اکبر خان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھئے صاحب، بات یہ ہے کہ لڑکی ہمیں ہر طرح سے پسند ہے۔ ہماری طرف سے تو رشتہ پکا۔ خدا کرے، لڑکی کے ماں باپ کو کوئی اعتراض نہ ہو''۔

''لیکن آپ نے کوئی ضروری بات بھی نہیں پوچھی، جو پوچھنی چاہئے تھی''۔

''بتائیں صاحب، وہ کیا بات ہے''۔

''یہ لوگ بنہ کے رہنے والے ہیں...... مانسہرہ سے آگے......''

''جانتا ہوں صاحب''۔

''تم نے یہ نہیں پوچھا کہ ان کے سب لوگ تو بنہ میں ہیں۔ یہ سب گھر والوں کو چھوڑ کر یہاں کیوں رہ رہی ہیں''۔

''نہیں پوچھا صاحب۔ میں جانتا ہوں''۔

''کیا جانتے ہیں آپ؟''

''نوریز یہاں کیوں رہ رہا ہے صاحب''۔ پہلی بار اکبر خان کا لہجہ جذباتی ہوا۔ ''کوئی ماں باپ اپنے بیٹے کو دور رکھنا پسند کرتے ہیں؟ (جاری ہے)

PdfStuff.blogspot.com

☆☆☆☆☆

قسط نمبر 38

ترجمہ: عبدالقادر

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم کی ڈی کمپنی 5 ہزار وفاداروں پر مشتمل تھی

جلد ہی عالمی سطح کی مافیاز میں شمار ہونے لگی - تمام معاملات چھوٹا راجن کے ہاتھ میں تھے - گینگ کے حاسدوں نے داؤد ابراہیم کو بھڑکانا شروع کر دیا کہ راجن خود ڈان بننا چاہتا ہے - ایک روز داؤد ابراہیم ان کی باتوں میں آ ہی گیا - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

اپنی ذہانت اور قائدانہ صلاحیتوں کے باعث چھوٹا راجن، داؤد ابراہیم کا دماغ اور دایاں بازو بنتا جا رہا تھا۔ داؤد ابراہیم، چھوٹا راجن پر اندھا اعتماد کرنے لگا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے بھی داؤد ابراہیم، چھوٹا راجن پر ہی بھروسہ کیا کرتا تھا۔ داؤد ابراہیم، راجن کے بغیر کوئی آپریشن نہیں کرتا تھا۔

ڈی کمپنی کے پورے کاروباری ڈھانچے کو بھی چھوٹا راجن نے خود ہی ترتیب دیا تھا اور اس پیچیدہ ڈھانچے کو راجن کی طرح سمجھنے والا کوئی اور نہ تھا۔ راجن نے ڈی کمپنی کو افرادی قوت اور دولت کے اعتبار سے چار چاند لگا دیئے تھے۔ اب داؤد ابراہیم گینگ 5000 افراد پر مشتمل تھا۔ سادھو شیٹی، موہن کوتیاں، گرو ستام، روہیت ورما، بھارت نیپالی، او پی سنگھ، ماما اور دیگر مشہور گینگسٹرز چھوٹا راجن کے توسط سے ہی ڈی کمپنی کا حصہ بنے تھے۔ 1990ء کی دہائی کے اوائل میں ڈی کمپنی دنیا کے بڑے مافیاؤں میں شمار ہونے لگی تھی، بلکہ روسی مافیا ڈولگو پروڈینسکایا اور سلونتسیوکایا کو چھوڑ کر ڈی کمپنی عالمی سطح پر سب سے بڑی مافیا بن چکی تھی۔ دراصل چھوٹا راجن نے ڈی کمپنی کو سلونتسیوکایا کی طرز پر ہی از سر نو ترتیب دیا تھا۔ اب اٹلی، میکسیکو، اسرائیل اور چیچنیا کی مافیا گینگز ڈی کمپنی کے سامنے نومولود کی حیثیت رکھتی تھیں۔

چھوٹا راجن نے دنیا کے گینگز کے ساتھ ڈی کمپنی کو منسلک کر دیا تھا۔ راجن کی وجہ سے مہاراشٹری لڑکے بے دریغ ڈی گروپ میں آنے لگے تھے۔ راجن نے بڑے پیمانے پر بلڈرز، کنٹریکٹروں، منی چینجروں اور ایجنٹوں کی فہرست تیار کر رکھی تھی جن سے وہ بھتہ وصول کیا کرتا تھا۔ حکومتی ادارے سڈکو سے ہی صرف تین کروڑ روپے ماہانہ کی وصولی راجن کو ہو رہی تھی۔ راجن نے سڈکو میں کچھ ایسا چکر چلایا تھا کہ سرکاری ادارے کی جانب سے پیش کیے جانے والے تمام ٹینڈر صرف انہی کنٹریکٹروں کو ملتے تھے جو چھوٹا راجن کی مرضی سے آتے تھے۔ ہر ٹینڈر پر کنٹریکٹروں کو 3 سے 5 فیصد کمیشن راجن کو ادا کرنا ہوتا تھا۔

ہوٹل والوں اور بار چلانے والوں کو 50,000 روپے ماہانہ چھوٹا راجن کو پہنچانے ہوتے تھے۔ اس مد میں راجن کو 80 لاکھ روپے ماہانہ وصول ہوا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ خفیہ ریکارڈ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ راجن چھوٹے بڑے 122 غیر قانونی ہوٹلوں اور شراب خانوں کا ذاتی طور پر مالک تھا۔ یہ تمام ہوٹل اور شراب خانے بمبئی شہر میں تھے۔ اس طرح سے وصول ہونے والی رقم کا ایک بڑا حصہ گینگ کے اخراجات پر خرچ ہوتا تھا جس میں گینگسٹروں کا علاج معالجہ، جیل میں رہنے کے دوران ان کے مقدمات، ضمانتوں اور گھر والوں کے اخراجات وغیرہ شامل تھے۔

راجن نے گینگ کے تمام افراد میں بڑی احتیاط سے ذمہ داریاں بانٹ رکھی تھیں۔ وہ اعلیٰ ترین سے نچلی ترین سطح تک تمام افراد سے ذاتی طور پر رابطے میں رہتا تھا۔ داؤد ابراہیم نے بھی تمام تر ذمہ داریاں راجن کے حوالے کر دی تھیں اور اب پر آسائش زندگی گزار رہا تھا۔ اب داؤد ابراہیم کا زیادہ تر وقت پر تکلف پارٹیوں میں گزرتا تھا۔ وہ بڑے بڑے بزنس مینوں اور بالی ووڈ اسٹارز کے ساتھ ملاقاتوں میں مصروف رہتا تھا۔ یہ لوگ بھی ہندوستان جا کر بڑے فخریہ انداز سے داؤد ابراہیم کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ چھوٹا راجن پر داؤد ابراہیم کے بڑھتے اعتماد کو دیکھتے ہوئے گینگ کے دیگر افراد حسد کرنے لگے تھے اور انہیں یہ سب کچھ ایک نظر نہ بھاتا تھا۔ بالخصوص شیرا ڈ شیٹی، چھوٹا شکیل اور سنیل ساونت منصوبے تیار کر رہے تھے کہ راجن کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو کس طرح لگام دی جائے۔ داؤد ابراہیم کو پہلے ہی اندازہ تھا کہ چند لوگوں کو راجن سے بیر ہے، اس لیے داؤد ابراہیم کو راجن کی شکایت کرنا بے سود تھا۔ راجن کی مرضی کے بغیر ہندوستان میں کوئی آپریشن ہو سکتا تھا، نہ لین دین، اور یہ لوگ خود کو راجن کا ماتحت محسوس کرنے لگے تھے لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ راجن کے بارے میں داؤد ابراہیم کو ذرا طریقے سے اعتماد میں لیا جائے، ورنہ نتائج برعکس بھی نکل سکتے تھے۔

ایک دن یہ لوگ داؤد ابراہیم کے پاس اس وقت گئے جب وہ اچھے موڈ میں تھا۔ داؤد ابراہیم شیرا ڈ شیٹی کی بہت عزت کرتا تھا اس لیے انہوں نے پروگرام بنایا کہ بات شیرا ڈ شیٹی ہی شروع کرے گا۔ شیرا ڈ شیٹی نے داؤد ابراہیم کا موڈ بھانپتے ہوئے کہا "بھائی، آپ کو معلوم ہے کہ راجن گینگ پر قبضہ کرتا جا رہا ہے۔ وہ گینگ کو اپنے قبضے میں کرنے کی سوچ رہا ہے"۔

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم نے کہا۔ "انا، تمہارے ذہن میں ایسی سوچ کیسے آ گئی؟"

شیرا ڈ نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بھائی آپ کو معلوم ہے اس کے پاس کتنے آدمی ہیں۔ اس کے کتنے ہوٹل چل رہے ہیں اور کنسٹرکشن کا کتنا بزنس ہے اور کتنے پیسے وہ خرچ کرتا ہے؟"

داؤد ابراہیم نے کہا۔ "وہ گینگ کا منیجر ہے۔ میں ان سب باتوں پر نظر کیوں رکھوں؟" اس پر سوتیا نے کہا۔ "بھائی اب تو اس کے آدمی یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ ہم راجن کے لیے کام کرتے ہیں۔ وہ تو آہستہ آہستہ آپ کا نام بھی مٹا رہا ہے"۔ شیرا ڈ جانتا تھا کہ داؤد ابراہیم نے بڑی محنت اور خون خرابے کے بعد یہ سب کچھ حاصل کیا تھا، اس لیے اس نے نفسیاتی حربہ استعمال کیا اور کہنے لگا۔ "بھائی، راجن پورے ہندوستان کا دادا بننا چاہتا ہے"۔

داؤد ابراہیم کچھ دیر چپ رہا۔ اسے شیٹی اور سوتیا کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ راجن نے گینگ کو مضبوط کرنے میں دن رات محنت کی تھی لیکن یہ بات بھی سچ تھی کہ گینگ کا سارا کنٹرول اسی کے ہاتھ میں تھا۔ وہ تنظیم کے اندر ایک تنظیم چلا رہا تھا۔ اس لیے اس بات کے قوی امکانات تھے کہ موقع پاتے ہی داؤد ابراہیم پر شب خون مار دے اور پورے گینگ کا اکیلا ہی مالک بن بیٹھے۔ لیکن داؤد ابراہیم کے ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ اگر راجن کو ہٹا بھی دیا جائے تو ایسا کون سا شخص تھا جو کہ اس کی جگہ لے سکے۔ داؤد ابراہیم کو راجن کا کوئی نعم البدل نظر نہیں آ رہا تھا۔

شیٹی نے کہا۔ "بھائی، کیا پتہ وہ کتنا وفادار ہے؟ اب تک اس نے ابراہیم بھائی (پرکار) کے قاتلوں سے بدلہ لیا کیا؟" یہ بات داؤد کے دل کو لگی۔ ابراہیم پرکار کے قاتلوں کو کھلے گھومتے ہوئے اب کئی ماہ گزر چکے تھے اور اب تک کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ داؤد ابراہیم نے شکیل سے کہا کہ راجن کو فون ملائے۔ شکیل نے فوراً ہی راجن کا نمبر ملایا۔ داؤد ابراہیم نے فون پر راجن سے کہا۔ "تم نے اب تک ابراہیم (پرکار) کے قاتلوں کا کچھ بھی نہیں کیا ہے؟" راجن سو رہا تھا۔ اس طرح سے اچانک فون سن کر گھبرا گیا۔ اسے داؤد ابراہیم کا اس طرح بغیر دعا سلام، اس انداز سے بات کرنا بھی کچھ پسند نہ آیا۔ راجن نے داؤد ابراہیم سے کہا۔ "ہاں بھائی! ہمارے لڑکے ان کے پیچھے ہیں۔ ان میں سے دو لڑکے جے جے اسپتال میں سخت پولیس پہرے میں زیر علاج ہیں۔ جیسے ہی پہرہ کچھ ڈھیلا پڑتا ہے یا وہ باہر آتے ہیں ہم ان سے نمٹ لیں گے"۔ فون رکھنے کے بعد داؤد ابراہیم خود سے دہرانے لگا۔ "راجن کے لڑکے ان کے پیچھے ہیں۔ ان میں سے دو قاتل جے جے اسپتال میں زیر علاج ہیں"۔

سوتیا نے کہا۔ "بھائی! آپ مجھے چانس دو۔ مجھے لگتا ہے کہ راجن اس معاملے میں دلچسپی ہی نہیں رکھتا۔ میں جے جے اسپتال سے ان لڑکوں کو سخت سیکورٹی میں بھی نکال لاؤں گا۔ یہ سیکورٹی ویکورٹی کچھ نہیں ہے"۔ داؤد ابراہیم اپنی بیوہ بہن حسینہ کے زخموں پر مرہم بھی رکھنا چاہتا تھا اور جے جے اسپتال کی سخت سیکورٹی میں یہ آپریشن کروا کر داؤد ابراہیم ان لڑکوں کی ہمت اور وفاداری کو بھی آزما سکتا تھا۔

کچھ دیر سوتیا کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے کے بعد داؤد ابراہیم نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ سوتیا نے جھک کر داؤد ابراہیم کے پیر چھوئے اور بولا "بھائی! بس آپ کی آشیرواد چاہیے"۔

سوتیا نے اور چھوٹا شکیل نے ایک بہت ہی بڑا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ ان کے لیے کچھ کر دکھانے یا مر جانے کا مقام تھا۔ اگر وہ اس مشن میں فیل ہو جاتے تو داؤد ابراہیم کا دایاں بازو بننے کا ان کا خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ اس مشن میں کامیاب ہو جاتے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوٹا راجن کا پتہ صاف کر سکتے تھے۔

سوتیا نے فیصلہ کیا کہ وہ اس آپریشن کی نگرانی کرتے ہوئے بذات خود اس آپریشن میں حصہ لے گا۔ برجیش سنگھ جیسے ٹاپ کے گینگسٹر کے علاوہ اس مشن کو کامیاب بنانے کے لیے بمبئی شہر کے سب سے بڑے دو شوٹروں کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔ یہ شوٹر بچی پانڈے اور سبھاش سنگھ ٹھاکر تھے۔ ہر قسم کا خودکار اسلحہ اس مشن کے لیے فراہم کیا گیا تھا، جس میں 9 ایم ایم اسٹار پستولیں، کاربائن اور 32 بور کے ریوالور شوٹروں کو دیئے گئے تھے۔ پہلی مرتبہ گینگ وار میں AK-47 کلاشنکوفیں بھی استعمال کی جانی تھیں۔ اس آپریشن کی بڑے پیمانے پر تیاری کی جا رہی تھی۔ اس مشن میں غلطی کی ذرہ برابر گنجائش موجود نہ تھی۔ پورا مشن چھوٹا راجن سے صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا۔

جمشید جی جی بھائے اسپتال المعروف جے جے اسپتال شہر میں حکومت کی زیر نگرانی چلائے جانے والے بڑے اسپتالوں میں شمار ہوتا ہے اس کا زمینی رقبہ 20 ایکڑ ہے۔ اسپتال 45 وارڈوں اور 1500 بستروں پر مشتمل ہے۔ تقریباً ہر سال 50,000 مریض اس اسپتال سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اسپتال کے علاوہ اس احاطے میں ایک جدید میڈیکل کالج بھی ہے۔ اسپتال کے احاطے میں گھنی سبز جھاڑیاں بھی موجود ہیں جو کسی چھپنے والے کے لیے انتہائی موزوں ہو سکتی ہیں۔ اس اسپتال میں ہر جگہ ہر وقت آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ سیکورٹی والوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ اتنے بڑے علاقے میں اتنے بڑے پیمانے پر آنے جانے والے ہر فرد پر فرداً فرداً نظر رکھی جائے۔

چند ہی دنوں میں سوتیا اور چھوٹا شکیل نے اپنا پورا منصوبہ تیار کر لیا تھا اور اب ایکشن کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ منصوبہ بنانے میں اتنی عجلت سے کام لیا گیا کہ اس قسم کے منصوبوں کا سب سے اہم جزو یعنی ریکی ان کے ذہن سے نکل ہی گئی۔ اب تک کوئی بھی شخص عملاً اسپتال میں گیا ہی نہ تھا کہ حالات و واقعات کا جائزہ لیتا، بلکہ سارا منصوبہ کاغذوں اور نقشوں پر ہی تھا۔ اس اہم کام کو سرانجام دینے کے لیے آپریشن سے چند گھنٹے پہلے کے وقت کا انتخاب کیا گیا۔

یہ 12 ستمبر 1992ء کا دن تھا اور دوپہر کے ڈیڑھ بج رہے تھے۔ دو لڑکے ریکی کرنے اسپتال میں داخل ہوئے۔ اس وقت سیکورٹی کافی سخت تھی اور گینگسٹروں کی نشاندہی آسانی سے ہو سکتی تھی، اس لیے ایسے لڑکوں کو بھیجا گیا جن پر کسی کو شک نہ ہونے پائے۔ دونوں لڑکوں کو کہا گیا تھا کہ پورے اسپتال کا تفصیلاً جائزہ لیں۔ انہیں اس بات کا اندازہ کرنا تھا کہ اسپتال پر کتنے سیکورٹی اہلکار تعینات تھے، ان کے پاس کس قسم کا اسلحہ موجود تھا۔ وارڈ کس جانب تھا اور آپریشن کے بعد فرار ہونے کے لیے کون سے راستے محفوظ تھے۔ انہوں نے اس کام میں پورا ایک گھنٹہ صرف کیا اور ٹھیک ڈھائی بجے واپس آئے۔ انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ ان کے شکار جنرل ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ کے وارڈ نمبر 18 میں موجود تھے۔ اور ان کے لیے صرف ایک افسر اور چار جوان پہرہ دے رہے تھے۔

البتہ ان سے یہ غلطی ہو گئی کہ وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ اس وارڈ میں شیلیش ہلانکار ہی موجود تھا جبکہ بپن شیری کو وہاں سے وارڈ نمبر 6 میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ یہ منتقلی گزشتہ روز صبح ہی ہوئی تھی۔

شام ساڑھے چار بجے سبھاش سنگھ ٹھاکر، سنیل ساونت، شری کانت رائے، بچی پانڈے، شیام گڑی کپتی اور وجے پردھان مکمل ایکشن میں تھے۔ ان سب نے مل کر پوری قوت سے حملہ کر دیا تھا۔

پولیس کے سپاہی کچھ غنودگی میں تھے اور انسپکٹر کے جی ٹھاکر بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں ٹیک لگا کر کچھ آرام وغیرہ کر لے۔ اسی لمحے حملہ آور وارڈ میں وارد ہوئے اور اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ ہلانکار کا بے حرکت جسم گولیوں کی بوچھاڑ سے بستر پر زور زور سے اچھلنے لگا۔ اس کا جسم چھلنی ہو چکا تھا۔ اس کے بعد شوٹروں کو شیری کی تلاش تھی۔ اسی اثنا میں انسپکٹر ٹھاکر نے چھلانگ لگا کر خود کو صوفے کے پیچھے چھپا لیا تھا۔ انسپکٹر نے وہیں چھپے چھپے اپنے ریوالور سے پوزیشن لی اور گینگسٹروں پر جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ترجمہ: عبدالقادر | قسط نمبر 39 | ہفتہ یکم دسمبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

داؤد ابراہیم بھارتی مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز بن گیا

بابری مسجد کی شہادت اور مسلمانوں کے قتل عام کے بعد ردعمل کیلئے اس کی جانب دیکھا جا رہا تھا-

بمبئی بم دھماکوں کے بعد داؤد ابراہیم اور ٹائیگر میمن بھارتی الزامات کی زد پر آگئے-بال ٹھاکرے

نے بمبئی ڈان کیخلاف مضامین لکھنے شروع کر دیئے- جواباً چھوٹا راجن نے داؤد ابراہیم کا دفاع کیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

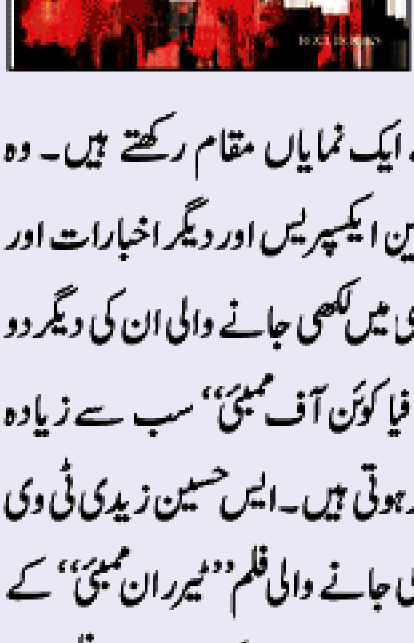

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

جے جے اسپتال کے وارڈ نمبر اٹھارہ میں سبھاش سنگھ ٹھاکر، سنیل ساونت، شری کانت رائے، پانڈے، شیام گڑی کپتی اور وجے پردھان کے حملے اور انسپکٹر کے جی ٹھاکر کی جوابی فائرنگ سے اونگھتے ہوئے سپاہیوں کے ہوش بھی ٹھکانے آگئے اور انہوں نے بھی اپنی رائفلیں سنبھال لیں۔ اب دونوں اطراف سے فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ گولیوں کی ایک بوچھاڑ نے شری کانت رائے اور وجے پردھان کو آلیا اور وہ دونوں زخمی ہو گئے۔

سوتیا نے اشارہ کیا کہ اب ان سب لوگوں کو وہاں سے نکل جانا چاہئے۔ لیکن اس سے پہلے اس نے کچھ اس انداز سے فائرنگ کی کہ پولیس والے سہم جائیں اور مزید فائرنگ کرنے سے بعض رہیں۔ اپنی AK-47 رائفل کا منہ پولیس والوں کی جانب کر کے اس نے ٹریگر دبا دیا۔ بس یہ ان کے لیے کافی تھا۔ کانسٹیبل جادو سن اور بھاونت بری طرح زخمی ہو چکے تھے اور کانسٹیبل ناگرے کی ٹانگ پر گولی لگی تھی۔

اسی دوران سبھاش سنگھ اور انسپکٹر ٹھاکر کے مابین فائرنگ کا تبادلہ جاری رہا۔ سوتیا نے سبھاش اور شیام کو چلنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے جاتے جاتے اپنے کاربائن اور آٹومیٹک پستولوں سے فائرنگ جاری رکھی۔ انسپکٹر ٹھاکر نے سر نیچے کر کے خود کو بچا لیا، لیکن گولیاں ایک مریض، نرس اور وارڈ میں موجود کسی مریض کے رشتہ داروں کو جا لگیں۔ حملہ آور موقع سے فرار ہونے لگے۔ بالآخر حملہ آوروں کے مقابلے میں انتہائی قلیل تعداد میں اور صحیح انداز سے مسلح نہ ہونے کے باوجود مٹھی بھر پولیس والوں نے ان سے لڑنے کی ٹھان لی۔ پولیس روزنامچے کے مطابق 500 گولیاں چلائی گئی تھیں۔ AK-47 رائفل نے اس لڑائی میں خطرناک رنگ بھر دیئے تھے۔ یہ رائفل صرف پانچ منٹ چلی تھی، لیکن ان پانچ منٹوں میں اس نے تباہی مچا دی تھی۔ اس کی فائرنگ سے کئی پولیس والے مارے گئے، جبکہ دوسری جانب گینگسٹروں کو زیادہ زخم نہیں آئے تھے۔

جس دیدہ دلیری سے گینگسٹر حملہ آور ہوئے تھے، اس سے نہ صرف اسپتال میں موجود لوگوں کے دل دہل گئے تھے بلکہ پورے شہر کے لوگ ہراساں ہو چکے تھے۔ انہیں اندازہ ہونے لگا تھا کہ اب کوئی بھی کسی بھی جگہ ان گینگسٹروں کے ہاتھ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس طرح کے پولیس مقابلے تو انہوں نے صرف بالی ووڈ اور ہالی ووڈ کی فلموں میں ہی دیکھے تھے۔ اس واقعے سے داؤد ابراہیم کے سیاسی روابط بھی منظر عام پر آگئے۔ بھائی وندے، نظام پور میونسپل کونسل کے میئر جے ونت سریا روکے تانے بانے بھی اس آپریشن سے ملائے گئے۔ اس کی چوری شدہ گاڑی کو سوتیا نے استعمال کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایم ایل اے پپو کالانی اور یونین منسٹر کلپنا تھ رائے کے بھتیجے وندرا رائے نے حملہ آوروں کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کی تھی۔ سب سے اہم خبر یہ سامنے آئی کہ دو شوٹر تو بمبئی یونین منسٹر کے خصوصی طیارے میں مہاراشٹر سے بمبئی آئے تھے۔

ان تمام معلومات کے بعد بھی مقدمے کی کارروائی کی رفتار سست روی کا شکار رہی۔ مقدمے کو عدالت میں کارروائی کے لیے آٹھ سال بعد پیش کیا گیا۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس وقت ڈیوٹی پر مامور انسپکٹر ٹھاکر جس کی بہادری کی وجہ سے پورا محکمۂ پولیس پھولے نہ سما رہا تھا، کو واقعات کی شہادت کے لیے طلب ہی نہ کیا گیا۔ انسپکٹر ٹھاکر حکام بالا کی اس بے اعتنائی پر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ پبلک پراسیکیوٹر اوبینی سیلیان جس نے اکتالیس ملزمان کے خلاف استغاثہ دائر کیا تھا، صرف نو افراد کو عدالت میں دوران مقدمہ پیش کر سکا۔

☆......☆......☆

ستمبر کے مہینے کی خوشگوار شب تھی اور داؤد ابراہیم کے بھائی انیس کے بنگلے پر لان کے اندر ایک پارٹی اپنے عروج پر تھی۔ یہ پارٹی جے جے اسپتال میں کامیاب آپریشن کی خوشی میں منعقد کی گئی تھی۔ اس آپریشن کی وجہ سے پورا بمبئی شہر لرز اٹھا تھا۔ تمام چھوٹے بڑے اخبارات کی سرخیاں انہی خبروں سے بھری پڑی تھیں۔ نہ صرف بمبئی بلکہ پورے ہندوستان کے اخبارات میں اس واقعہ کو کوریج دی گئی تھی۔ اخبارات کے مطابق اب بمبئی بھی شورش شدہ ریاست بہار کی شکل اختیار کرتا چلا جا رہا تھا۔ بس اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں، ہوٹلوں، اسکول، کالجوں اور اسمبلیوں میں ایک ہی موضوع زیر بحث تھا۔

پولیس والوں نے اپنے روایتی انداز سے وسیع و عریض اسپتال میں چند چوکیاں قائم کر رکھی تھیں، جبکہ اسپتال میں ایسے کئی داخلی راستے موجود تھے جہاں سے خطرات در آمد ہو سکتے تھے۔ اس واقعے کو پولیس کی سخت نااہلی قرار دیا جا رہا تھا۔ قریب ہی جے جے مارگ پولیس اسٹیشن کی موجودگی نے پولیس کی کارکردگی پر ایک اور سوالیہ نشان لگا دیا تھا۔ جے جے اسپتال کا واقعہ داؤد ابراہیم کے لیے انتہائی اہم ثابت ہوا۔ آج سے پہلے داؤد ابراہیم کا اثر و رسوخ بمبئی شہر میں اتنی شدت کے ساتھ محسوس نہیں کیا گیا تھا۔ یہ حملہ ایک گینگ کی جانب سے محض دوسرے گینگ سے بدلہ نہ تھا، بلکہ ایک گینگ نے پوری ریاست کو چیلنج کر دیا تھا۔ پولیس والوں کا یوں گینگسٹروں کے ہاتھوں مارا جانا بھارت کی تاریخ کا غیر معمولی واقعہ تھا۔

ایک پر تکلف پارٹی میں داؤد ابراہیم پھولے نہ سما رہا تھا اور اس کے خیر خواہ اسے اس کامیاب آپریشن اور بہنوئی (ابراہیم پرکار) کے قتل کا بدلہ لینے پر مبارکباد پیش کر رہے تھے۔ داؤد ابراہیم اس لیے بھی خوش تھا کہ نہ صرف ارون گاؤلی پر اب اس کا گینگ بھاری پڑ رہا تھا، بلکہ ایک مرتبہ پھر بڑے نقصان کے بعد اس کا گینگ بمبئی شہر میں اپنی پوزیشن پر پوری آب و تاب کے ساتھ واپس آگیا تھا۔ پارٹی میں لوگوں سے ملتے ہوئے داؤد ابراہیم خوشی کے ساتھ زور سے بولا ''سوتیا نے اچھا کام کیا ہے''۔ پورے فنکشن کے دوران داؤد ابراہیم، سوتیا کی تعریفیں کرتا رہا۔ سبھاش سنگھ ٹھاکر، منیش لالہ اور چھوٹا شکیل نے بھی اس کارروائی میں بھرپور حصہ لیا تھا اور داؤد ابراہیم نے انہیں بھی خوب داد دی تھی۔

اس سارے شور شرابے اور ہنگامے کے دوران چھوٹا راجن خاموشی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ سب لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کارروائی کے پیچھے اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔ اس سے پہلے ہر کارروائی کا سہرا راجن کے سر جایا کرتا تھا، کیونکہ اس کی منظوری کے بغیر کوئی بھی کارروائی نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن آج راجن لوگوں سے بھری اس پارٹی میں کونے میں اکیلا بیٹھا تھا۔ اسے اتنی بڑی کامیابی میں اپنا نام نہ سن کر بڑی بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ داؤد ابراہیم جے جے آپریشن ٹیم کو داد دے رہا ہے تو وہ غصے سے پاگل ہونے لگا۔ لیکن پھر وہ سوچنے لگا کہ آپریشن ناکام رہا ہے، کیونکہ اتنی زیادہ افرادی قوت اور اسلحہ استعمال کرنے کے بعد بھی ٹارگٹ پوری طرح حاصل نہیں ہو سکا۔ یہ لوگ صرف ہلانکار کو مارنے میں کامیاب ہوئے تھے جبکہ چپن شیری ابھی زندہ تھا۔

راجن کو یہ سوچ کر اور بھی غصہ آ رہا تھا اس کا باس ان احمقوں کی بہادری کے گیت گا رہا ہے جو پورے آپریشن کا ستیاناس کر آئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد راجن پارٹی سے باہر آگیا۔ اس نے کہا، اس مرتبہ ایسا ہی سہی۔ اس نے خود کو یہ کہہ کر سمجھانا شروع کر دیا کہ جب اس نے کارنامے انجام دیئے تھے تو داؤد ابراہیم نے اسے بھی دل کھول کر داد دی تھی۔ داؤد ابراہیم نے کبھی کسی کے سامنے اسے ڈانٹا تھا نہ کبھی اس کی بے عزتی کی تھی۔ پارٹی بلا روک ٹوک چلتی رہی۔ اس قسم کی پارٹیوں میں آنا بہت سے لوگ ضروری سمجھتے تھے۔ بہت سے کاروباری افراد کو اندازہ تھا کہ سکون سے کاروبار کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ داؤد ابراہیم سے دعا سلام رکھی جائے۔ اس لیے چاہتے نہ چاہتے بہت سے لوگ، داؤد ابراہیم کو اس کامیابی پر مبارکباد دے رہے تھے۔

جلد ہی ستمبر کے مہینے کے یہ واقعات ماضی کا حصہ بن گئے اور دسمبر آگیا۔ داؤد ابراہیم کے بہت سے چاہنے والے اپنے باس کی سالگرہ کی پارٹی کا اہتمام کرنے کا سوچ رہے تھے۔ داؤد ابراہیم 31 دسمبر کو پیدا ہوا تھا۔ داؤد ابراہیم کے لیے بذات خود اپنی سالگرہ میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، البتہ اس موقع پر وہ دوستوں کو جانچ ضرور لیتا تھا کہ اس کی صحت، ترقی اور زندگی سے کون خوش ہے اور کون اس سے بغض رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح مافیا میں دشمن بھی اس قسم کی پارٹیوں پر آنے جانے والوں پر خصوصی نظر رکھتے ہیں کہ کس کی وفاداری کس کے ساتھ ہے۔

سالگرہ کے دن قریب تھے کہ ہندوستان میں ایک اہم سیاسی واقع رونما ہو گیا، جسے بھارت کی تاریخ کا سیاہ ترین دن کہا جاتا ہے۔ اس دن بھارت کے سیکولر ہونے کے تمام تر دعوے دھرے رہ گئے۔ 6 دسمبر 1992ء کو ہندوؤں کے ایک جم غفیر نے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ایودھیا کی تاریخی بابری مسجد کو شہید کر دیا۔ اس کارروائی میں دائیں بازو کی پارٹی کے 70,000 کارکنان نے بھی حصہ لیا تھا۔ ہندوؤں کا الزام تھا کہ یہ جگہ رام کی جائے پیدائش تھی اور یہاں ایک مندر تھا جسے بابر کے کمانڈر میر باقی کے حکم پر مسمار کر دیا گیا اور وہاں مسجد تعمیر کر دی گئی۔

یہ 1983ء کی بات ہے کہ سنگھ پریوار (راشٹریہ سیوک سنگھ اور وشوا ہندو پریشد) نے اس بات کا اندازہ لگایا کہ ایودھیا، سیاست چمکانے کے لیے سونے کی ایک کان ہے۔ اکتوبر 1992ء تک ایڈوانی کی رام مندر تعمیر مہم کافی زور پکڑ چکی تھی۔ جب ایڈوانی کو معلوم ہوا کہ اس منصوبے کے لیے بابری مسجد کو شہید کرنے کا منصوبہ بنا لیا گیا ہے تو 23 اکتوبر کو سماستیپور بہار میں اس نے اس مہم کے لیے نکالی جانے والی ریلی کو ختم کر دیا۔ اگلے ہی دن سنگھ پریوار نے بھارت بانڈھ کا اعلان کر دیا۔ بالآخر 6 دسمبر 1992ء کے دن ایڈوانی اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے ایودھیا پہنچا اور ہزاروں انتہا پسند ہندوؤں کی مدد سے بابری مسجد کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے بھارت کے طول و عرض میں 2000 افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ بمبئی بھی ان فسادات کی زد میں تھا جہاں مسلمانوں کی جانوں اور املاک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا گیا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہندو، مسلمانوں کے جذبات بھڑکنے کا انتظار کر رہے تھے اور پوری طرح کارروائی کے لیے مسلح بیٹھے تھے۔ اس لیے جیسے ہی مسلمان احتجاج کے لیے سڑکوں پر آئے ہندوؤں نے اپنی مسلح کارروائیاں شروع کر دیں اور بھارت کے بدترین مسلم کش فسادات بمبئی میں دیکھنے کو ملے۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد دسمبر اور جنوری کے مہینے، بمبئی کے مسلمانوں پر قیامت خیز تھے۔ مسلمانوں کو پولیس والوں سے مدد کی توقع تھی، لیکن بمبئی پولیس نہ صرف خاموش تماشائی بنی رہی بلکہ ہندو بلوائیوں کی معاون ثابت ہوئی۔ بعد ازاں شری کرشنا کمیشن نے بھی یہی رپورٹ دی کہ ممبئی پولیس نے ان فسادات کے دوران انتہائی جانبدارانہ کردار ادا کیا۔ بندرہ کے علاقے میں تو مسلمانوں کے گھروں پر فسادات سے قبل باقاعدہ چاک سے نشان لگا دیئے گئے تھے، تاکہ فسادات کے دوران انہیں نشانہ بنانے میں کوئی مشکل نہ پیش آئے۔ ان واقعات نے مسلمانوں کے درمیان عدم تحفظ کا احساس پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کے پاس ایسے وقت میں کوئی مناسب لیڈر موجود نہ تھا۔ اس سے پہلے وہ حاجی مستان کی جانب دیکھتے تھے اور اب ان کی نظریں داؤد ابراہیم پر تھیں۔ بمبئی کے مسلمان لڑکے اس بات کے خواہاں تھے کہ داؤد ابراہیم، شیوسینا کے غنڈوں سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کرے۔ کیونکہ صرف وہی تھا جو ان سے نمٹنے کی سکت اور ہمت رکھتا تھا۔

داؤد ابراہیم نے مسلمانوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ داؤد ابراہیم اور بمبئی کے بہت بڑے اسمگلر ٹائیگر میمن کے مابین ''تحریک انتقام'' کے لیے کئی میٹنگز ہوئیں۔ چھوٹا راجن ان تمام میٹنگز کو دیکھ کر کچھ تذبذب کا شکار تھا، کیونکہ کانفرنس روم میں چھوٹا شکیل تو آ جا رہا تھا لیکن راجن کو ان میٹنگز سے دور رکھا گیا تھا۔ ممبئی کے نوجوانوں کے علم میں تمام مظالم تھے کہ کس طرح مسلمانوں کو لوٹا اور قتل کیا گیا تھا اور کس طرح سورت میں مسلمان عورتوں کی آبرو ریزی کی گئی تھی۔ اس لیے وہ اس آپریشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہتے تھے۔ بالآخر اس آپریشن کے لیے ممبئی ٹائیگر نے رائے گڑھ اور مہاراشٹر سے بہت سا اسلحہ جن میں کلاشنکوفیں اور دستی بم بھی شامل تھے بمبئی پہنچا دیا۔

12 مارچ 1993ء کو بموں کے کئی دھماکوں نے بمبئی شہر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پورا شہر دھماکوں اور فائرنگ کی زد میں تھا۔ پہلا دھماکہ ایک بج کر اٹھائیس منٹ پر بمبئی اسٹاک ایکسچینج میں ہوا۔ اس کے بعد کئی دھماکے مختلف علاقوں میں ہوئے، جن میں ایئر انڈیا ٹاور، دانہ مارکیٹ، پلازہ سینما، سینا بھاون، پاسپورٹ آفس اور بندرا اور سانتا کروز کے فائیو اسٹار ہوٹل شامل ہیں۔ پولیس کی انکوائری رپورٹ کے مطابق مٹھی بھر نوجوانوں نے پوری بمبئی کو یرغمال بنائے رکھا۔

PdfStuff.blogspot.com

12 مارچ کی صبح ان حملوں سے قبل ٹائیگر میمن اور اس کے خاندان والے ملک چھوڑ کر جا چکے تھے۔ پولیس کو ایسے کئی شواہد مل گئے جس سے واقعات میں ٹائیگر میمن کا ملوث ہونا ثابت ہوتا تھا۔ اس ضمن میں گرفتار کئے گئے افراد پر بدنام زمانہ ٹاڈا ایکٹ کے تحت مقدمات قائم کئے گئے۔ دوسری جانب پورا شہر کہہ رہا تھا کہ داؤد ابراہیم لازماً ان حملوں میں ملوث ہو گا کیونکہ پورے شہر کو اس طرح گھٹنے ٹیکنے پر اس کے علاوہ کوئی اور مجبور نہیں کر سکتا۔ بھارتی حکومت نے عرب امارات کی حکومت پر پورا زور لگایا کہ داؤد ابراہیم کو دبئی سے ڈی پورٹ کیا جائے لیکن حکومتی ذرائع اپنی ان کاوشوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ بھارتی میڈیا نے معاملے کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ایک جانب تو بھارتی حکومت کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور دوسری جانب دبئی میں داؤد ابراہیم کی محلات نما پراپرٹی بار بار ٹی وی پر دکھائی جاتی رہی۔ داؤد ابراہیم نے ٹائیگر میمن کو اپنے انتہائی اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے بمبئی سے نکلوایا تھا، کیونکہ ان دھماکوں سے پہلے ہی پولیس والے اس کی تلاش میں تھے۔ نیز ٹائیگر مڈل ایسٹ میں بھی اپنے کاروبار کو پھیلانے کا سوچ رہا تھا اور اس ضمن میں داؤد ابراہیم اس کے لیے بہت معاون ثابت ہو سکتا تھا۔ چونکہ داؤد ابراہیم نے بمبئی آپریشن ٹائیگر میمن سے کروایا تھا، اس لیے بھارتی حکومت کے داؤد ابراہیم کے خلاف دعوؤں میں زیادہ زور بھی نہ تھا، بلکہ ان میں قانونی کمزوریاں پائی جاتی تھیں۔

بھارتی عوام حکومتی کارکردگی سے خوش نظر نہیں آتی تھی۔ اسی اثنا میں شیوسینا کے کرتا دھرتا بال ٹھاکرے نے داؤد ابراہیم کے خلاف بھڑکیلے اداریئے اخبارات میں لکھے اور اسے ''غدار'' قرار دیا۔ دوسری جانب بال ٹھاکرے نے ہندو ڈانوں جیسا کہ ارون گاؤلی اور امر نائیک کو مہاراشٹری لڑکے کہہ کر پکارا۔ اس دوران چھوٹا راجن، داؤد ابراہیم کے دفاع کے لیے میدان میں آگیا۔ راجن بذات خود ایک مہاراشٹری تھا۔ اسے اس بات کا اندازہ بھی تھا کہ بمبئی دھماکوں میں داؤد کا کس حد تک ہاتھ ہے۔ راجن نے داؤد ابراہیم کے دفاع میں اخبارات کے دفاتر میں فیکس بھیجنا شروع کر دیئے اور فون بھی کرتا رہا۔ راجن نے اخبارات کو لکھا کہ داؤد ابراہیم پر لگائے جانے والے الزامات نہ صرف بے بنیاد ہیں بلکہ ان میں مذہبی منافرت کی بو بھی آتی ہے۔ راجن یہیں تک نہ ٹھہرا، بلکہ اس نے اس سلسلے میں بال ٹھاکرے کو بھی پیغامات بھجوائے۔ اس نے انگریزی اخبارات کو مراٹھی زبان میں پیغامات بھجوائے کہ بال ٹھاکرے کو اپنی سیاست سے غرض رکھنی چاہئے اور انڈر ورلڈ کے معاملات میں دخل اندازی کی کوشش اسے مہنگی پڑ سکتی ہے۔ راجن نے اخبارات کو لکھا کہ داؤد ابراہیم غدار نہیں ہے اور اس سلسلے میں اسے بال ٹھاکرے سے سرٹیفکیٹ لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم بمبئی بم دھماکوں سے خود کو کلیئر کرانا چاہتا تھا

وکیل کے ذریعے داؤد نے حکومت کو پیغام بھیجا کہ بم دھماکہ کیس کے سوا اس پر عائد دیگر تمام مقدمات ختم کر دیئے جائیں اور جیل کے بجائے گھر پر نظر بند رکھا جائے تو وہ بھارت آکر عدالت کا سامنا کرنے پر تیار ہے۔ یہ شرائط مسترد کر دی گئیں۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

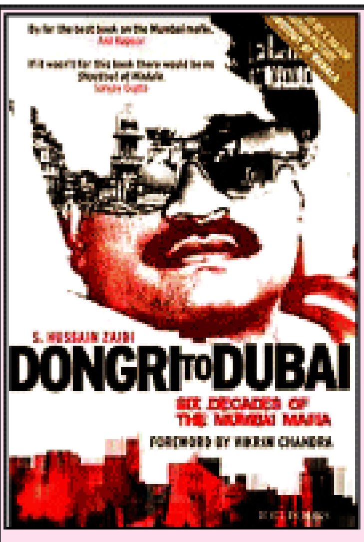

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی ٹیرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

12 مارچ 1993ء کے بمبئی بم دھماکوں نے پوری بھارتی قوم کے ساتھ ساتھ حکومت کو بھی صدمے سے دوچار کر رکھا تھا۔ گو کہ داؤد ابراہیم ان حملوں میں منظر عام پر نہ تھا اور نہ ہی قانون نافذ کرنے والے ادارے اس سلسلے میں داؤد ابراہیم کے خلاف ٹھوس شواہد پیش کر سکے تھے لیکن بھارتی عوام اس بات پر یقین کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی۔ ہر خاص و عام کو اس بات کا یقین تھا کہ داؤد ابراہیم کی مداخلت کے بغیر اتنے بڑے پیمانے پر بمبئی شہر کو ہلا کر رکھ دینا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔

داؤد دبئی میں موجود اپنے وہائٹ ہاؤس میں بیٹھا انہیں باتوں پر سوچ بچار کر رہا تھا۔ اسے دبئی میں بیٹھے بیٹھے ہندوستان سے ٹیلی فون کالیں، فیکس اور پارسل موصول ہو رہے تھے۔ ہر شخص ہر ذریعے سے اسے ملامت کر رہا تھا اور لوگ داؤد ابراہیم کو وطن کا غدار سمجھنے لگے تھے۔ داؤد ابراہیم کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ داؤد ابراہیم نے دبئی میں بیٹھے بیٹھے اس معاملے پر کافی سوچ بچار کی اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر وہ چاہے تو اس معاملے میں خود کو بے گناہ ثابت کر سکتا ہے۔ داؤد ابراہیم ایک ذہین انسان تھا۔ اس کی دور اندیشی نے اسے نکلنے کا راستہ دکھا دیا تھا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا اور اس نے ایک شخص کو بلایا کہ اسے فون لا کر دے۔

اس نے فون پر ہندوستان میں پولیس ڈپارٹمنٹ میں موجود اپنے ایک بااعتماد ساتھی سے معلومات حاصل کیں کہ اس کے خلاف کیا اور کتنے مقدمات ہیں۔ ان مقدمات کی نوعیت کیا تھی اور الزامات کو ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس کس حد تک ثبوت موجود ہیں۔ فون کرنے کے بعد داؤد کو اندازہ ہوا کہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بمبئی پولیس اس کے خلاف کسی قسم کے ثبوت پیش نہ کر سکی تھی۔ اب تک انہیں صرف اس حد تک کامیابی نصیب ہوئی تھی کہ بدنام زمانہ ٹاڈا ایکٹ کے تحت گرفتار شدہ افراد میں سے دو افراد کو داؤد ابراہیم کے خلاف بطور گواہ پیش کر سکے تھے۔

داؤد ابراہیم کے خلاف اس سارے معاملے میں صرف یہی الزامات تھے کہ وہ اس سازش میں شریک تھا اور اس نے ٹائیگر میمن کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کی تھی۔ سازش میں شامل ہونے کے شبے کے علاوہ بمبئی پولیس کے پاس مزید ایسے کوئی ٹھوس ثبوت نہ تھے جس کی بنیاد پر داؤد ابراہیم کے خلاف عدالت میں کوئی مضبوط مقدمہ قائم کیا جا سکتا یہ سب معلومات حاصل کر لینے کے بعد داؤد ابراہیم کو اندازہ ہوا کہ اس کے خلاف کوئی بہت مضبوط مقدمہ نہیں بنتا اس لیے ذرا سی کوشش کر کے وہ خود کو عدالت سے بری کروا سکتا تھا۔

رام جیٹھملانی کا شمار بھارت کے نامور وکیلوں میں ہوتا ہے۔ داؤد ابراہیم نے سوچا کہ اگر اسے اس بھنور سے کوئی نکال سکتا ہے تو وہ جیٹھملانی ہی ہے۔ اس لیے داؤد ابراہیم نے سوچا کہ جیٹھملانی سے فون پر بات کی جائے۔ اس وقت جیٹھملانی اپنے لندن والے بنگلے میں رہائش پذیر تھا۔ داؤد ابراہیم نے جیٹھملانی سے مختصر اور کام کی بات کی۔ داؤد ابراہیم نے کہا۔ ''جیٹھملانی صاحب! میں اپنے خلاف مقدمات کا سامنا کرنا چاہتا ہوں۔''

جیٹھملانی کو جب یہ فون موصول ہوا تو وہ بہت ہی حیران ہوا کہ دنیا کا اتنا بڑا ڈان اسے فون کر رہا ہے وہ بھی قانونی مشورے کے لیے۔ جیٹھملانی کچھ گھبرا سا گیا اور اس مسئلے سے الگ رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن داؤد ابراہیم کے اصرار پر وہ مان گیا۔ داؤد ابراہیم نے اسے بتایا کہ وہ بمبئی بم حملوں کے سلسلے میں خود پر لگائے گئے تمام الزامات کا سامنا کرنے کے لیے تیار اور اس کے لئے ہندوستان جانے کا خواہاں ہے۔

داؤد ابراہیم نے کہا کہ وہ حکومت سے اس سلسلے میں مکمل تعاون کرے گا لیکن اس کی چند شرائط حکومت تک پہنچا دی جائیں۔ پہلی شرط تو یہ تھی کہ 1993ء کے بمبئی بم دھماکوں کے سوا اس کے خلاف جتنے مقدمات ہندوستان میں زیر سماعت تھے ان سب کو خارج کر دیا جائے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ بمبئی بم دھماکوں کا مقدمہ جب تک چلتا رہے گا اسے جیل میں قید کرنے کے بجائے گھر میں نظر بند رکھا جائے گا۔ اس نے جیٹھملانی سے کہا کہ اگر حکومت یہ دو شرائط مان جاتی ہے تو وہ بخوشی اپنے وطن جانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

داؤد ابراہیم کا یہ پیغام ہندوستان پہنچتے ہی ایک نئی بحث چھڑ گئی۔ بھارتی پارلیمنٹ سے لے کر بمبئی منترالیہ تک یہی موضوع زیر بحث تھا۔ سینئر انٹیلی جنس افسران کا خیال تھا کہ داؤد ابراہیم کو اس طرح ہندوستان نہیں آنا چاہئے۔ انہیں اندازہ تھا کہ وہ ذہین شخص جس طرح اپنی شرائط پر بھارت آئے گا اسی طرح خود کو صاف کروا کر اپنی شرائط پر واپس بھی چلا جائے گا۔ البتہ بھارتی حکومت کے سینئر سیاست دان چاہتے تھے کہ داؤد ابراہیم کو بھارت آکر اپنے مقدمات کا سامنا کرنا چاہئے۔ ان کے خیال میں داؤد ابراہیم کو عدالت کے کٹہرے میں لا کر ان کی حکومت ایک تاریخ ساز کامیابی حاصل کر لے گی جو کہ اگلے کئی الیکشن تک ان کے کام آسکے گی۔ البتہ مہاراشٹر کے چند سیاست دانوں کو اس معاملے میں تحفظات بھی تھے۔ ان کے خیال میں اگر داؤد ابراہیم آیا اور اس نے خود کو صاف کرانے کے لئے مقدمات کا سامنا کیا تو مہاراشٹر میں موجود کئی سیاست دانوں کے پول کھل جائیں گے۔ اس لیے وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ داؤد ابراہیم ہندوستان واپس آئے۔ بہت سے سیاست دان لندن اور دبئی میں داؤد ابراہیم سے ملاقاتیں کرتے رہے تھے اور انہوں نے اپنے بہت سے پھنسے ہوئے کام داؤد ابراہیم سے کروائے تھے۔ اب یہ لوگ اس پوری صورت حال سے سخت پریشان دکھائی دیتے تھے۔

ان سیاست دانوں کے توسط سے جیٹھملانی کے ذریعے داؤد ابراہیم کو پیغام بھجوایا گیا کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور اسے یہ برداشت نہیں کہ کوئی ڈان اس کے سامنے اپنی شرائط پیش کرے۔ داؤد ابراہیم کو پیغام پہنچایا گیا کہ اگر وہ کسی شرط کے بغیر بھارت آجائے تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور اس کے خلاف خالصتاً عدالتی کارروائی کی جائے گی۔ گو کہ داؤد ابراہیم چاہتا تھا کہ اسے عدالت ان الزامات سے بری کر دے لیکن وہ اتنا بھولا نہ تھا کہ حکومتی جھانسے میں آجاتا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر اس کی شرائط نہ مانی گئیں تو بھارت کی حکومت اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرے گی۔

بعد ازاں اسی سال داؤد ابراہیم کے خدشات بالکل صحیح ثابت ہوئے جب ٹائیگر میمن فیملی نے سرنڈر کر دیا اور حکومت نے ان کی درگت بنا ڈالی۔ یعقوب میمن غیر مشروط طور پر عدالتی کارروائی کے لیے بھارت واپس آیا تو حکومت نے اس کے ساتھ گلی کے موالی غنڈوں جیسا سلوک کیا اور اسے تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ یہ تمام حالات واقعات جاننے کے بعد داؤد کو اپنے فیصلے پر اطمینان ہوا اور اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ کبھی بھی غیر مشروط بھارت واپس نہ جائے گا اور نہ ہی حکومت کے کسی وعدے پر اعتبار کرے گا۔

اس طرح بھارتی حکومت اور ایجنسیوں نے دنیا کے ایک بڑے ڈان اور خود بھارتی حکومت کو انتہائی مطلوب شخص کو اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اتنی آسانی سے کھو دیا۔ چند ماہرین کا خیال تھا کہ جس کے تعاقب میں بھارتی ایجنسیاں دنیا میں ماری ماری پھرتی تھیں جب وہ خود آنا چاہ رہا تھا تو عقل مندی کا تقاضہ یہی تھا کہ اسے آنے دیا جاتا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ummat.com.pk

PdfStuff.blogspot.com

قسط نمبر 41

ترجمہ: عبدالقادر

PdfStuff.blogspot.com

بالی ووڈ کے ستارے داؤد ابراہیم کے ساتھ فخریہ تصویر کھنچواتے تھے

مندا کنی کے ساتھ فوٹو گراف سب سے زیادہ مقبول ہوا- بمبئی بم دھماکوں کے بعد سب کچھ بدل کر رہ گیا- کئی فلمی اسٹارز کا کہنا تھا، انہیں داؤد ابراہیم سے ملنے اور تصاویر کھنچوانے پر مجبور کیا گیا- مندا کنی کا کیریئر ختم ہو گیا- پولیس نے بمبئی میں داؤد ابراہیم کے اثاثوں کو سیل کرنا شروع کر دیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

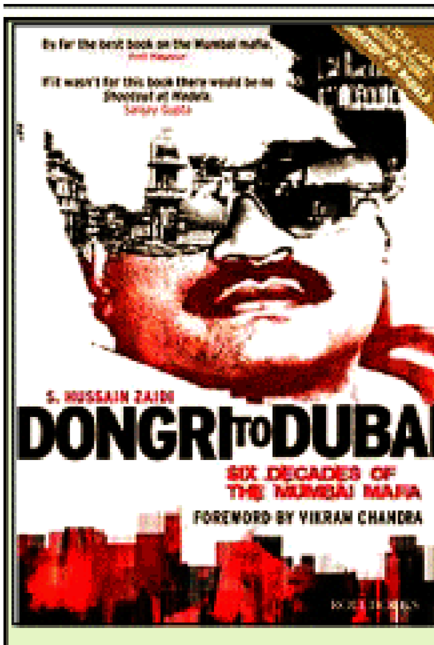

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈ ڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارد ا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

1990ء کی دہائی کے اوائل میں یہ فیشن عام تھا کہ بالی ووڈ کے فلمی ستارے داؤد ابراہیم کے ساتھ تصاویر کھنچواتے اور انہیں بڑے فخر سے ایک دوسرے کو پیش بھی کرتے تھے۔ بمبئی، گجرات اور مہاراشٹر کے ڈان، بالی ووڈ کے گلیمر میں شروع سے ہی دلچسپی رکھتے تھے۔ بالی ووڈ میں بننے والی فلموں کے لیے سرمایہ کاری کا سب سے بڑا ذریعہ ہی ڈان تھے۔ اس سلسلے میں پہلے اس بات کا ذکر آ چکا ہے کہ حاجی مستان نے کئی فلمیں بالی ووڈ سے بنوائیں۔ سب ڈانوں کے ڈان، داؤد ابراہیم کا حصہ بالی ووڈ میں بھی سب سے زیادہ تھا۔ اس لیے ان ڈانوں کے ساتھ تصاویر بنوانا اور ان سے میل جول رکھنا بہت سے اداکاروں کی مجبوری بھی تھی، کیونکہ بہت سی اداکاراؤں کو متعارف کرانے والے بھی یہی ڈان تھے۔ البتہ 1993ء کے بمبئی دھماکوں کے بعد لوگ ان فلمی ستاروں کو بھی شکوک وشبہات کی نگاہ سے دیکھنے لگے، جو داؤد ابراہیم سے میل جول رکھتے تھے۔ فضا میں تناؤ اور خوف تھا۔ فلمی ستاروں کی جانب سے انکاری بیانات اور تردیدی بیانات عام تھے۔ چند ایک نے تو جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ انہیں داؤد ابراہیم سے ملنے اور تصاویر کھنچوانے کے لیے مجبور کیا جاتا رہا ہے۔ ان کے مطابق تصویریں سچ نہیں بولتیں، لیکن ان تمام تصاویر میں ایک تصویر ایسی بھی تھی جو زد زبان عام تھی۔

1980ء کی دہائی کے آخر اور 1990ء کی دہائی کے اوائل میں ہندی فلموں میں کئی نئے چہرے متعارف کرائے گئے۔ ان میں بہت سی ہیروئنوں کے، گینگ کے لوگوں سے تعلقات بھی رہے۔ بالی ووڈ کے یہ واقعات انوکھی نوعیت کے نہ تھے۔ ہمیں اس قسم کی مثالیں ہالی ووڈ میں بھی ملتی ہیں۔ شکاگو کا بگ باس سام گیانچنا، مشہور فلم اسٹار اور سپر ماڈل مارلن منرو میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اس افیئر کے بعد ہی ایک دن منرو پراسرار طور پر مردہ حالت میں پائی گئی تھی۔ اسی طرح کا ایک اور قصہ ہالی ووڈ کی فلم اسٹار کیٹی گیلیٹین کے ساتھ پیش آیا، جو ایک بہت مشہور ڈان بگسی سیگل کی منظور نظر بنی۔ تو ممبئی کے ڈان کسی سے پیچھے کیونکر رہتے۔ یہ لوگ بھی بالی ووڈ گلیمر کے سحر سے خود کو بچانے میں ناکام رہے۔ اس کی سب سے پہلی مثال ہمیں حاجی مستان کی زندگی میں ملتی ہے، جس نے سونا سے صرف اس لیے شادی کی تھی کہ وہ اس کی جوانی کی پسندیدہ اداکارہ مدھو بالا کی ہمشکل تھی۔

جو تصویر بھارتی معاشرے میں موضوع بحث بنی رہی، وہ بالی ووڈ اداکارہ مندا کنی کی داؤد ابراہیم کے ساتھ ایک تصویر تھی، جو شارجہ میں ایک کرکٹ میچ کے دوران لی گئی تھی۔ مندا کنی کو بالی ووڈ میں فلم ساز راج کپور نے متعارف کرایا تھا۔ مندا کنی نے اپنی پہلی فلم ''رام تیری گنگا میلی'' سے بہت شہرت حاصل کی تھی۔ یہ تصویر سرخیوں کے ساتھ ہندوستانی اخبارات کی زینت بنی رہی۔ لوگ ممبئی دھماکوں کی وجہ سے انتہائی غصے کے عالم میں تھے اور یہ وقت مندا کنی پر بہت بھاری گزر رہا تھا۔

بالی ووڈ کی بہت سی اداکاراؤں کی طرح مندا کنی کی حرکات وسکنات بھی پراسرار رہی تھیں اور وہ بھی انڈر ورلڈ مافیا کے کاندھوں پر چڑھ کر شہرت کی منزلوں تک پہنچی تھی۔ البتہ ان واقعات سے قبل تک بہت سے لوگ سمجھتے تھے کہ انڈر ورلڈ مافیا کے ساتھ مندا کنی کے تعلقات افواہوں پر مبنی تھے اور اس نے شہرت کی منزل اپنی محنت اور قسمت سے پائی تھی۔

مندا کنی کی داؤد ابراہیم کے ساتھ تصاویر 1994ء میں منظر عام پر آئیں۔ اس وقت تک لوگ بمبئی دھماکوں کو بھلا نہیں پائے تھے۔ مندا کنی کے پاس صحافیوں اور فوٹو گرافروں کا تانتا بندھ گیا اور بالآخر مندا کنی کو پولیس کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ جب 1995ء میں اس کی نئی فلم ''زوردار'' ریلیز ہوئی تو کسی کو اندازہ نہ تھا کہ یہ اس کی آخری ہندی فلم ثابت ہوگی۔

داؤد ابراہیم نے دبئی میں رہتے ہوئے بمبئی سے کبھی ناتا نہ توڑا تھا۔ بلکہ دبئی میں اپنا بیس کیمپ رکھنے کے باوجود اس کے تمام آپریشنوں کا مرکز ممبئی ہی تھا۔ اس نے دبئی سے جو دولت کمائی تھی، اس سے بہت سی پراپرٹی بمبئی میں بنا رکھی تھی۔ حالانکہ جب داؤد ابراہیم مانیا کے قتل کے بعد بمبئی سے دبئی فرار ہوا تھا تو وہاں پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ سب کچھ سمیٹ کر دبئی آنا شروع کر دیں۔ لیکن بمبئی میں بنگلوں، ہوٹلوں اور عمارتوں کے علاوہ لین دین کے لیے داؤد ابراہیم کے بینک اکاؤنٹ اور ہنڈی کے رابطے بھی موجود تھے۔

بمبئی کرائم برانچ نے داؤد ابراہیم کے تعاقب کے سلسلے میں اپنی حکمت عملی میں تبدیلیاں کر لی تھیں۔ اب پولیس نے بمبئی میں داؤد ابراہیم کے اثاثوں پر ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ ہر اپارٹمنٹ، عمارت، بینک اکاؤنٹ اور پیسے کا لین دین، جس کا تعلق داؤد ابراہیم سے تھا، سیل کر دیا گیا۔ بمبئی پولیس بدلے کی آگ سے بھری داؤد ابراہیم کے اثاثوں اور پیسے پر حملہ بول رہی تھی۔ ان کے مطابق یہی پیسہ تھا جس نے اب تک سینکڑوں بے گناہوں کی جان لی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ تاجر پیسے کے بغیر کیا تاجر ہوگا۔ اس کا پیسہ ختم کر دو اس کی حکمرانی خود ہی دم توڑ جائے گی۔

بمبئی پولیس کو بنگلور کے مضافات میں ایک ایسے فارم ہاؤس کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی جسے مبینہ طور پر داؤد ابراہیم کے پیسے سے بنایا گیا تھا اور یہ فارم ہاؤس ملک کے طول وعرض میں موجود داؤد ابراہیم کی غیر قانونی املاک میں سے ایک تھا۔ بنگلور کے تھانے میں اس بات کی اطلاع پہنچا دی گئی اور پولیس نے وہاں چھاپہ مارا۔ جب پولیس وہاں چھاپہ مارنے پہنچی تو انہیں یہ جان کر بہت حیرت ہوئی کہ فارم ہاؤس مندا کنی کے نام پر رجسٹرڈ ہے۔ یہ خبر بہت زیادہ دیر تک صیغۂ راز میں نہ رہ سکی۔ میڈیا میں پورا دن یہی خبریں گردش کرتی رہیں کہ داؤد ابراہیم اور مندا کنی میں قریبی تعلقات ہیں۔

میڈیا نے اس رومانس کو اتنا اچھالا کہ کئی اخبارات کے پورے پورے صفحے صرف اسی خبر سے پُر تھے اور کئی اخبارات میں اس خبر کو متواتر چھاپا جاتا رہا۔ الیکٹرونکس میڈیا بھی اس دوڑ میں پیچھے نہ رہا۔ لوگوں کے ذہن میں ایک ہی سوال تھا کہ مندا کنی کو آخر کیا پڑی تھی کہ ڈونگری کے اس ڈان کے اتنا قریب گئی؟ کیا اسے بھی بہت سی دیگر اداکاراؤں کی طرح اپنی کامیابی کے لیے کسی سیڑھی کی ضرورت تھی؟ کیا مندا کنی کے علاوہ اور بھی اداکارائیں اسی طرح کامیاب ہوئیں؟ آخر بالی ووڈ میں سرمایہ کاری کس جانب سے کی جا رہی ہے؟ آخر کار مندا کنی بنگلور کے اس دور افتادہ علاقے میں بمبئی جیسے شہر کی رونقیں چھوڑ کر کیوں رہ رہی تھی؟ اور آخری سوال کہ مندا کنی آخر ہے کون؟ کئی ذہنوں میں اس سوال نے بھی جنم لیا کہ ایسا تو نہیں کہ سیدھی سادھی بھولی بھالی مندا کنی انڈر ورلڈ کے جال میں نہ چاہتے ہوئے بھی پھنس گئی ہو؟

سوالات کی بوچھاڑ تھی لیکن ان کے جوابات دینے والا کوئی بھی نہ تھا۔ مندا کنی نے ان تمام سوالوں کے جوابات دینے سے انکار کر دیا۔ وہ داؤد ابراہیم سے اپنے کسی بھی قسم کے تعلقات سے بھی مسلسل انکاری تھی۔ مندا کنی نے بتایا کہ وہ داؤد ابراہیم کو جانتی تو ہے لیکن اس کا کبھی داؤد ابراہیم سے رومانس نہیں رہا۔ شاید مندا کنی کو اندازہ نہ تھا کہ ان تصاویر سے کیسا تہلکہ مچ جائے گا۔ وہ بری طرح خوف زدہ تھی۔ لوگوں کے ذہنوں نے ان سوالوں کے کئی جوابات گھڑ لیے تھے کہ: شاید اسے اندازہ ہی نہ تھا کہ یہ تعلقات اس کے لیے کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ شاید کہ وہ ڈان کی شان وشوکت سے مرعوب ہو گئی تھی۔ شاید کہ اس بارے میں مکمل سچ کبھی سامنے نہ آ سکے، کیونکہ اصل کردار یعنی داؤد ابراہیم نے کبھی اس معاملے میں لب کشائی نہیں کی تھی۔ البتہ ان تمام سوالوں کا ایک جواب تو پھر بھی نظر آتا ہے اور وہ ہے ڈان کا اثر ورسوخ۔

اس تمام شور وغل اور ہنگامے کے باوجود مندا کنی کے لیے یہ کسی اچنبھے سے کم نہ تھا کہ بمبئی پولیس نے اسے کلیئر قرار دے دیا۔ پولیس کو مندا کنی اور داؤد ابراہیم کے تعلقات کے بارے میں کوئی ٹھوس شواہد نہ مل سکے۔ اس کے بعد نہ کوئی سوال اٹھا، نہ انکوائری ہوئی۔ البتہ اس واقعہ کے بعد فلم انڈسٹری میں مندا کنی کا مستقبل ضرور تاریک ہو گیا۔ مندا کنی کو فلموں کی پیشکشیں آنا بند ہو گئیں اور بالی ووڈ کی دنیا نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ مندا کنی نے بہت کہا، میں داؤد کو نہیں جانتی لیکن اس کی سننے کے لیے کوئی تیار نہ تھا۔

مندا کنی اسی طرح بے نامی کی زندگی گزارتی رہی اور کافی عرصے بعد ایک ہلکی سی خبر لوگوں تک پہنچی۔ دلائی لاما کے ایک پیروکار اور بدھ مت سادھو اور ڈاکٹر لگیو رانپو چے ٹھاکر کی اس کے ساتھ شادی کر دی گئی ہے۔ یہ شادی بھی انتہائی خاموشی اور سادگی سے کی گئی تھی۔ مندا کنی اپنی زندگی کی تلاش میں خود بھی ایک بدھ مت سادھو بن گئی۔ مندا کنی بالی ووڈ فلم انڈسٹری میں ہوا کا ایک جھونکا ثابت ہوئی، جسے انڈر ورلڈ کا طوفان اپنے ساتھ اڑا کر لے گیا۔

لیکن فلمی دنیا کا چسکا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ 2000ء میں مندا کنی دو میوزک ویڈیو میں جلوہ گر ہوئی، لیکن اسے کچھ خاص پذیرائی نہ مل سکی۔ ''نو ویکینسی'' اور ''شامبلہ'' نامی ان ویڈیو میں مندا کنی نے اپنی جانب سے بہترین پرفارمنس کی کوشش کی تھی، لیکن دونوں ویڈیو فلاپ ہو گئیں۔ اس طرح ایک مرتبہ پھر بالی ووڈ میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی مندا کنی کی یہ کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی۔ ویسے بھی مندا کنی کی اب وہ عمر نہ تھی اور پریشانیوں، سختیوں کے آثار بھی چہرے پر نمایاں تھے۔ اس لیے کوئی بھی پروڈیوسر اسے اپنی فلم میں کاسٹ کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ پھر اتنے عرصے بعد بہت سے لوگوں کے ذہنوں سے تو اس کا نام بھی نکل چکا تھا۔ چند پرانے فلم بینوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ''ارے اسے دیکھو، اس کی شکل تو ماضی کی ہیروئن مندا کنی سے کتنی ملتی ہے!'' مندا کنی کو اندازہ ہونے لگا تھا کہ اب بالی ووڈ میں اس کی واپسی ناممکن ہے، اس لیے اب اسے اپنی زندگی کا یہ باب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دینا چاہیے۔ بعض حلقوں کی جانب سے تو یہ باتیں بھی سننے کو ملیں کہ اپنی زندگی میں سکون کی متلاشی مندا کنی نے تبتی یوگا کی کلاسیں لینا شروع کر دی تھیں اور بعد میں یاری روڈ بمبئی پر واقع اپنے شوہر کا تبتی ادویات کا مرکز چلانے میں اس کی مدد بھی کرتی رہی۔

انتہائی جوانی کے عالم میں بالی ووڈ میں آنے والی یہ اسٹار آتے ہی فلم انڈسٹری پر چھا گئی تھی۔ پھر اچانک انڈر ورلڈ مافیا کے ایک بھونچال نے اسے گمنام بنا دیا۔ مندا کنی کے گمنام ہونے سے یقیناً لاکھوں مداحوں کو دکھ بھی ہوا ہوگا، جو اسے اب تک معصوم سمجھتے تھے۔ جس وقت اس کا کیریئر زوال پذیر ہو رہا تھا، اس وقت وہ ہزاروں لڑکیوں کی آئیڈیل تھی۔ بہرکیف اب مندا کنی بالی ووڈ کی تاریخ میں ماضی کا ایک قصہ بن چکی ہے۔ اس کا کیریئر شروع ہوتے ہی ختم ہو گیا۔ پھر اس کے بعد کسی کو پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گئی اور اس نے کیا کیا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

قسط نمبر 42

ترجمہ: عبدالقادر

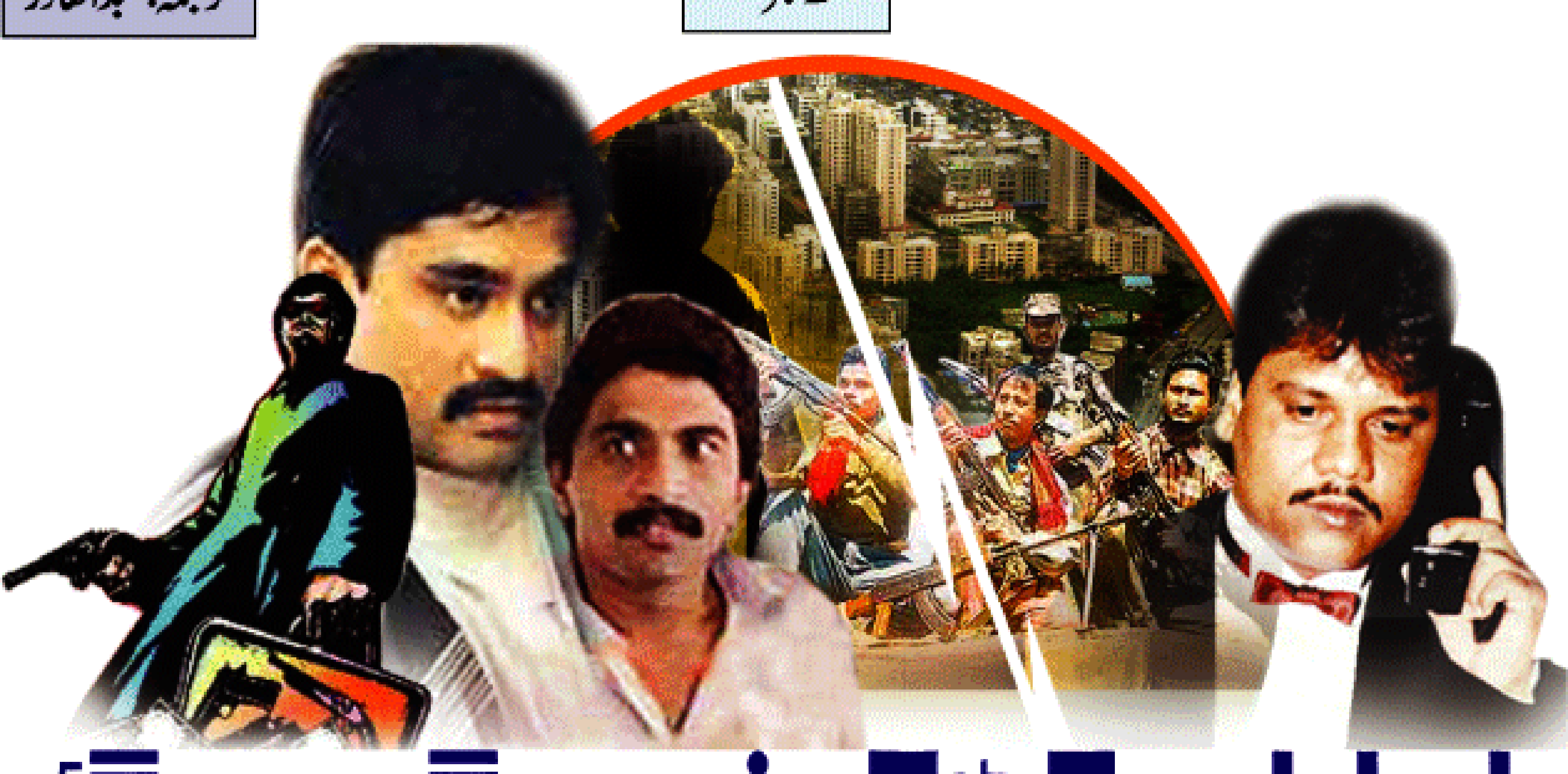

داؤد ابراہیم کی ڈی کمپنی میں دو گروپ بن گئے

چھوٹا شکیل اور چھوٹا راجن ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر تیار نہیں تھے - راجن بھارت جانا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس پاسپورٹ نہیں تھا - داؤد ابراہیم نے گینگ میں دھڑے بندی کا نوٹس لیتے ہوئے میٹنگ بلالی - چھوٹا راجن میٹنگ میں آنے کے بجائے انڈین سفارت خانے پہنچ گیا - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

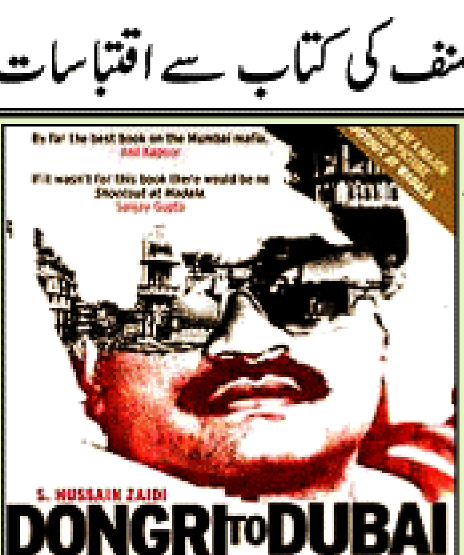

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

چھوٹا راجن کی جانب سے داؤد ابراہیم کا دفاع کرنا اور شیوسینا کے بال ٹھاکرے کو چیلنج کرنا داؤد ابراہیم کو بہت اچھا لگا۔ داؤد ابراہیم رئیل اسٹیٹ، فلم انڈسٹری اور ہوٹل کی صنعت میں بہت کچھ کما چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہندوستان کے دروازے اس پر اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے ہیں۔ آج وہ صوفے پر بیٹھا ایک بہت اہم فیصلہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کا بزنس صحیح انداز میں چلانے کی صلاحیت چھوٹا راجن میں ہے، لیکن اگر وہ تمام تر ذمہ داریاں اس کے سپرد کر دیتا تو شکیل، سوتیا، شیراڈانا اور دیگر اہم ساتھی نہ صرف ناراض ہو جاتے بلکہ ڈر تھا کہ گینگ میں بغاوت ہو جاتی۔ یہ لوگ چھوٹا راجن کے ماتحت کام کرنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔ مختلف اقسام کے حل سوچ سوچ کر آخرکار داؤد ابراہیم عاجز آ گیا۔ لیکن کسی نہ کسی فیصلے پر پہنچنا داؤد ابراہیم کے لیے ضروری تھا اور اسے اس سلسلے میں جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا، کیونکہ معاملات ہاتھ سے نکلتے جا رہے تھے۔ داؤد ابراہیم اب نہیں تو کبھی نہیں کی صورت حال سے دوچار تھا۔ گو اس کا ذہن کسی حل سے خالی تھا، لیکن وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آج یہ مسئلہ حل کر کے ہی اٹھنا ہے۔

داؤد ابراہیم سگار پر سگار پیتا گیا اور پورا کمرہ دھوئیں کے بادلوں سے اٹ گیا۔ گہری سوچ میں غرق داؤد ابراہیم کو بالآخر ایک حل سوجھ گیا۔ داؤد ابراہیم نے طے کر لیا کہ وہ بالادستی کے لیے روز روز کے ان جھگڑوں سے نہیں نمٹ سکتا، اس لیے وہ سب کو میٹنگ میں بلائے گا۔ اس نے ٹھان لی کہ ان سب کو بلا کر صاف صاف کہہ دے گا کہ وہ کسی کے حق میں بھی ون مین شو کا قائل نہیں ہے۔ بالآخر میٹنگ بلوائی گئی اور داؤد ابراہیم نے اس بات کا یقین کر لیا کہ تمام اہم افراد میٹنگ میں موجود ہیں۔ یہ میٹنگ دبئی کے وہائٹ ہاؤس میں بلوائی گئی تھی۔ داؤد ابراہیم نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں ان سے کہا ''میں تمہاری آپس کی روز روز کی لڑائیوں سے عاجز آ چکا ہوں۔ تمہارے ان جھگڑوں سے بالآخر پورا گینگ کمزور پڑ جائے گا۔ یہ سب بند کرو۔ اپنی طاقت کو ایک جگہ جمع کرو اور اسے اپنے دشمن کو کمزور کرنے کے لیے استعمال کرو۔ ایک دوسرے کو کمزور کرنے کی کوشش نہ کرو''۔

داؤد ابراہیم نے اس میٹنگ میں انتہائی سنجیدہ اور سخت لہجہ استعمال کرتے ہوئے میٹنگ کے تمام شرکا پر واضح کر دیا تھا کہ وہ گینگ کے اندر کسی کی لاپرواہی اور جھگڑے کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کرے گا۔ اس نے اس گینگ بنانے اور اسے دنیا میں پھیلانے میں اپنا گھربار، وطن اور یہاں تک کہ بڑے بھائی کو بھی قربان کر دیا تھا۔ اس نے سب پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ گینگ کی سالمیت پر وہ کسی کو بھی ترجیح دینے کو تیار نہیں اور گینگ میں صرف ایک ہی باس ہے یعنی داؤد ابراہیم۔ اس کے علاوہ کسی کو باس سمجھنا سراسر غلطی ہوگی اور غلطی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

پورے کمرے میں مکمل سکوت طاری تھا۔ سب لوگ اس انتظار میں تھے کہ داؤد ابراہیم آگے کچھ بولے۔ سب کو اندازہ تھا کہ داؤد ابراہیم اپنی باتوں میں وزن پیدا کرنے کے لیے کوئی کہانی وغیرہ سنائے گا، کوئی مثال دے گا لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد داؤد ابراہیم نے گرجتے ہوئے کہا ''میری طرف سے تم سب کو وارننگ ہے کہ اپنے آپس کے اختلافات کو بھلا کر بزنس کی طرف دھیان دو۔ آپس میں جھگڑا دھندے کی موت ہے۔ مجھے بزنس اپنے بھائی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم سب لوگ میری بات کو اچھی طرح سمجھ جاؤ''۔ اس کے بعد ایک مرتبہ پھر ماحول پر سکوت طاری ہو گیا۔ کمرے میں کسی نے چاہا کہ داؤد ابراہیم سے کہہ دے کہ تمام جھگڑوں اور فسادات کی جڑ چھوٹا راجن (نانا) ہے، لیکن براہ راست یہ کہنے کے بجائے اس نے کہا کہ داؤد ابراہیم اس بات کو یقینی بنائے کہ راجن سب کے ساتھ انصاف اور رواداری کا معاملہ کرے۔ اس پر داؤد ابراہیم نے کہا ''نانا میرے برے وقتوں کا دوست ہے۔ میں اس کی برائی نہیں سننا چاہتا۔ بہرحال آج سے میں دیکھوں گا کہ گینگ میں کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے۔ گینگ میں سب برابر ہیں۔ سب لوگ مجھے رپورٹ کرنے کے پابند ہیں۔ تم سب میرے لیے برابر ہو، کوئی مجھے کم یا زیادہ عزیز نہیں ہے''۔

یہ میٹنگ مختصر تھی۔ داؤد ابراہیم کا خیال تھا کہ اس میٹنگ کے ذریعے اس نے گینگ میں محسوس ہونے والے خطرے کو ٹال دیا ہے۔ اب اس کے ساتھیوں کو چاہئے تھا کہ ایک دوسرے کے لیے اپنے دلوں کو صاف کریں اور مل کر کام کریں۔ لیکن یہاں داؤد ابراہیم نے عاقبت اندیشی کا ثبوت نہ دیا، بلکہ آنے والے خطرے سے صرف نظر بھی کیا۔ راجن، داؤد ابراہیم کی جانب سے اس کی طرف داری پر کافی خوش تھا، لیکن سوتیا اور شکیل کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔ ان کے مطابق اس کا مطلب یہ تھا کہ جو جیسے چل رہا ہے ویسے ہی چلنے دیا جائے۔

بمبئی میں لسانی فسادات پھوٹنے سے لے کر بمبئی دھماکوں کے درمیان کے عرصے میں کئی میٹنگز ہوئی تھیں۔ ان تمام میٹنگز کا اہتمام چھوٹا شکیل کیا کرتا تھا۔ گینگ میں موجود ہر فرد کو اس بات کا اندازہ تھا کہ چھوٹا راجن، داؤد ابراہیم کے لیے بہت اہم ہے اور داؤد ابراہیم اس پر بہت بھروسہ اور انحصار کرتا ہے۔ اس کے باوجود چھوٹا شکیل، راجن کو ان میٹنگز سے دور رکھتا تھا۔ جب لوگ پوچھتے کہ راجن کیوں نہیں آیا تو چھوٹا شکیل کہہ دیتا کہ وہ ہندو ہے، اسے ان معاملات سے کچھ لینا دینا نہیں اور نہ ہی وہ ان معاملات میں دلچسپی رکھتا ہے۔ راجن کے علم میں جب یہ باتیں آئیں تو اسے بہت دکھ ہوا۔ اس نے کئی مرتبہ داؤد ابراہیم سے اس کا ذکر کرنا چاہا، لیکن اس دوران داؤد ابراہیم عالمی سطح پر خود کو ڈان بنوانے میں مصروف تھا اور وہ گینگ کے چھوٹے موٹے جھگڑوں میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا، لہٰذا وہ خاموش رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ راجن اور شکیل کا تنازعہ سب کی زبان یہاں تک کہ عام لوگوں کی زبانوں پر بھی آنے لگا۔ اب ڈی کمپنی میں شکیل گروپ اور راجن گروپ بن گئے تھے اور 94-1993ء تک یہ دونوں گروپ ایک دوسرے کے آمنے سامنے سینہ تانے کھڑے تھے۔ راجن نے گینگ کے کام کاج چھوڑ کر خود کو گھر تک محدود کر لیا تھا۔ راجن اب واپس بھارت جانے کی سوچ رہا تھا، لیکن اس کے پاس اس کا پاسپورٹ نہیں تھا۔ اس کا پاسپورٹ کفیل کے پاس تھا۔ داؤد ابراہیم اور اس کے گینگ کے لڑکے انتہائی عجلت میں دبئی آ کر آباد ہوئے تھے اور اس سلسلے میں انتہائی بااثر شیخوں نے انہیں مدد فراہم کی تھی۔ ان شیخوں نے کسی بھی قسم کی گڑبڑ کے پیش نظر داؤد ابراہیم کے تمام لڑکوں کے پاسپورٹ اپنی تحویل میں رکھ لیے تھے اور داؤد ابراہیم کے لیے بھی اسی میں فائدہ تھا۔ داؤد ابراہیم نے شیخ داؤد حسن اور داؤد خان کے نام سے یو اے ای کی شہریت حاصل کر رکھی تھی۔

راجن نے گینگ کو ترقی دینے میں دن رات محنت کی تھی اور اب بھی اس گینگ کے لیے کام کرنا چاہتا تھا، لیکن اسے چھوٹا شکیل اور سوتیا کے رویوں سے بہت دکھ ہوا تھا۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ اس کے ہر کام میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں اور اس کے لیے گینگ میں کام کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ حالات اس موڑ پر آ چکے تھے کہ اگر راجن کے ہاتھ میں ہوتا تو اسی لمحے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دبئی سے روانہ ہو جاتا، لیکن پاسپورٹ نہ ہونے کی وجہ سے ایسے موقع پر راجن خود کو انتہائی بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر کس طرح دبئی سے نکلے۔ اسے اس بات کا اندازہ بھی تھا کہ دبئی میں زیادہ دیر ٹھہرنا اس کے لیے خطرے سے خالی نہیں، اسے کسی بھی وقت قتل کیا جا سکتا ہے۔

اسی دوران ایک مرتبہ پھر داؤد ابراہیم نے گینگ میں پارٹی بازی کا سختی سے نوٹس لے لیا اور سب کو میٹنگ کے لیے بلا لیا۔ داؤد ابراہیم کی ہدایات تھیں کہ میٹنگ میں سب کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ بھائی کی حکم عدولی کون کر سکتا تھا اور وہ بھی کسی معقول عذر کے بغیر۔ ایک انجانا سا احساس راجن کو میٹنگ میں جانے سے روک رہا تھا، لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اسے جانا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے کنگھی کی اور گاڑی کی چابی اٹھائی اور جانے لگا۔ لیکن جیسے ہی وہ دروازہ بند کرنے لگا، فون کی گھنٹی بجنے لگی اور وہ پھر اندر آ گیا۔ یہ فون کال سنتے ہی راجن کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہو گئے۔ فون راجن کے ایک ساتھی کی طرف سے تھا، جو پہلے ہی میٹنگ کے مقام پر موجود تھا۔ اس نے راجن سے کہا ''نانا، وہ لوگ تم کو ٹپکانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں''۔ یہ بات سنتے ہی راجن پر خوف سا طاری ہو گیا۔ یہ ایک ایسا احساس تھا جو سینکڑوں قتل کے منصوبے بناتے وقت کبھی اسے نہ ہوا تھا۔ لیکن آج جب کوئی خود اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا تو اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

اس نے فون رکھا، گاڑی باہر نکالی اور آہستہ آہستہ ڈرائیو کرنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ پارٹی میں جاؤں یا داؤد ابراہیم بھائی کو کہیں علیحدگی میں شکیل کی غداری سے آگاہ کروں''۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ داؤد ابراہیم اس کی بات پر یقین بھی کرے گا یا نہیں؟ اگر داؤد ابراہیم نے اس کے اس خوف کو وہم کہہ کر نظرانداز کر دیا تو؟ راجن کا دماغ سوالوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی گاڑی کی رفتار سست تھی، لیکن اس کے ذہن کی سڑک پر خیالات تیزی سے رواں دواں تھے۔ پارٹی کا مقام اس کے گھر سے آدھے گھنٹے کے فاصلے پر تھا، لیکن وہ گاڑی ادھر ادھر گھما رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد بھی وہ پارٹی کے مقام کے قریب نہ پہنچا تھا۔ گاڑی چلاتے چلاتے شام ہو گئی اور شام سے رات۔

اچانک ہی راجن کو اندازہ ہوا کہ اسے گاڑی چلاتے چلاتے تین گھنٹے گزر چکے ہیں۔ اب اسے کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ اس نے اگلے ہی لمحے پوری قوت سے گاڑی کی رفتار بڑھانی شروع کر دی۔ شاید وہ کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے گاڑی دبئی میں انڈین ایمبیسی کی جانب گھما دی۔ اس وقت تک انڈین ایمبیسی یو اے ای میں دھوکے سے لائے گئے بھارتی افراد اور پاسپورٹ جیسے مقدمات نمٹایا کرتی تھی۔ چھوٹا راجن کے وہاں جانے سے اس ایمبیسی کی تاریخ میں بھی ایک نیا باب رقم ہونا تھا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ummat.com.pk

قسط نمبر 43
ترجمہ:عبدالقادر

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم سے علیحدگی کے بعد چھوٹا راجن "را" سے جاملا

بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی نے اسے کوالالمپور پہنچادیا-راجن، داؤد ابراہیم کے پورے گینگ کو منظر عام پر لاسکتا تھا-وہ ڈی کمپنی کے اہم کارندوں-تمام آپریشنز-پولیس اور حکومتی اداروں میں اس کے وفاداروں سے واقف تھا-انڈین حکومت نے دبئی سے بمبئی ڈان کی حوالگی کا مطالبہ کردیا-بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

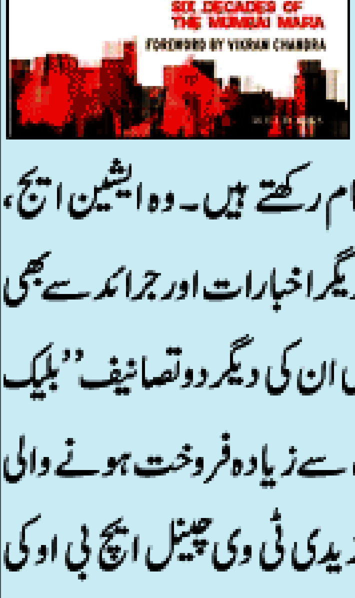

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرر ان ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جارہے ہیں۔

بھارتی سفارت خانے میں چھوٹا راجن کو ایک ساؤنڈ پروف کمرے میں بٹھا دیا گیا تھا، جہاں سے وہ باہر کسی کو نہ دیکھ سکتا تھا، لیکن اسے باہر سے دیکھا اور سنا جاسکتا تھا۔شیشے کے اس پار خاموشی سے بیٹھا انڈین را کا آفیسر کمرے میں بیٹھے راجن کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔را آفیسر اپنے پورے تجربے کو بروئے کار لاتے ہوئے شیشے کے پار بیٹھے راجن کے چہرے کی مدد سے اس کے ذہن میں اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔راجن کا جائزہ لینا اس آفیسر کے لیے انتہائی ضروری تھا، کیونکہ دال میں کچھ کالا بھی ہوسکتا تھا۔ڈی کمپنی کو چھوڑنا اتنا آسان نہیں تھا۔ایک طرف کمپنی سے ملنے والی بے تحاشا عیاشی کی قربانی اور دوسری جانب کمپنی سے غداری کی سزا صرف موت۔مشہور تھا کہ داؤد ابراہیم اپنے غدار کو دنیا میں کہیں بھی نہیں چھوڑتا تھا۔پھر یہ تو معاملہ تھا بھی چھوٹا راجن کا، جو داؤد ابراہیم کے بعد ڈی کمپنی کا کرتا دھرتا تھا۔یوں راجن کا اچانک کار میں بھارتی سفارت خانے آنا اور خود کو سرنڈر کرنا، سب کو حیرت میں ڈال گیا۔راجن کا انٹیلی جنس والوں کے ہاتھ آنا جتنی بڑی کامیابی ہوسکتی تھی، بصورت دیگر اتنی ہی بڑی ناکامی بھی ہوسکتی تھی۔

کہتے ہیں کہ انٹیلی جنس آپریشنوں میں آدھی کامیابی صحیح بندے تک پہنچنے اور اسے صحیح طرح سمجھنے میں چھپی ہوتی ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ کسی گینگ کو چلانے والے شخص کو پہچاننا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔را کے افسر نے جب بغور راجن کا چہرہ پڑھ لیا تو اس سے کئی سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔انٹیلی جنس والے سیدھے سادے سوالات نہیں پوچھا کرتے۔بعض اوقات تو ان کے سوالات کے جوابات دیتے دیتے کوئی شخص خود سے بھی دھوکہ کھانے لگتا ہے۔بہرحال، جب را کے افسر نے راجن سے سوالات پوچھ لیے اور اسے پوری طرح اطمینان ہوگیا کہ اب اسے راجن سے مزید کچھ نہیں پوچھنا تو اس نے راجن سے کہا کہ ایک کمرے میں اس کا انتظار کرے۔اسی اثنا میں آفیسر دہلی میں موجود اپنے باس کو فون کرنے کے لیے چلا گیا۔چھوٹا راجن کو بھارتی سفارت خانے میں اب تک کئی گھنٹے ہوچکے تھے۔سفارت خانے میں داخل ہوتے وقت راجن کو سیکورٹی کے مراحل کے سلسلے میں کچھ پریشانی اٹھانا پڑی تھی، لیکن اس کے بعد سے باقی وقت اور رات آرام سے گزری۔راجن نے ڈیوٹی آفیسر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور ایک انٹیلی جنس آفیسر کا نام لے کر کہا کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔

پوری دنیا میں ہر ملک کے سفارت خانے میں کوئی نہ کوئی انٹیلی جنس نیٹ ورک ضرور موجود ہوتا ہے۔اس نیٹ ورک میں موجود افسران کو ان کے تجربے، ماضی کے ریکارڈ اور قابلیت کے اعتبار سے مختلف عہدوں پر تعینات کیا جاتا ہے۔یہ افسران استقبالیہ پر بیٹھے شخص سے لے کر کلچرل اتاشی تک ہو سکتے ہیں۔بلکہ کبھی کبھی تو انہیں قونصل جنرل کا عہدہ بھی دے دیا جاتا ہے۔ان افسران کو اپنے ملک میں متعلقہ انٹیلی جنس باس کو رپورٹ کرنا ہوتی ہے۔جب سیکورٹی آفیسر نے متعلقہ را افسر کو بتایا کہ چھوٹا راجن اس سے ملنے کے لیے بہت بیتاب ہے اور سفارت خانے کے احاطے میں موجود ہے تو وہ انٹیلی جنس آفیسر آنا فانا راجن سے ملنے کے لیے سفارت خانے کی جانب روانہ ہوگیا۔

راجن کی ملاقات اس افسر سے پہلی مرتبہ کسی بہت ہی بااثر شیخ کی جانب سے دی گئی پارٹی کے دوران ہوئی تھی۔راجن نے اس افسر سے ملاقات کی اور ساری کہانی الف سے ی تک، اس افسر کو سنانا شروع کردی۔راجن نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بجائے اس افسر سے صاف صاف بات کی کہ ڈی کمپنی سے فرار حاصل کرنے کے لیے وہ دبئی سے نکلنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں اسے اس افسر کی مدد درکار ہے۔راجن نے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس کی مدد کرے گا تو وہ انٹیلی جنس والوں کو دبئی، بھارت اور پوری دنیا میں موجود داؤد ابراہیم کی قانونی اور غیر قانونی جائیداد اور اس کے آپریشنز سے متعلق مکمل معلومات فراہم کردے گا۔

PdfStuff.blogspot.com

را کا افسر ایک گھنٹے تک راجن سے بات چیت کرتا رہا۔وہ راجن کے کھرے ہونے کا یقین کرنا چاہتا تھا۔پھر اس نے راجن سے کہا کہ اسے اس مقصد کے لیے دہلی میں موجود اپنے باس سے منظوری لینی ہوگی۔بالآخر یہ بات بھارت پہنچائی گئی اور وزارت داخلہ میں اعلیٰ سطح پر ایک ہلچل سی مچ گئی۔سینئر انٹیلی جنس افسران اور بیوروکریٹس رات گئے تک اس مسئلے پر بحث کرتے رہے۔فون پر ان افسران کی بحث کو اب تین گھنٹے گزر چکے تھے۔رات بیت چکی تھی اور علی الصبح کا وقت ہو چکا تھا۔راجن کا یوں بذات خود انٹیلی جنس والوں کے پاس آجانا ایک غیر معمولی واقع تھا۔بھارتی انٹیلی جنس کی داؤد ابراہیم پر ہاتھ ڈالنے کی تمام کوششیں رائیگاں گئی تھیں اور پہلی مرتبہ ایک ٹھوس بنیاد ان کے ہاتھ آئی تھی۔

بالآخر بھارتی حکومت نے فیصلہ کرلیا کہ راجن کو بھارت آنے کے لیے ہر قسم کی مدد فراہم کی جائے گی۔اس مسئلے پر فوراً کارروائی شروع کردی گئی اور راجن کو دبئی سے نکالنے کی تمام کاغذی کارروائی آناً فاناً مکمل کرلی گئی۔اس فیصلے کے بارے میں جب راجن کو علم ہوا تو اسے اطمینان ہوا۔راجن نے انٹیلی جنس والوں سے کہا کہ جانے سے پہلے وہ گھر جانا چاہتا ہے، تاکہ ضروری چیزیں وہاں سے لے لے۔اجازت ملتے ہی وہ دوبارہ اپنی کار میں بیٹھا اور گھر پہنچا۔گھر پہنچتے ہی اس نے تمام ضروری کاغذات، اکاؤنٹس کی تفصیلات اور دبئی اور دبئی سے باہر موجود تمام رابطہ نمبروں کی تفصیلات اپنے پاس رکھ لیں۔یہ تمام مواد حاصل کرنے میں اسے چند گھنٹے صرف ہوگئے اور اس کے بعد راجن کا جہاز پرواز کرتا ہوا دبئی کی سرحدوں کو پار کر گیا۔

راجن کا پہلا اسٹاپ کھٹمنڈو تھا، جہاں اسے چند دیگر بھارتی افسران اور اہلکاروں سے ملاقات کرنا پڑی۔وہاں اس کی شناخت بدل دی گئی اور اسے بتایا گیا کہ اسے ملائیشیا کے شہر کوالالمپور کے لیے روانہ کیا جارہا ہے۔راجن ایک اچھا خاصا صحت مند انسان تھا۔اسی لیے وہ کسی بھی آب و ہوا میں خود کو ڈھال لیتا تھا۔اس کے علاوہ بھارتی ایجنسیوں نے کوالالمپور میں چھوٹا راجن کو سیٹ کرنے کے تمام انتظامات بھی کر رکھے تھے۔اب چھوٹا راجن کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا، داؤد ابراہیم اور اس کی سلطنت کی تباہی۔

وہائٹ ہاؤس میں تمام لڑکوں کو بلا کر انہیں ڈانٹ پلانے کے بعد داؤد ابراہیم مطمئن ہوگیا تھا کہ ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن یہ داؤد ابراہیم کی غلط فہمی تھی۔اس کے درمیان چھوٹا شکیل اور چھوٹا راجن کے مابین پڑنے والے دراڑیں بہت وسیع ہوچکی تھیں، جس کا نتیجہ بالآخر چھوٹا راجن کے فرار کے نتیجے میں سامنے آیا۔

دبئی سے اس طرح چھوٹا راجن کا چلا جانا یکدم داؤد ابراہیم کے نوٹس میں نہ آیا، بلکہ کافی دن گزر جانے کے بعد اسے یہ خبر ملی۔جیسے ہی داؤد ابراہیم تک یہ خبر پہنچی، ڈی کمپنی میں ایک بھونچال سا آگیا۔بات یہ نہ تھی کہ اب خون خرابے کی ایک نئی لہر آئے گی۔اس کے تو وہ عادی تھے ہی۔ اصل بات یہ تھی کہ دبئی کے اندر اور دبئی سے باہر، ہر جگہ ڈی کمپنی کے راز راجن کے پاس موجود تھے۔وہ بنا کسی لڑائی کے بھی کمپنی کو کافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔چھوٹا راجن، داؤد ابراہیم کے بہت قریب تھا۔اسے اس بات کا علم تھا کہ دنیا میں کہاں کہاں ڈی کمپنی کے ٹھکانے موجود ہیں۔کہاں کہاں ڈی کمپنی آپریشن کر رہی ہے۔کس مقام پر اس کے انتہائی اہم کارندے اور کون ہیں۔نئی دہلی اور مہاراشٹر میں کن سیاستدانوں کے ساتھ اس کے قریبی روابط ہیں۔بھارت میں کہاں کہاں اس کے اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی روابط قائم ہیں۔اور سب سے اہم بات کہ مافیا کے دیگر گینگسٹرز، انٹیلی جنس اداروں اور پولیس کے محکمے میں کون کون لوگ اس کے وفادار ہیں۔چھوٹا راجن ایک ایسا شخص تھا جو داؤد ابراہیم کے پورے گینگ کو منظر عام پر لاسکتا تھا۔وہ داؤد ابراہیم کے اسلحہ ڈپو میں چنگاری ثابت ہوسکتا تھا۔

چھوٹا راجن کی پریشانی کو نہ بھانپنا، اسے نظر انداز کرنا اور اس کے اندر پکنے والے لاوے کو ٹھنڈا نہ کرنا، داؤد ابراہیم کو بہت مہنگا پڑا۔داؤد ابراہیم کو اندازہ نہ تھا کہ راجن جیسا کارکن کبھی اسے چھوڑنے کی ہمت کرے گا اور نہ صرف اسے چھوڑ کر چلا جائے گا بلکہ اس کے مدمقابل آکھڑا ہوگا۔داؤد ابراہیم نے راجن کو فرش سے عرش پر بٹھایا تھا۔اس نے راجن کو اپنا دایاں بازو بنا رکھا تھا اور اپنا تمام کاروبار اور کاروباری راز اسی کے حوالے کر رکھے تھے۔شاید یہی اس کی سب سے بڑی غلطی بھی تھی۔داؤد ابراہیم نے کئی مرتبہ اپنے گینگ کے اہم کارکنوں کی ناراضگی مول لے کر بھی راجن کا ساتھ دیا تھا اور گینگ میں بغاوت تک کا خطرہ مول لے لیا تھا۔بالآخر راجن انٹیلی جنس والوں کی جھولی میں جاگرا تھا۔اب ایک نئی جنگ کا آغاز ہونے والا تھا۔عجیب بات ہے کہ اس جنگ کے تمام فریق یعنی داؤد ابراہیم، چھوٹا راجن، انٹیلی جنس ایجنسیاں اور وزارت داخلہ کے بیوروکریٹس اپنے اپنے عزائم رکھتے تھے، جو کہ ایک دوسرے سے یکسر مختلف تھے۔البتہ ایک حقیقت ایسی تھی جس پر یہ سب لوگ متفق تھے۔یعنی انسان کا سب سے قریبی دوست ہی اس کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوتا ہے۔داؤد ابراہیم کی زندگی خطرات سے بھری پڑی تھی۔اس نے ایک سے بڑھ کر ایک دشمن کا سامنا کیا تھا اور انہیں نیچا بھی دکھایا تھا، لیکن اس کا کوئی دشمن اس قدر مہلک ثابت نہ ہوا تھا جتنا کہ چھوٹا راجن۔لیکن اس رات دبئی کے ساحلوں پر پارٹی میں مصروف داؤد ابراہیم اس حقیقت سے نا آشنا تھا۔پارٹی میں محو داؤد ابراہیم کو اندازہ بھی نہ تھا کہ اس کا کتنا بڑا نقصان ہوگیا ہے۔اسے پتہ ہی نہ چلا کہ اسے کون چھوڑ کر چلا گیا ہے۔چند دنوں بعد ہی راجن کے فرار کے اثرات سامنے آنا شروع ہوگئے۔بھارتی حکومت نے دبئی کی حکومت سے پرزور اپیل کی کہ ان کے سب سے زیادہ مطلوب شخص کو ان کے حوالے کیا جائے۔نہ صرف یہ، بلکہ بھارتی حکومت چاہتی تھی کہ دبئی کی حکومت غیر قانونی بھارتی تارکین وطن کو ڈی پورٹ کرنے کا معاہدہ کرے۔یہ خبر سنتے ہی تمام مفروروں، گینگسٹروں اور ایسے افراد میں بھی بے چینی پھیل گئی، جو غیر قانونی طریقے سے روزگار کے حصول کی خاطر دبئی آئے تھے۔(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

جمعرات، 06 دسمبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد
قسط نمبر 44
ترجمہ: عبدالقادر

PdfStuff.blogspot.com

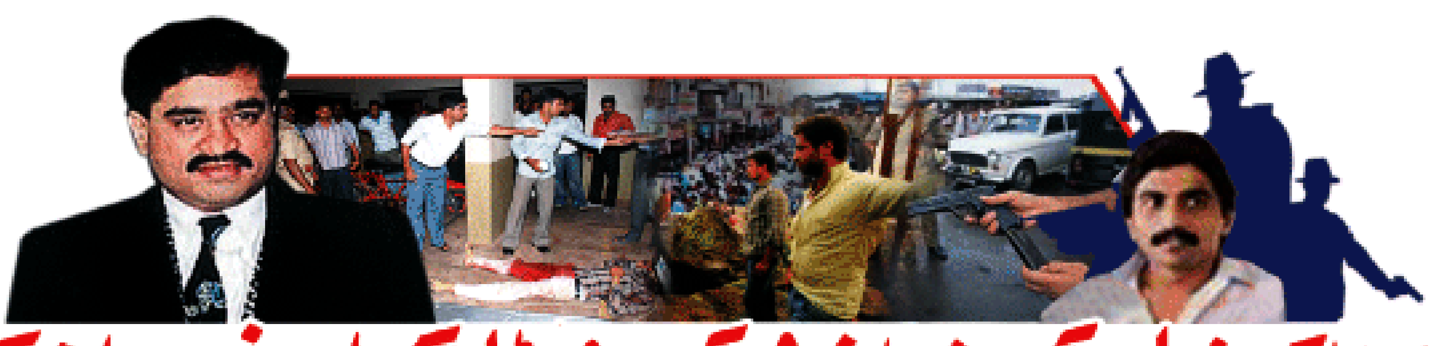

انڈر ورلڈ کے خطرناک شوٹر فیروز کو چھوٹا شکیل نے متعارف کرایا

وہ بعد میں ''قتل کی مشین'' کے طور پر معروف ہوا- بمبئی میں مسلمانوں کے خلاف متعصبانہ کارروائیاں کرنے والے بی جے پی رہنما رام داس نائیک کا قتل بھی فیروز نے کیا- راجن کے بعد چھوٹا شکیل نے چند ماہ کے اندر ہی خود کو گینگ میں کافی مضبوط بنا لیا- داؤد ابراہیم اس کی کارکردگی سے خوش اور مطمئن تھا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

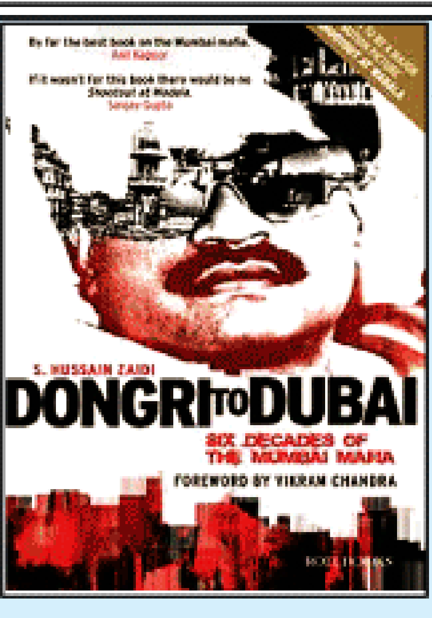

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

داؤد ابراہیم کو اندازہ تھا کہ چھوٹا راجن کا یوں چلے جانا کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوگا، اس لیے اس نے خود بھی روپوشی اختیار کر لی اور کمپنی کے دیگر کارکنوں سے بھی کہہ دیا کہ تمام آپریشنز روپوش رہ کر کریں۔

1994ء کے آخر تک چھوٹا راجن کوالالمپور میں خود کو مضبوط کر چکا تھا۔ دوسری جانب بھارتی ایجنسیوں کی نظر سے بچ کر داؤد ابراہیم اپنے آپریشن جاری رکھے ہوئے تھا۔ چھوٹا راجن کے جانے کے بعد داؤد ابراہیم کا پورا بزنس چھوٹا شکیل کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ چھوٹا شکیل اور داؤد ابراہیم کی کمیونیکیشن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دبئی یا گلف کے ہی کسی علاقے میں موجود تھے۔

چھوٹا شکیل اور چھوٹا راجن کے گینگ چلانے کا طریقہ کار ایک دوسرے سے یکسر مختلف تھا۔ چھوٹا راجن ساری قوت ایک ہاتھ میں مرتکز رکھنے کا قائل تھا، جبکہ چھوٹا شکیل ماتحتوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے کا قائل تھا۔ گھوڑوں کی ریس، کرکٹ پرسٹہ اور بمبئی میں ہوٹل والوں اور بلڈرز سے نمٹنے جیسے معاملات شیراڈ شیٹی کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ ہتھیاروں کے معاملات، جھگڑوں کے تصفیے اور جیلوں میں قید ساتھیوں کے معاملات سوتیا سنبھال رہا تھا۔ جبکہ چھوٹا شکیل نے بالی ووڈ میں سرمایہ کاری اور حوالہ کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔ اس کے علاوہ شکیل رئیل اسٹیٹ کے بزنس میں بھی ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ چھوٹا شکیل کی وجہ سے نہ صرف داؤد ابراہیم مطمئن تھا، بلکہ گینگ کے سارے کارندے اپنی اپنی جگہ خوش تھے۔ اس کے برعکس راجن کو سب لوگ ظالم گردانتے تھے اور حقیقتاً راجن کے جانے سے سب خوش تھے۔ شکیل نے بمبئی میں ایسے لڑکوں کو گینگ کا حصہ بنانا شروع کیا، جو معاشرے سے تنگ تھے۔ یہ لوگ معاشرے کے ظلم و جبر، بے روزگاری اور دیگر مسائل کی وجہ سے ہر وقت معاشرے سے انتقام لینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ یہ لڑکے شکیل کے پاس آ کر نہ صرف شاباش، بلکہ ڈھیر ساری دولت بھی حاصل کرتے تھے اور خود کو کامیاب سمجھتے تھے۔ اس طرح سے ایک منصوبے کے تحت چھوٹا شکیل، گینگ میں نیا خون لا رہا تھا۔ عارف خان، آصف شیخ اور فیروز سرگورو کی عمریں 17 یا 18 برس کے لگ بھگ تھیں، جب چھوٹا شکیل نے ان کے ہاتھوں میں ہتھیار تھمائے۔ ان میں سے فیروز سرگورو انڈر ورلڈ کا سب سے خطرناک شوٹر ثابت ہوا اور انڈر ورلڈ میں فیروز کونکانی کے نام سے مشہور رہا۔

چھوٹا شکیل نے فیروز کو پہلی مرتبہ دو مزدوروں کو مارتے دیکھا تھا۔ اس وقت اس کی بے خوفی شکیل نے بھانپ لی تھی۔ پھر اس کے بعد شکیل نے بابری مسجد کی شہادت کے بعد بمبئی میں ہونے والے دھماکوں اور حملوں کے دوران بھی فیروز کے تیور دیکھے تھے۔ اس کے بعد دیگر خطرناک شوٹر شاکر دربار اور ابراہیم شیخ کی صورت میں بھی شکیل کے پاس آئے، لیکن وہ فیروز کے مدمقابل نہ تھے۔ اس طرح شکیل ان نوجوان گینگسٹرز کے ذریعے بمبئی کے تاجروں پر راج کرتا رہا۔ فیروز کو ''قتل کی مشین'' کا نام بھی دیا گیا تھا۔

دن دیہاڑے بی جے پی کے رہنما رام داس نائیک کو اس کی سیکورٹی کے بیچوں بیچ بندرا جنکشن پر قتل کیا جانا بمبئی پولیس ریکارڈ میں خطرناک ترین قتل کی کارروائیوں میں سے ایک کارروائی تھی۔

25 اگست 1994ء کی ایک صبح ہل روڈ بندرہ پر معمول کی گہما گہمی تھی۔ ایم ایل اے نائیک صبح 10 بجے اپنی ایمبیسیڈر کار میں گھر سے نکلا۔ ایم ایل اے کے ہمراہ پولیس کانسٹیبل بی ایم ٹاڈوی بطور گارڈ موجود تھا۔ جیسے ہی کار مین روڈ پر آئی اور بندرہ ایس وی روڈ کی جانب مڑی، دو افراد اس کی جانب بڑھے۔ انہیں گاڑی کی جانب بڑھتے کسی نے محسوس نہ کیا۔ ان دونوں نے اپنی AK-47 رائفلیں تان کر نائیک کی گاڑی پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ اسی اثنا میں کانسٹیبل ٹاڈوی لڑھکتا ہوا کار سے باہر آیا اور اپنی اسٹین گن سے جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ لیکن اس کی اسٹین گن اور گینگسٹروں کی AK-47 کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ بالآخر ایم ایل اے کے ساتھ ساتھ کانسٹیبل ٹاڈوی بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ بعد ازاں ان دونوں گینگسٹرز کی پہچان بطور فیروز کونکانی اور جاوید عرف سونی ہوئی۔

واقع کے بعد فیروز نے ایک گلی کی آڑ میں کھڑے دوسرے ساتھی گرنام جان کو بھاگنے کا کہا۔ ان میں سے ایک لڑکا ایک کار میں فرار ہو گیا، جبکہ ایک لڑکا موٹر سائیکل پر فرار ہوا۔ فیروز اور سونی نے وہاں سے گزرنے والے ایک آٹو رکشہ کو اغوا کر لیا اور اسی میں فرار ہو گئے۔

بعد ازاں تفتیش کے بعد پتہ چلا کہ چھوٹا شکیل نے ایم ایل نائیک کی سپاری ساجد باٹلی والا کو دی تھی اور اس نے یہ کنٹریکٹ کلر فیروز کو دے دیا تھا۔ باٹلی والا نے ہی اس سلسلے میں کونکانی اور گینگ کے دوسرے لڑکوں کو ہتھیار فراہم کیے تھے۔ نائیک بی ایم سی کا منتخب شدہ ممبر تھا اور چھوٹا شکیل کو پتہ چلا تھا کہ وہ جان بوجھ کر بمبئی کے مسلمانوں کے خلاف متعصبانہ کارروائیاں کر رہا ہے۔

فیروز نے یہ حملہ ایم ایل اے پر نہیں، بلکہ محکمہ پولیس پر کیا تھا اور پولیس والوں کو اپنی عزت بحال کرنے کے لیے اسے لازماً پکڑنا تھا۔ بالآخر کافی تگ و دو کے بعد بنگلور میں واقع بلو ڈائمنڈ ہوٹل میں پولیس نے فیروز کو اکتوبر 1995ء میں گرفتار کر لیا۔ تاہم وہ زیادہ دیر جیل کی سلاخوں کے پیچھے نہ رہا اور 1998ء میں دن دیہاڑے پولیس والوں کی تحویل میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جب سی ٹی اسکین کے بعد جے جے اسپتال سے فیروز کو واپس تھانے سینٹرل جیل لے جایا جا رہا تھا، اس کے ساتھیوں نے پولیس پر فائرنگ کر دی۔ اس فائرنگ کی زد میں آ کر پولیس کانسٹیبل پی ڈی کاردل ہلاک ہو گیا۔ اپنی دوبارہ گرفتاری تک فیروز مزید 18 قتل کر چکا تھا جس میں سے 16 قتل چھوٹا شکیل کے کہنے پر کیے گئے تھے۔

اس وقت تک چھوٹا شکیل کو ایک بات سمجھ میں آ چکی تھی کہ ایسے نوجوانوں کو جن کا پولیس کے پاس ریکارڈ موجود نہیں ہوتا، استعمال کرنا زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے اور بمبئی میں ایسے بے روزگار پڑھے لکھے اور ان پڑھ نوجوانوں کی کوئی کمی نہ تھی، جس کا پورا پورا فائدہ انہی گینگز کو ہوا کرتا تھا۔

چھوٹا شکیل نے راجن کے جانے کے چند ماہ کے اندر اندر ہی خود کو گینگ میں کافی مضبوط بنا لیا تھا۔ داؤد ابراہیم کو ابتدا میں شک تھا کہ چھوٹا شکیل شاید چھوٹا راجن کا نعم البدل ثابت نہ ہو سکے۔ لیکن جس طرح چھوٹا شکیل نے اپنی کارکردگی دکھائی اس سے داؤد ابراہیم کو کافی اطمینان ہوا۔

البتہ گینگ میں ایک شخص ایسا بھی تھا جسے چھوٹا شکیل اور اس کی ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ شخص تھا داؤد ابراہیم کا بھائی انیس ابراہیم۔ انیس عموماً شکیل کے کاموں پر تنقید کیا کرتا تھا اور کبھی کبھی اس کا مذاق بھی اڑاتا تھا۔ لیکن داؤد ابراہیم کا بھائی ہونے کی وجہ سے چھوٹا شکیل انیس کو برداشت کر جاتا تھا۔

گینگ کے اندر چھوٹا شکیل کے بہت سے مخالفین بھی تھے اور بہت سے لوگ داؤد ابراہیم کو اس کے خلاف بھڑکانے کی کوششیں بھی کرتے تھے۔ باقی لوگوں سے نمٹنا تو شکیل کے لیے بائیں ہاتھ کا کام تھا، لیکن جب بات داؤد ابراہیم کے بھائی انیس کی ہوتی تو شکیل کو مجبوراً برداشت کرنا پڑتا۔ انیس ابراہیم کو کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا تھا کہ اگر شکیل نہ ہوتا تو ڈی کمپنی پر صرف اس کی حکمرانی ہوتی۔ اس کے علاوہ ذاتی طور پر بھی انیس کو شکیل پسند نہ تھا۔ بلکہ اسے چھوٹا راجن کے کام کرنے کا انداز اچھا لگتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ چھوٹا راجن کے ڈی کمپنی سے فرار ہونے کے بعد ڈی کمپنی میں صرف انیس ہی وہ شخص تھا، جس کی عرصہ دراز تک چھوٹا راجن سے بات چیت ہوتی رہی۔ یہ حرکت اگر کوئی اور کرتا تو داؤد ابراہیم اسے کبھی معاف نہ کرتا۔

انیس کو بھی کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو کہ اس کے اشاروں پر کام کر سکے اور انڈیا میں اس کا نام بھی لوگ جاننے لگیں۔ اس نے ڈی کمپنی میں ایسا کوئی شخص تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن اسے وہاں ایسا کوئی شخص نظر نہ آیا۔ اسی دوران ابو سالم انصاری بمبئی پہنچا۔ سالم، بمبئی بم دھماکوں کے بعد سے مفرور تھا۔ سالم وہی شخص ہے، جس پر بھارت کے مشہور اداکار سنجے دت کو AK-47 اور دستی بم فراہم کرنے کا الزام بھی ہے۔

جب بمبئی پولیس نے داؤد ابراہیم کے گینگسٹروں کے خلاف بمبئی میں کریک ڈاؤن کیا تو سالم بھی اس کی زد میں آیا۔ وہ بمبئی سے فرار ہو کر اپنے گاؤں سرائے اعظم گڑھ جا پہنچا۔ بعد ازاں وہ لکھنؤ آ گیا اور وہاں سے انیس ابراہیم کے ساتھ رابطے میں رہا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد انیس نے سالم کو دبئی بلا لیا۔ دبئی پہنچ کر اس نے محسوس کیا کہ وہ بالکل اکیلا ہے اور اسے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ سالم کی قسمت اچھی تھی کہ اسی دوران انیس ابراہیم بھی کسی قابل اعتماد شخص کی تلاش میں تھا۔ چونکہ بمبئی اور دبئی میں سالم کے سر پر کسی کا ہاتھ نہ تھا، اس لیے اس نے انیس ابراہیم کو اپنا باس بنانے کی خواہش ظاہر کر دی، تاکہ ڈی کمپنی میں اس کی بھی کوئی حیثیت بن جائے۔

سالم، انیس ابراہیم کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اسے بمبئی میں اپنی کارروائیوں کے قصے سنانے لگا۔ بالآخر انیس نے سوچا کہ سالم کو ایک چانس دے کر آزمایا جائے اور اس طرح سے ڈی کمپنی میں ایک نیا گروپ جنم لینے لگا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ترجمہ: عبدالقادر

قسط نمبر 45

PdfStuff.blogspot.com

ابو سالم نے اتر پردیش کے بیروزگار نوجوانوں کیلئے بمبئی مافیا کے دروازے کھولے

سفاک گینگسٹر کے طور پر معروف ہونے والا سالم بمبئی کی سڑکوں پر چمڑے کی بیلٹس بیچا کرتا تھا- 93ء کے نسلی فسادات کے بعد انیس ابراہیم نے اسی کے ذریعے اداکار سنجے دت کو اسلحہ پہنچایا- سالم نے چھوٹا راجن کی مالی معاونت کرنے والے مشہور بلڈر ککریجہ کو بھتہ نہ دینے پر قتل کرایا- یہ داؤد ابراہیم اور راجن کے درمیان جاری جنگ میں پہلا قتل تھا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

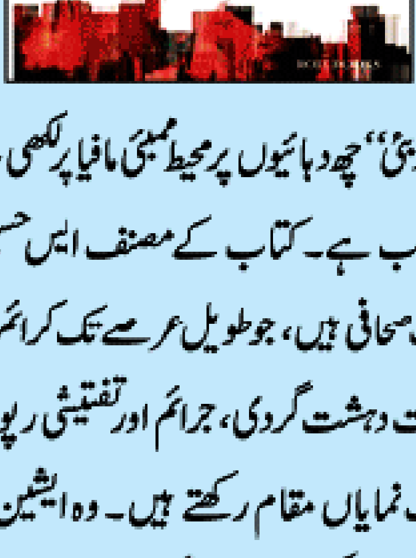

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، واردا راجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

بمبئی سے حیدرآباد، حیدرآباد سے لکھنؤ، لکھنؤ سے دہلی اور دہلی سے دبئی فرار ہونے کے دوران ابوسالم اپنے حلیے مسلسل بدلتا رہا تھا۔ اب وہ اپنی داڑھی اور مونچھیں مونڈھ کر کلین شیو ہو چکا تھا۔ سالم نے انڈرورلڈ کے بہت سے ڈانوں کو دیکھا تھا، جن میں چھوٹا شکیل، انیس ابراہیم، نورا اور ٹائیگر میمن وغیرہ شامل تھے۔ سالم اپنے کپڑوں، بالوں، جوتوں اور پرفیوم وغیرہ کا پہلے سے زیادہ اہتمام کرنے لگا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے کافی دیر تک کھڑے اپنے بال سنوارتا رہتا تھا۔ ابوسالم کا تعلق اعظم گڑھ سے 30 کلومیٹر دور ایک گاؤں سرائے میر سے تھا، جو اتر پردیش کا علاقہ کہلاتا ہے۔ اس کا والد عبدالقیوم اپنے گاؤں کا معروف وکیل تھا۔ وہ چاہتا تھا، اس کے بچے بھی پڑھ لکھ کر کچھ بن جائیں۔ عبدالقیوم کی وفات کے بعد سالم کی ماں جنت النساء مالائیں بنا کر گزر اوقات کرنے لگی۔

ابوسالم بچوں میں دوسرے نمبر پر تھا۔ اس نے نویں جماعت تک اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی، لیکن روڈ حادثے میں والد کے انتقال کے بعد اسے کام کی تلاش میں اسکول کو خیر باد کہنا پڑا۔ سالم اور اس کے بڑے بھائی ابو حاکم نے بطور موٹر سائیکل مکینک کام شروع کر دیا۔ اس کے دو بھائی ابوجیش اور ابولیث ابھی چھوٹے تھے۔ پہلے وہ کام کی تلاش میں دہلی چلا گیا لیکن بالآخر قسمت نے اسے بمبئی پہنچا دیا۔ بمبئی میں اس کے انکل نے اسے آرا شاپنگ سینٹر میں ایک اسٹال لے دیا، جہاں وہ چمڑے کے بیلٹ بیچنے لگا۔ اس کے علاوہ مون لائٹ ایجنسی کے لیے سالم نے ریئل اسٹیٹ بروکر کا کام بھی شروع کر دیا۔ بطور بروکر کام کرتے ہوئے ہی سالم کی ملاقات انیس ابراہیم سے ہوئی تھی۔ اب جبکہ وہ باقاعدہ ڈی کمپنی میں شمولیت اختیار کر چکا تھا تو انیس کے منہ سے نکلنے کی دیر ہوا کرتی تھی کہ سالم کام کر دیتا تھا۔ چند کامیاب آپریشنوں کے بعد انیس نے سالم کو اپنا اہم رازدار بنا لیا۔ 1993ء میں نسلی فسادات کے بعد انیس نے سالم کو رائفلیں اور دستی بم دیئے تھے، جو اسے فلم ایکٹر سنجے دت کو پہنچانے تھے۔

جب ابوسالم کو بتایا گیا کہ اسے سنجے دت کے پاس جانا ہے تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ گاؤں کے وقت سے ہی وہ سنجے دت کا مداح تھا۔ جب وہ سنجے کے پاس پہنچا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ ہتھیار اور بم سنجے دت کے حوالے کرنے کے بعد وہ سنجے سے کئی مرتبہ گلے ملا۔ کسی فلمی ستارے سے یہ اس کی پہلی ملاقات تھی، جسے وہ بھلا نہیں پا رہا تھا۔ سنجے دت بذات خود ایک معروف اداکار ہونے کے علاوہ ایک مشہور فلم اسٹار اور پارلیمانی ممبر سنیل دت کا بیٹا بھی تھا۔ سالم سوچنے لگا کہ اگر وہ گاؤں میں زندگی گزار رہا ہوتا تو ایسے مواقع اسے کہاں مل سکتے تھے۔ سنجے دت نے بھی اس کی بڑی عزت کی تھی۔ دبئی پہنچنے کے بعد سالم کو اندازہ ہوا کہ سنجے دت نے اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر اسے گلے نہیں لگایا، جیسا کہ وہ سمجھتا رہا۔ بلکہ یہ بھائی لوگوں سے اس کا رشتہ تھا جس نے اسے اہم بنا دیا تھا۔ وہ سوچنے لگا، جس کی انگلی بندوق کے گھوڑے پر ہو دنیا پر اسی کا راج ہوتا ہے۔ پھر وہ سوچنے لگا، اگر وہ بھی بھائی لوگ کی طرح طاقتور بن جائے تو پورا بالی ووڈ اس کی عزت کرنے لگے گا۔ سالم نے خود سے کہا کہ اگر چھوٹا شکیل داؤد ابراہیم کا دایاں بازو بن سکتا ہے تو وہ انیس ابراہیم کا دایاں بازو بنے گا۔ اب اسے اس سلسلے میں انیس ابراہیم کے سامنے اپنا لوہا منوانا تھا۔

انیس نے ایک دن سالم سے کہا ''ہمارا دھندا ڈر کا دھندا ہے اور داؤد بھائی نے سب کے دل میں ڈر بٹھا دیا ہے''۔ سالم نے انیس کی جانب دیکھا اور بولا ''بھائی میں سمجھ گیا۔ داؤد بھائی کے خوف سے یہ دھندا چلتا ہے''۔ سالم نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ جلد ہی اسے سمجھ میں آ گیا کہ بلڈرز اور بالی ووڈ پیسے کی دو مشینیں ہیں۔ اگر وہ ان دونوں کو ڈرا کر رکھے گا تو اتنا پیسہ کمائے گا کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی عیش کریں گی۔ 1995ء کا سال انیس، سالم اتحاد کے لیے دھماکہ خیز ثابت ہوا۔ تین سال قبل ہی بھارتی وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے اس وقت کے وزیر خزانہ منموہن سنگھ کی مدد سے پرمٹ راج کی طویل حکمرانی کے بعد اب بھارتی معیشت کو سہارا دینے کے لیے پالیسی بنائی تھی۔ اس نے بھارت کو کھلی معیشت میں تبدیل کر دیا تھا اور ریگولیٹری پالیسیوں میں کافی نرمی کر دی تھی۔ اس پالیسی کے اثرات دور رس نکلے اور بہت سے شعبوں میں نجی سرمایہ کاروں کو سرمایہ کاری کرنے کا موقع ملا۔ بیوروکریسی کی گرفت سے بھارتی معیشت کو آزاد کرنے پر پورے بھارت میں نرسمہا راؤ کی پالیسیوں کو سراہا گیا۔ پہلی صنعت جس میں بے تحاشا سرمایہ کاری کی گئی، وہ عمارت سازی یا کنسٹرکشن کی انڈسٹری تھی۔ تعمیراتی پروجیکٹس کا سیلاب بھارت کے معاشی مرکز بمبئی سے زیادہ اور کہاں آ سکتا تھا۔ ہر جگہ تعمیراتی کام زور و شور سے جاری تھا۔ سالم نے بمبئی شہر اور مضافات میں پیسے بناتے ہوئے بلڈرز پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔ مغربی مضافاتی علاقے میرا روڈ، نالہ سوپارہ، وسائی اور ورار تک پھیلے ہوئے تھے۔ جبکہ سینٹرل بمبئی کی جانب مضافاتی علاقے تھانے سے ممبرہ، دومبی والی اور کالیان تک پھیلے ہوئے تھے۔

PdfStuff.blogspot.com

سالم نے اپنے لڑکوں سے کہا کہ ان تمام مضافاتی علاقوں کا دورہ کریں اور بڑے بڑے بلڈرز کے فون نمبر حاصل کریں۔ اس کے بعد ان بلڈرز کو بار بار فون کالیں موصول ہونے لگیں۔ بمبئی کا یہ نوعمر ابھرتا ہوا ڈان اتر پردیشی لہجے میں ٹوٹی پھوٹی ہندی زبان استعمال کرتے ہوئے بمبئی کے بلڈرز میں اپنی دھاک بٹھانے لگا۔ سالم بمبئی کی بزنس کمیونٹی کے دل میں اپنا خوف بٹھانے میں کافی حد تک کامیاب رہا۔ کئی بلڈروں نے سالم کو بھتہ دینا شروع کر دیا۔ بھتہ وصولی کے بعد سالم کی ہمت بڑھنے لگی اور اب وہ مزید ترقی کے خواب دیکھنے لگا۔ سالم کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ گاؤں سے آنے کے بعد وہ دولت سے یوں کھیلنے لگے گا۔ دولت خود اس کے قدم چوم رہی تھی۔ خون خرابہ، مار دھاڑ خوف کو بڑھا دیتے ہیں۔ لیکن سالم نے اب تک ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ اب تک تو سالم، داؤد ابراہیم کے خوف پر راج کر رہا تھا۔ اسے اندازہ ہوا کہ اگر کبھی کسی بلڈر نے اسے بھتہ دینے سے انکار کر دیا تو اس سے نمٹنے کے لیے افرادی قوت کہاں سے آئے گی۔ لہٰذا سالم کی نظریں اعظم گڑھ کے ان لڑکوں کی جانب گئیں، جو غربت اور بے روزگاری کے ستائے ہوئے تھے۔ سالم نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے گینگ میں شوٹرز کو اپنے علاقے سے ہی بھرتی کرے گا۔ یہ ایک بالکل نیا خیال تھا۔ یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ ابوسالم ہی تھا، جس نے بمبئی مافیا کے دروازے اتر پردیش کے بے روزگار نوجوانوں کے لیے کھولے۔ کبھی گاؤں کے لڑکوں کے پاس مقامی ساختہ ریوالور کٹہ ہوا کرتا تھا۔ کٹہ ایک وقت میں ایک فائر کرنے کے لیے بہترین ہتھیار تھا۔ ایک مرتبہ گولی چلانے کے بعد اسے پھر لوڈ کرنا پڑتا تھا۔ بہار اور یوپی کے گاؤں میں گھر گھر میں کٹہ بنائے جاتے ہیں اور ان ہتھیاروں کو آوارہ لڑکے ہاتھوں میں لیے عام لوگوں کو ڈرا کر پیسہ بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

سالم بھی اسی ماحول میں انہی ٹھگوں کے درمیان پل کر بڑا ہوا تھا۔ وہ ایسے بہت سے بے روزگار نوجوانوں کو جانتا تھا جو گولی چلانے کی ہمت رکھتے تھے۔ ان بے روزگار نوجوانوں سے محض 3000 سے 5000 روپے تک کے عوض کوئی بھی کام کروایا جا سکتا تھا۔ اگر شوٹر پولیس والوں سے الجھنے کی ہمت رکھتا تو سالم کی نظر میں اس کی قیمت زیادہ ہوتی۔ لیکن کارروائی کے دوران گرفتاری کی صورت میں سالم کی جانب سے کوئی گارنٹی نہ تھی۔ چھوٹ گئے تو صحیح، ورنہ سڑتے رہو جیل میں۔ ان لڑکوں کی ذمہ داری یہ تھی کہ بلڈروں کے دفاتر کے باہر فائرنگ کریں، پستول لہرا کر ان کے دلوں میں خوف پیدا کریں اور یکدم دفتر میں داخل ہو کر اور کبھی کبھار شیشے توڑ کر کمپنی کے منیجر کو اپنی مٹھی میں کریں۔ فلمساز سبھاش گھائے اور راجیو رائے کو بھی اسی انداز سے ڈرایا دھمکایا گیا تھا۔ بعد میں ان لڑکوں کو سالم نے مار پیٹ اور قتل و غارت گری کے ٹارگٹ بھی دینا شروع کر دیئے۔ چونکہ ان نئے لڑکوں کا پولیس کے پاس کوئی ریکارڈ موجود نہیں تھا، اس لیے یہ لوگ محکمہ پولیس کے لیے دردِ سر بنے رہے۔ پورے شہر میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا اور پولیس والے محض تماشائی بنے دیکھتے رہتے۔

بلڈر پردیپ جین بھی ایسے ہی متاثرہ افراد میں سے تھا جسے سالم نے نشانہ بنایا تھا۔ سالم نے پردیپ کی بڑھتی ہوئی دولت میں سے اپنا حصہ مانگا تھا، لیکن انکار کرنے پر اسے نتائج بھگتنا پڑے۔ 7 مارچ 1995ء کے دن سالم کے کارندوں نے پردیپ کو جوہو کے علاقے میں اس کے بنگلے کے باہر قتل کر دیا۔ پردیپ شہر کے بڑے بلڈرز میں شمار ہوتا تھا اور اس قتل نے سالم کو بمبئی کے انتہائی بے رحم اور سفاک ڈانوں میں شامل کر دیا تھا۔ اس قتل سے بزنس کمیونٹی پر بھی بہت گہرا اثر پڑا۔ اب ہر شخص جان کے خوف سے خاموشی کے ساتھ گینگسٹروں کو بھتہ دے دیا کرتا تھا۔ اس کی وجہ سے دیگر لوفر نوجوان بھی سالم کے گینگ کا حصہ بننے لگے۔ یہاں تک کہ کرپشن کے الزام میں معطل ہونے والا پولیس راجیش اگوے بھی سالم سے آملا۔ راجیش اگوے پولیس کے محکمے میں لوکل آرمز ڈویژن II پر مامور تھا۔ راتوں رات امیر بننے کے خواب دیکھنے والا اگوے ہر قسم کے ہتھیاروں کی خرید و فروخت میں ملوث پایا گیا تھا۔ ملازمت سے نکالے جانے کے بعد اسے لگا کہ وہ سالم کا ساتھ دے کر اپنے خواب پورے کر سکتا ہے۔ بمبئی کی تاریخ میں یہ بھی ایک انوکھا واقعہ تھا کہ ایک پولیس کانسٹیبل گینگسٹر بن کر کسی ڈان کے کہنے پر لوگوں کو قتل کر رہا تھا۔ اگوے سالم کے لیے ایک اچھا گینگسٹر ثابت ہوا۔

سالم سے متاثرہ اشخاص روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ سالم کا اگلا نشانہ ککریجہ بلڈرز کا مالک اوم پرکاش ککریجہ تھا، جو چیمبر کے علاقے میں رہتا تھا۔ پولیس فائل کے مطابق چھوٹا راجن کو ککریجہ کی جانب سے مالی معاونت حاصل تھی۔ جبکہ اخباری رپورٹس کے مطابق ککریجہ ہر سال گنگیشوتاو کے میلے کے لیے شیادری کریدا کو 50 لاکھ روپے چندہ دیا کرتا تھا۔ یہ میلہ تلک نگر کے مقام پر سجایا جاتا تھا۔ جب یہ تمام باتیں سالم تک پہنچیں تو اس نے ککریجہ کو بھتے کی وصولی کے لیے فون کرنا شروع کر دیئے۔ لیکن ککریجہ نے بھتہ دینے سے انکار کر دیا اور چیمبر میں اپنے دفتر کے باہر سیکورٹی بڑھا دی۔ سالم کے گینگ میں دو خطرناک شوٹر سلیم ہڈی اور اگوے موجود تھے۔ اس نے ان دونوں شوٹرز کو ککریجہ کو انکار کی سزا دینے کا ٹارگٹ دے دیا۔ ان دونوں شوٹروں نے نہ صرف ککریجہ، بلکہ دفتر میں موجود دیگر اسٹاف کو بھی گولیوں کا نشانہ بنا ڈالا، جن میں دیپک بلکیا اور محمد انصاری بھی شامل تھے۔ بعد میں بمبئی پولیس نے ان دونوں شوٹرز کو جعلی پولیس مقابلے میں ہلاک کر دیا تھا۔ اگوے کا قتل بالخصوص اہمیت کا حامل تھا، کیونکہ اس سے دیگر باغی پولیس والوں کو بھی ایک پیغام دے دیا گیا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

پولیس ککریجہ کے قتل کے مقدمے میں حتمی نتائج تک پہنچنے میں ناکام رہی۔ ایک سال کی تفتیش کے بعد بالآخر 11 نومبر 1996ء کو کیٹگری A کے تحت کیس فائل بند کر دی گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کیس تو اصلی ہے، لیکن سراغ نہ ملنے کی وجہ سے بند کیا جا رہا ہے۔ ککریجہ کا قتل اس لیے بھی اہم تھا کہ داؤد ابراہیم اور چھوٹا راجن گینگ کے درمیان چھڑی جنگ میں سب سے پہلے قتل ہونے والا شخص ککریجہ ہی تھا۔ ککریجہ کی موت پر چھوٹا راجن کو بہت دکھ ہوا اور اس نے عہد کر لیا کہ اس قتل کا بدلہ لے کر رہے گا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

انڈرورلڈ مافیا کی جنگ میں متعدد کاروباری شخصیات ماری گئیں

چھوٹا راجن نے ککریجہ کے قتل کا بدلہ ایسٹ ویسٹ ایئرلائن کے مالک تقی الدین کو مار کر لیا- اس کے بعد قتل و غارت گری کا نیا دور شروع ہوگیا- جتنا بڑا شخص بمبئی کی سڑکوں پر نشانہ بنایا جاتا، گینگسٹرز کے خوف اور شان و شوکت میں اسی قدر اضافہ ہوجاتا- ابوسالم نے بالی ووڈ کے بڑے نام گلشن کمار کو بھتہ نہ دینے پر سبق سکھانے کا تہیہ کرلیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

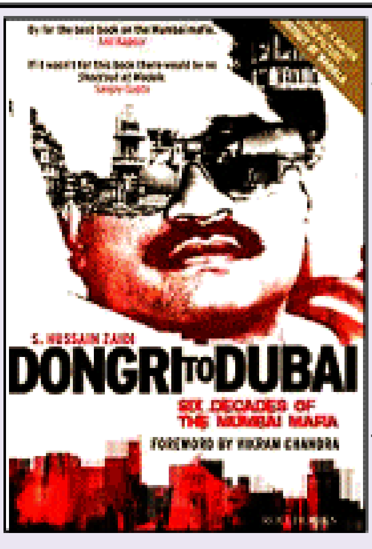

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج ممبئی میرر، مڈ ڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرر ان ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جارہے ہیں۔

پانچ پاؤنڈ کا ہتھوڑا ہوا میں اٹھا اور ایک کار کے سامنے والے شیشے پر دے مارا گیا۔ شیشے کی کرچیاں زمین پر بکھر گئیں اور سفید رنگ کی کونٹیسا کار نے زوردار بریک لگائی اور تھوڑا آگے جا کر رک گئی۔

ویسٹ بندرا میں ممبئی کوئن کے نام سے مشہور ہیری کراس روڈ کے پرسکون ماحول میں اس وقت ہلچل مچ گئی جب سیاہ لباس میں ملبوس مسلح افراد نے فائر کھول دیا۔ ایک شخص آگے بڑھا اور گاڑی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کو ہاتھ سے نیچے گرا دیا۔ گاڑی میں بیٹھے تمام افراد صاف نظر آرہے تھے۔ مسلح افراد نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے کالے سوٹ میں ملبوس شخص پر اپنی بندوقیں تان لیں۔ اس کے بعد ان کی بندوقوں نے بارود اگلنا شروع کردیا اور آناً فاناً وہ منظر سے غائب ہوگئے۔

اس پورے واقعے میں ایک منٹ سے بھی کم وقت لگا ہوگا۔ یہ تماشہ بھرے بازار میں ہوا تھا۔ اردگرد کی عمارتوں کے رہائشی اپنے برآمدوں سے گردنیں نکال کر حیرت اور خوف کے عالم میں ماحول کا جائزہ لینے لگے۔ قاتل اپنے پیچھے ہتھوڑا، خون کی پیاسی گولیاں اور مقتول کو چھوڑ گئے تھے۔ مقتول ایئرلائن کے بزنس کا معروف نام تقی الدین واحد تھا، جو کہ ایسٹ ویسٹ ایئرلائن کا مالک تھا۔ تقی کا تعلق کوچن کیرالہ کے ایک غریب گھرانے سے تھا۔ اولاً اس نے بمبئی کے علاقے دادر میں ایک ٹریول ایجنسی کو بڑے کامیاب انداز سے چلایا۔ بعدازاں جب وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے ملک میں آزاد معیشت کی پالیسیوں کو فروغ دینا شروع کیا تو تقی وہ پہلا بزنس مین تھا، جس نے فضائی سفر کے کاروبار میں نجی سرمایہ کاری کی۔ تقی کی ایئرلائن نے انڈین ایئرلائن کا جم کر مقابلہ کیا اور بہت بزنس حاصل کیا۔

لیکن آج اس حملے نے نہ صرف اس بزنس مین کو ختم کر ڈالا تھا۔ بلکہ کمپنی کے ان عزائم کو بھی ختم کردیا تھا جو اس شخص کے مرہون منت تھے۔ تقی نے ایئرلائن کے علاوہ دیگر منافع بخش کاروبار میں بھی سرمایہ کاری کر رکھی تھی۔ اتنے بڑے بزنس مین کا قتل بمبئی کا ایک غیر معمولی واقع تھا، جس کی وجہ سے پولیس کمشنر آر ڈی تیاگی، جوائنٹ کمشنر پولیس، کرائم برانچ آر ایس شرما اور چند سیاستدان فوراً ہی جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ گاڑی کے بونٹ پر پڑا خونی ہتھوڑا ان کے لیے ایک سوالیہ نشان تھا۔ یہ ہتھوڑا بعد میں چھوٹا راجن کے انتہائی اہم شوٹر روہیت ورما کی علامت بن گیا۔

راجن نے دو ماہ کے اندر اندر ککریجہ کے خون کا بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ مخالف پارٹی جان لے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔ دیگر گینگسٹروں کی طرح راجن کو بھی معلوم تھا کہ ہر بڑے قتل کے بعد پولیس والے سیکورٹی کو ہائی الرٹ کر دیتے ہیں اور اپنے ریکارڈ میں موجود چند افراد کو شک کی بنیاد پر گرفتار کراتے ہیں اور پھر سب معاملات پر ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔ روز روز کے اس کھیل سے مافیا گینگسٹر کے ساتھ ساتھ اب پولیس بھی مانوس ہوچکی تھی۔ ککریجہ کے قتل کے بعد راجن نے دو مہینے تک انتظار کیا کہ پولیس کی الرٹ سیکورٹی ذرا ٹھنڈی پڑ جائے اور پھر اس کے بعد کوئی زبردست کارروائی کی جائے۔

PdfStuff.blogspot.com

ککریجہ کے بعد اب تقی کے قتل نے نہ صرف بمبئی کے کاروباری افراد کو خوف میں مبتلا کردیا تھا، بلکہ پولیس کے افسران بالا کے لیے بھی یہ ایک نیا چیلنج تھا کہ صرف دو ماہ کے عرصے کے اندر اندر دو انتہائی اہم بزنس مینوں کو قتل کیا جاچکا تھا۔ بمبئی بھارت کی معاشی شہ رگ ہے۔ اگر بمبئی متاثر ہو تو پورا بھارت متاثر ہوتا ہے اور اگر متاثرین میں کاروباری طبقہ ہو تو یہ اثر دور رس ہوتا ہے۔

جب کبھی انڈرورلڈ مافیا اپنی جنگ ممبئی کی سڑکوں اور گلیوں میں لے کر آتی ہے پولیس والوں کی مصیبت آجاتی ہے۔ پولیس والوں کو حکومتی حلقوں اور عوامی حلقوں کی جانب سے دوہری تنقید اور ہرزہ سرائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پولیس نے اپنی صفائی کچھ اس انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی کہ ان واقعات میں ہلاک ہونے والے افراد کسی نہ کسی طرح مافیا سے تعلق رکھتے تھے اور ایک عام آدمی کو ان واقعات سے خطرات لاحق نہیں ہیں۔ پولیس والوں نے عوامی غصے کو یہ کہہ کر ٹھنڈا کرنے کی کوششیں شروع کردیں کہ یہ گینگسٹرز کی آپس کی جنگ ہے۔ البتہ حکومتی انتظامیہ اور دیگر سیاست دانوں کا یہ موقف تبدیل نہ ہوا کہ بمبئی شہر کے باسیوں کو امن و تحفظ فراہم کرنے میں بمبئی پولیس بری طرح ناکام ہوچکی ہے۔

انتظامیہ، پولیس، سیاستدان سب کے سب ایک غیر یقینی صورت حال سے دوچار تھے کہ کیا پتہ اگلے لمحے کیا ہوجائے۔ انہیں تو اندازہ بھی نہ تھا کہ انہوں نے ابھی آنے والے حالات کی صرف جھلک دیکھی ہے۔

ککریجہ اور تقی کا قتل محض دو کاروباری اشخاص کا قتل نہ تھا، بلکہ یہ قتل دو گروہوں کے درمیان پہلے سے موجود مخاصمت پر اس طرح اثر انداز ہوئے جیسے جلتی پر تیل۔ ان دونوں افراد کے قتل نے بمبئی کو ناقابل کنٹرول قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے ایک نئے دور میں دھکیل دیا۔

چھوٹا شکیل، گاؤلی، چھوٹا راجن اور اب ایک نیا نام ابوسالم دن رات مخالف پارٹی کے کارندوں اور مالی معاونت کرنے والوں کی تلاش میں رہتے۔ جہاں کسی پر ذرا برابر شک ہوا گولی اس کا مقدر بنی۔ جس کسی شخص نے ان گینگسٹرز کو بھتہ دینے سے انکار کیا اسے بڑی ہی بیدردی سے قتل کردیا گیا۔ معروف بلڈرز منیش شا، ولیپ ولیچہ اور نٹور لال ڈیسائی کو دن دیہاڑے گولیوں سے بھون دیا گیا۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے کاروباری افراد جنہیں بھتہ مافیا کی بھینٹ چڑھنا پڑا، ان میں کریم مریڈیا، ولابھ ٹھاکر اور سنیت کھٹاؤ شامل ہیں۔

جتنا بڑا شخص بمبئی کی سڑکوں پر گولی کا نشانہ بنایا جاتا، ان ڈانوں کے خوف اور انڈرورلڈ میں ان کی شان و شوکت میں اسی قدر اضافہ ہوجاتا۔ ہر قتل کے بعد دیگر کاروباری افراد سہم جاتے اور ان کی تجوریاں ان بھتہ خوروں کے لیے اپنے منہ کھول دیتیں۔

قتل کئے جانے والوں کی فہرست تھی کہ طویل سے طویل تر ہی ہوتی جارہی تھی۔ مہینے گزرے اور پھر سال، لیکن بھتہ خوروں اور انڈرورلڈ ڈانوں کو لگام دینے کی ہمت کسی میں نظر نہیں آتی تھی۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ساتھ انڈرورلڈ مافیا پہلے سے زیادہ خطرناک اور خونخوار ہوتی جارہی تھی۔ اس سے سارے ماحول میں اگر کوئی محفوظ تھا تو وہ ڈان تھے، جو اپنے محافظوں اور وفاداروں اور گینگسٹرز کی فوج کے ہمراہ عام لوگوں کی دنیا سے الگ تھلگ ایک جہان آباد کئے بیٹھے تھے۔ سالم نے بھتہ وصولی کے لیے اپنی تمام تر توجہ بالی ووڈ کی فلم انڈسٹری پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ سبھاش گھائے اور راجیو رائے پر ناکام حملوں کے بعد اس نے ریاض صدیقی کو قتل کروا ڈالا۔ شکیل نے فلم ساز مکیش دگل کے قتل میں اپنا کمیشن بھی مانگ لیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی مدد کے بغیر دگل کو ٹارگٹ کرنا ممکن نہ تھا۔ سالم بذات خود بڑے سے بڑے اور مالدار سے مالدار ٹارگٹ کا چناؤ کیا کرتا تھا۔ دبئی میں تین سال گزارنے کے بعد بالآخر سالم لمبے ہاتھ مارنے کے قابل ہوگیا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

گلشن کمار کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے، جنہوں نے آگے بڑھنے کے لیے کسی کا سہارا نہ لیا تھا۔ وہ دریا گنج، نیو دہلی کی گلیوں میں جوس بیچنے والے کا بیٹا تھا۔ کمار نے ہمیشہ یہی خواب دیکھے تھے کہ ایک دن وہ خود کو منوا کر رہے گا۔ 23 برس کی عمر میں اس نے سپر کیسٹ نامی ایک کمپنی قائم کی۔ یہ کمپنی سستے داموں ملنے والی آڈیو کیسٹوں کا بزنس کیا کرتی تھی۔ کم قیمت پر کیسٹوں کی فروخت نے سپر کیسٹ کمپنی کو واقعتاً سپر کمپنی بنا دیا تھا۔ جب وہ آڈیو کیسٹوں سے ٹھیک ٹھاک دولت کما چکا تو اس نے ہندو مذہب پر مبنی ویڈیو کیسٹوں کا کاروبار بھی شروع کردیا۔ اس نے اپنی کمپنی کے ذریعے ہندو مذہب کو بھارت میں فروغ دینا شروع کردیا۔

1980ء کی دہائی کے اواخر میں فلم انڈسٹری چند ایسے بااثر افراد کے تحت چل رہی تھی جو چند منتخب شدہ آرٹسٹوں کو ہی کام دیتے تھے۔ گلشن نے آہستہ آہستہ میوزک کی دنیا میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرلیا تھا۔ گلشن نے اپنی طرف سے چند نئے چہرے روشناس کرائے، جن میں سونو نگم، انورادھا پوروال اور کمار سانو معروف نام ہیں۔ اس نے فلم انڈسٹری میں نئے اداکاروں اور ہدایت کاروں کو بھی متعارف کروایا۔ اس نے ٹی سیریز کے تحت بمبئی میں کئی نئے سنگیت کاروں کو بھی متعارف کروایا۔ رفتہ رفتہ ٹی سیریز انٹرٹینمنٹ کی دنیا میں ایک جانا پہچانا نام بن گیا۔ اب اس کی کمپنی نہ صرف بھارت، بلکہ بیرون ملک بھی مشہور ہونے لگی تھی اور گلشن کمار میوزک کی دنیا میں اب بڑے ناموں میں شمار ہونے لگا تھا۔

کمار اپنے دھرم کا بہت پکا تھا۔ اس نے وشنو دیوی المعروف دیوی کا بندھارا کے مندر پر آنے والے زائرین کے لیے مفت کھانے پینے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اس کی دولت، شہرت اور اثر و رسوخ بتدریج بڑھتے بڑھتے آسمان کو چھونے لگا۔ حتیٰ کہ 93-1992ء کے ریکارڈ کے مطابق وہ بھارت میں سب سے زیادہ ٹیکس ادا کرنے والا شخص بن گیا۔

1994ء اور 1997ء کے درمیان سالم نے بالی ووڈ کے دو لوگوں کو نشانہ بنایا، جن میں سبھاش گھائے اور راجیو رائے شامل تھے۔ لیکن ان دونوں کے بارے میں سالم کے منصوبے ناکام رہے تھے اور دونوں کارروائیوں میں اس کے شوٹر گرفتار کرلیے گئے تھے۔ ان ناکام کارروائیوں کے بعد اس نے اپنی توجہ گلشن کمار کی جانب مبذول کردی۔ سالم، کمار کو کافی دھمکیاں دیتا رہا۔ بالآخر کمار نے ایک مرتبہ سالم کو صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اسے ایک ٹکا دینے کو تیار نہیں ہے۔ اس بات سے سالم بپھر گیا اور اس نے تہیہ کرلیا کہ کمار کو اس کی میوزک کمپنی سمیت صفحہ ہستی سے مٹا دے گا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

قسط نمبر 47 | ترجمہ: عبدالقادر

اتوار 09 دسمبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

PdfStuff.blogspot.com

گلشن کمار کے بے رحمانہ قتل پر سارا بھارت سکتے میں آگیا

بھتہ دینے سے انکار پر ابوسالم نے بھارتی فلمساز کو مندر کے سامنے نشانہ بنانے کا حکم دیا تھا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ قاتل فون پر گلشن کمار کی آہ و بکا بھی سالم کو سناتا رہا۔ صحافی کے رابطہ کرنے پر سالم نے یہ کہہ کر ہلچل مچادی کہ قتل ایڈوانی نے کرایا ہے۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباس

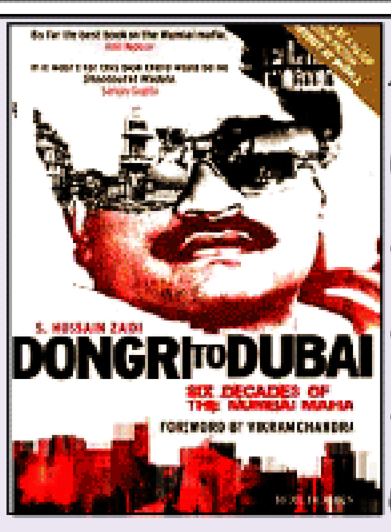

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "میران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

5 اگست 1997ء کو راجیو رائے پر حملے کے بعد انڈین ایکسپریس کے ایک رپورٹر نے سالم سے فون پر رابطہ کر کے اس سے فلم انڈسٹری کے افراد کو نشانہ بنانے کی بابت معلومات حاصل کرنا چاہیں۔

اس وقت سالم نے اسے بتایا۔ "سبھاش گھئی یا راجیو رائے کو مارنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ میں تو صرف انہیں ڈرانا اور دھمکانا چاہتا تھا۔ البتہ اگلے ہفتے تک انتظار کرو میرے شوٹر ایک اہم فلمی شخصیت کو لڑکانے والے ہیں۔ اس مرتبہ میرا مقصد محض ڈرانا یا دھمکانا نہیں ہے بلکہ پوری فلم انڈسٹری کو ایک واضح پیغام دینا ہے۔"

اس بات چیت کے ختم ہوتے ہی اس رپورٹر نے ٹیکسی لی اور کرافورڈ مارکیٹ کے قریب واقع کرائم برانچ کے دفتر جا پہنچا۔ اس رپورٹر نے سالم اور اس کے مابین ہونے والی گفتگو تفصیل کے ساتھ کرائم برانچ کے چیف رنجیت سنگھ شرما کو سنادی۔ شرما نے اس مسئلے کو انتہائی سنجیدگی سے لیا اور اسی وقت ذاتی طور پر تمام کرائم یونٹس کے چیف افسران کو مطلع کر دیا۔

اس فون کے بعد بولی ووڈ کی معروف شخصیات کو فوراً ہی سیکورٹی فراہم کر دی گئی۔ انڈین منوکشن پکچرز پروڈیوسر ایسوسی ایشن کے سربراہ پہلاج نہلانی کو بھی سیکورٹی فراہم کر دی گئی۔ البتہ شرما سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے معروف فلم ساز گلشن کمار کو سیکورٹی فراہم نہیں کی۔ بات دراصل یہ ہے کہ محکمۂ پولیس میں کسی کے ذہن میں یہ بات تک نہ آئی کہ کمار کو بھی ٹارگٹ کیا جا سکتا ہے۔

بہت بعد میں جب سالم کو گرفتار کر لیا گیا تو دوران تفتیش اس نے بتایا کہ اس نے گلشن کمار سے پانچ لاکھ روپے ماہانہ کی ڈیمانڈ کی تھی۔ گلشن کمار نے بڑے طمطراق کے ساتھ کہا کہ داؤد ابراہیم گینگ کو پیسے دینے سے بہتر ہے کہ میں یہ رقم ماتا وشنو دیوی کے مندر پر چڑھا دوں۔ سالم کو ایک جانب تو کمار کے انکار کا غصہ تھا اور دوسری جانب جس انداز سے اس نے انکار کیا تھا اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ سالم نے قسم کھالی کے وشنو کے مندر کے سامنے ہی گلشن کمار کو مارے گا۔

ہر روز کام پر جانے سے پہلے گلشن کمار جتیشور مہادیو کے مندر بمقام اندھیری حاضری کے لیے جایا کرتا تھا۔ دراصل مہادیو مندر پر حاضری کے بعد وہ دن کا آغاز کیا کرتا تھا۔ روز روز کی دھمکیوں سے عاجز آ کر گلشن کمار نے اپنے ساتھ ایک سیکورٹی گارڈ رکھ لیا تھا۔ البتہ گزشتہ چند دنوں سے گارڈ بیماری کی وجہ سے چھٹی لے چکا تھا اور کمار بغیر گارڈ کے ہی گھومتا پھرتا تھا۔ 12 اگست 1947ء کے دن بھی گلشن کمار اپنے گارڈ کے بغیر گھر سے نکلا تھا۔ سالم نے اپنے شوٹروں کو حکم دیا کہ مندر کے سامنے ہی گلشن کا کام تمام کر دیں۔ اپنی انا کی تسکین کے لیے اس نے اپنے شوٹروں کو یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ جب گلشن کو گولیاں لگیں اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دینے لگے تو موبائل فون پر اسے گلشن کی آواز بھی سنائیں۔

اس روز بھی گلشن کمار اپنے معمول کے مطابق دن کا آغاز کرنے کے لیے مندر حاضری دینے گیا تھا۔ وہ کافی دیر مندر میں رہا اور اس کے بعد باہر آیا۔ اس دوران راجا نامی شوٹر مندر سے کچھ دور ہٹ کر کھڑا گلشن کا انتظار کرتا رہا۔ جیسے ہی راجو نے گلشن کمار کو مندر سے باہر آتے دیکھا اس نے کمار پر فائرنگ کر دی۔ راجو ایک اچھا نشانے باز تھا اس کی گولیاں کمار کے بازو اور کمر پر جا لگیں۔ وہ زمین پر گر پڑا اور فوارے کی مانند خون اس کے جسم سے بہہ نکلا۔

زخمی ہونے کے باوجود گلشن کمار نے ہمت دکھائی اور چھپنے کی خاطر کسی جگہ کی اوٹ تلاش کرنے لگا۔ اسی اثنا میں اسے پبلک بیت الخلا نظر آگئے اور وہ وہاں جا گھسا۔ لیکن قاتل نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس کے پیچھے وہاں پہنچ گیا اور اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اتنی گولیاں لگنے کے باوجود گلشن کمار اپنی جان بچانے کے لیے رینگتا رہا۔ اس کے جسم سے خون اور جان آہستہ آہستہ نکل رہے تھے۔ گلشن کمار نے قریب ہی ایک رہائشی بڑھیا کے سامنے ہاتھ جوڑے کہ اسے اندر آنے دے اور دروازہ بند کر لے۔

بڑھیا نے زخموں سے چور اور خون میں لت پت کمار کو دیکھا تو سکتے میں آگئی۔ اس دوران راجا نے اپنا موبائل فون آن کیے رکھا کہ سالم فون پر سب کچھ سنتا رہا کہ کمار کس طرح تڑپ تڑپ کر اور ایک ایک دروازے پر زندگی کی بھیک مانگ کر اپنی جان دے رہا تھا اور بالآخر قاتل نے فیصلہ کیا کہ اپنے کام کو منطقی انجام تک پہنچائے۔

PdfStuff.blogspot.com

یہ سوچتے ہی راجا اس بڑھیا کی کٹیا میں جا گھسا اور اپنے پستول کی تمام گولیاں گلشن کمار کے بدن میں اتار دیں۔ گلشن کمار چند لمحوں میں ہلاک ہو گیا اور قاتل اسے وہاں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

یہ داستان اندھیری کی گلیوں میں دن دیہاڑے 15 سے 20 منٹ تک رقم کی جاتی رہی۔ اور سب کچھ لوگوں کی کثیر تعداد کے سامنے ہوتا رہا لیکن خوف اور دہشت کا عوام پر یہ عالم تھا کہ کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر ان گینگسٹروں کو روک لیتے یا کم از کم فون پر پولیس کو اطلاع ہی کر دیتے۔ بالآخر ایک ایسا شخص جو زمین کی خاک سے اٹھ کر کامیابیوں کے آسمان تک پہنچا تھا، ختم ہو گیا۔ جس شخص نے اپنی دولت اس شہر کے باسیوں کی مدد کے لیے دل کھول کر خرچ کی تھی آج اس شخص کی مدد کیلئے شہر کا ایک بھی باسی آگے نہ بڑھا اور گلشن کمار نے بے یار و مددگار بمبئی شہر کی گلیوں میں جان دے دی۔

کمار کو جس بیدردی سے قتل کیا گیا تھا اس سے پورے بھارت میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی اور سب سکتے میں آگئے۔ بمبئی کے لوگوں نے مافیا کے ہاتھوں پہلے بھی لوگوں کو قتل ہوتے دیکھا تھا۔ بلکہ یہ تو اب ان کے لئے ایک معمول کی بات بن چکی تھی۔ لیکن جس بیدردی کے ساتھ گلشن کمار کی جان لی گئی تھی اس نے بے رحمی کے گزشتہ تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ سالم کی سفاکیت ہوٹلوں سے لے کر پارلیمان کے ایوانوں تک میں زیر بحث آئی۔ ہر شخص ایک ہی موضوع پر بحث کرتا نظر آرہا تھا یعنی سالم کی بے رحمی۔ اس وقت کی مخلوط حکومت کے وزیراعظم گجرال نے اس سلسلے میں فوری کارروائی کا حکم دیا۔ گجرال نے کہا۔ "اس قسم کے بہیمانہ جرم کی ایک مہذب معاشرے میں بالکل گنجائش نہیں ہے۔ بالخصوص ایک ایسے شہر میں جو اپنے سماجی شعور اور نظم و ضبط کی وجہ سے جانا جاتا ہے...... گجرال کا یہ بیان انڈین ایکسپریس کی سرخیوں میں دیکھا گیا۔ گجرال نے مزید کہا کہ "اس شخص نے موسیقی کی دنیا میں اپنے لیے ایک منفرد مقام قائم کر رکھا تھا اور موسیقی کے چاہنے والے خود کو کبھی بھی اس صدمے سے آزاد نہ کر پائیں گے۔

اس بہیمانہ قتل پر فلم انڈسٹری کے تمام لوگ بھی سہم گئے تھے۔ انہوں نے تو اس قسم کے قتل کا کبھی فلموں کی اسٹوری میں بھی نہ سوچا تھا۔ ڈائریکٹر مہیش بھٹ نے کمار کے لیے فلم "عاشقی" کی ڈائریکشن کی تھی۔ اس موقع پر مہیش بھٹ نے کہا۔ "گلشن کمار کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے انٹرٹینمنٹ کی دنیا کے عظیم ترین لوگوں میں سے کسی ایک کا قتل کیا ہے۔" مہیش بھٹ نے مزید کہا کہ "گلشن کمار کو قتل کرنے کے بعد وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم سب گولیوں کی زد میں ہیں اور انہوں نے اپنا کہا ثابت بھی کر دیا۔ اس وقت پوری فلمی دنیا خوف و ہراس کے عالم میں ہے۔" ایک مرتبہ پھر انڈین ایکسپریس کے رپورٹر نے ابوسالم کا فون نمبر ملایا اور پوچھا کہ "کیا یہی وہ قتل تھا جس کے بارے میں تم نے اطلاع دی تھی؟" لیکن اس مرتبہ سالم کی آواز میں وہ دادا گیری کی اکڑ موجود نہ تھی۔ کیونکہ اس کے اپنے گینگ نے اسے قید کر رکھا تھا۔ بمبئی مافیا اس بہیمانہ قتل پر نہ صرف ششدر بلکہ پریشان بھی تھی کہ جمعہ جمعہ آٹھ دن کے اس لڑکے نے شہر میں اتنی بڑی کارروائی کر ڈالی۔ داؤد ابراہیم گینگ کے کارندے بھی اس کارروائی کے بعد سے کچھ سہمے ہوئے تھے۔ تمام کارروائیاں کچھ عرصے کیلئے معطل تھیں۔ رپورٹر نے اس مرتبہ محسوس کیا کہ سالم کی آواز میں اکھڑپن اور اتھارٹی بالکل غائب تھی بلکہ وہ تو بات کرتے ہوئے بھی کچھ کترا سا رہا تھا۔ انڈین ایکسپریس کے رپورٹر کو اس فون کال کے بعد کسی دھماکہ خیز خبر کی توقع تھی جو کہ اگلے دن کے اخبار کی سرخی میں ظاہر ہوئی۔ البتہ اسے سالم کی جانب سے اس قسم کے لب لہجے کی ہرگز توقع نہ تھی۔ نیز جو کچھ سالم نے رپورٹر کو بتایا اس کی تو اسے ہرگز ہرگز توقع نہ تھی۔ رپورٹر کو اس بات کا اندازہ بھی نہ تھا کہ اسے ملنے والی دھماکہ خیز خبر کیا ہوگی۔ سالم نے کچھ دھیمے سے انداز میں ایک ناقابل یقین خبر اخباری رپورٹر کو دی۔ اس نے کہا۔ "یہ قتل لال کرشن ایڈوانی نے کرایا ہے۔ تم ایڈوانی کو فون کیوں نہیں کرتے؟ تم یہ سب باتیں اس سے خود کیوں نہیں پوچھتے؟" فون کی دوسری جانب کھڑے رپورٹر کی زبان پر گویا کہ تالا سا لگ گیا۔ (جاری ہے)

PdfStuff.blogspot.com

☆☆☆☆☆

پیر 10 دسمبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

قسط نمبر 48

ترجمہ: عبدالقادر

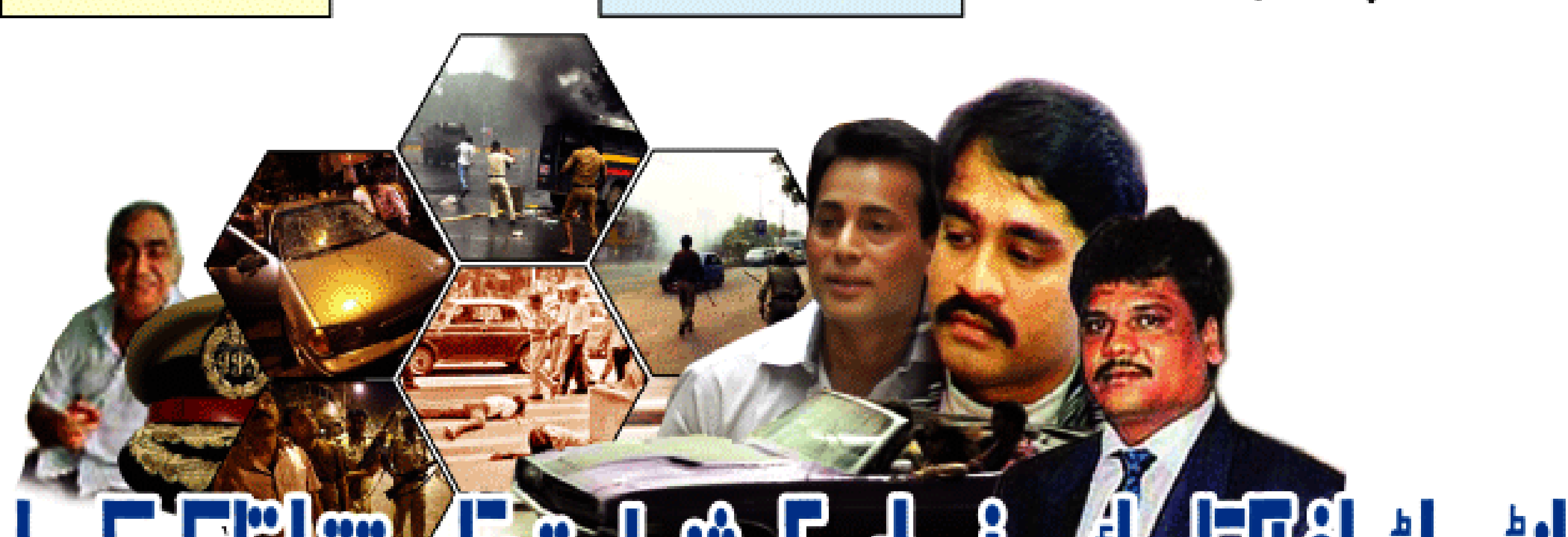

انڈرورلڈ مافیا کی کارروائیوں نے پولیس کمشنر ملہوترہ کا مستقبل تاریک کر دیا

گلشن کمار کے قتل کیس میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی تھی کہ معروف بلڈر نٹور لال ڈیسائی مارا گیا- وزیر اعلیٰ منوہر جوشی نے اپنی کرسی بچانے کیلئے سبھاش ملہوترہ کا تبادلہ کر دیا- نئے کمشنر کی تعیناتی کے فوراً بعد پولیس مقابلے میں گینگسٹر جاوید کے دھوکے میں مونگ پھلی فروش کو ہلاک کر دیا گیا- یہ انکاؤنٹر کرائم برانچ کی مزید بدنامی کا سبب بنا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

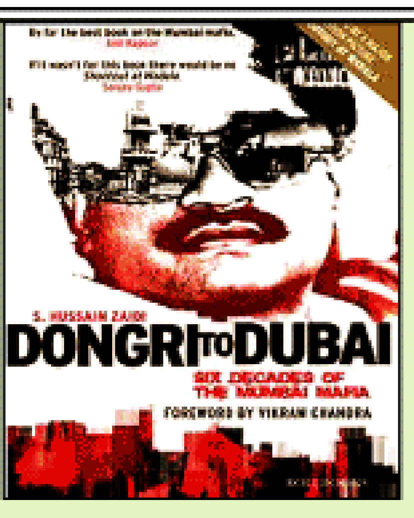

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارو راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

جوائنٹ کمشنر پولیس رنجیت سنگھ شرما اپنے فوجی پس منظر اور بین الاقوامی پولیس سے ذاتی روابط رکھنے کے باوجود گلشن کمار کے قتل کے بعد پیدا ہونے والے دباؤ کو جھیل نہیں پا رہا تھا۔ ایک جانب زبردست انڈرورلڈ مافیا تھی، جو کہ ریاست میں ایک ریاست بن چکی تھی۔ دوسری جانب سیاسی دباؤ تھا۔ اس کی روزمرہ کی تھکا دینے والی مصروفیات کو دیکھ کر اس کے دشمن بہت خوش تھے، کہ اس کا کیریئر ایک انتہائی گھمبیر صورتحال سے دوچار ہے۔ کم ہی لوگ توقع کر رہے تھے کہ رنجیت سنگھ، اس صورتحال سے خود کو نکال لے گا۔

PdfStuff.blogspot.com

قتل کے بعد اگلے دن رنجیت سنگھ سارا دن فون کالیں موصول کرتا رہا۔ فون کال کرنے والوں میں پولیس کمشنر سبھاش ملہوترہ اور منترالیہ سمیت بہت سے سیاستدان شامل تھے۔ کال کرنے والوں میں وزیر اعلیٰ منوہر جوشی اور ہوم منسٹر گوپی ناتھ منڈے بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے دیگر بگ باسز اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے رہنماؤں کو صفائیاں اور وضاحتیں پیش کرتے کرتے رنجیت سنگھ کا دن گزرا۔ جب بھی کسی با اثر شخصیت کا فون آتا، رنجیت سنگھ الف سے ی تک پوری کہانی سناتا کہ اس کیس کی تفتیش کے سلسلے میں اسے کیا، کیا رکاوٹیں آ رہی ہیں اور کیسے کیسے دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

کرائم برانچ، جس سے لوگوں کی توقعات وابستہ تھیں، گلشن کمار کے قتل کے بعد کئی دن گزر جانے کے باوجود بھی کوئی ایسا ٹھوس ثبوت تلاش کرنے میں ناکام رہی جس سے اس کیس کا رخ متعین کیا جا سکتا۔ رنجیت سنگھ شرما اور اس کا ڈپٹی کے ایل پرساد، چوبیس گھنٹے مصروف تھے کہ انہیں اس قتل کے سلسلے میں کہیں نہ کہیں سے، کوئی نہ کوئی کڑی مل جائے۔ لیکن ہر قسم کی کوشش کر لینے کے باوجود یہ دونوں بے بس ہو کر بیٹھ چکے تھے۔

اس قسم کے واقعات کے بعد عموماً ہوتا کچھ یوں ہے کہ پولیس والے شبے کی بنیاد پر چند لوگوں کو اٹھا لاتے ہیں۔ اگر اس قسم کے لوگوں سے کوئی ٹھوس شواہد نہ بھی ملیں تو بھی کوئی نہ کوئی ایسی بات ان کے منہ سے ضرور سننے کو مل جاتی ہے، جو کہ مقدمات کو آگے بڑھانے میں پہلی کڑی ثابت ہوتی ہے اور بالآخر مقدمے کا کوئی نہ کوئی رخ متعین ہو ہی جایا کرتا ہے۔

کرائم برانچ کی تمام یونٹیں اسی کیس پر کام کر رہی تھیں۔ انہوں نے تمام مشکوک افراد اور مخبروں کو جمع کر رکھا تھا کہ کسی نہ کسی طرح کوئی کڑی ان کے ہاتھ آ جائے۔ اسی اثنا میں ابو سالم گینگ سے قریبی روابط رکھنے والے ایک شخص نظام الدین کو بھی کرائم برانچ والوں نے اٹھا لیا۔ کرائم برانچ نے نظام الدین کو کئی دن تک حوالات میں رکھ کر انتہائی سخت تفتیشی عمل سے گزارا، لیکن اس شخص کو گرفتار کرنا بھی کچھ سودمند ثابت نہ ہوا اور کئی دن حوالات میں رکھنے کے بعد بالآخر اسے جانے دیا گیا۔

شہر میں روز بروز بڑھتا ہوا خون خرابہ پولیس کے محکمے کی کارکردگی پر ایک سوالیہ نشان تھا اور حکومت وقت پر بھی مخالفین کی جانب سے دباؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ دائیں بازو کی سیاسی پارٹی شیوسینا کے رہنما بال ٹھاکرے اپنی پارٹی کے اخبار ''سامنا'' میں حکومت کو ہلا دینے والے اداریے اور بیانات چھپوا رہے تھے۔ ہر دن اخبار میں محکمہ پولیس کی کسی نہ کسی طرح سے کھنچائی کی جاتی۔ جبکہ پولیس کمشنر سبھاش ملہوترہ پوری طرح سے عوام، حکومت اور حزب اختلاف کی جانب سے زیر عتاب تھے۔

PdfStuff.blogspot.com

ابھی پولیس والے گلشن کمار کے قاتلوں کا سراغ بھی نہ لگا پائے تھے کہ انڈرورلڈ مافیا نے ایک اور مصیبت پیدا کر دی۔ اس مرتبہ معروف بلڈر نٹور لال ڈیسائی کو قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ قتل انتہائی اہم کاروباری علاقے ناری من پوائنٹ پر طلسانی چیمبرز کے عین نیچے کیا گیا تھا۔ یہ کثیر المنزلہ عمارت اس مقام پر واقع ہے، جہاں روڈ کے اس پار اسٹیٹ گورنمنٹ کا دفتر موجود ہے۔ اگلے روز کے اخبار چیخ اٹھے کہ ''منترالیہ کی ناک کے نیچے قتل!'' ہو گیا، لیکن ممبئی اسٹیٹ گورنمنٹ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔

اب وزیر اعلیٰ منوہر جوشی اور ہوم منسٹر گوپی ناتھ منڈے بھی عاجز آ چکے تھے۔ وہ عوامی اور حزب اختلاف کے چبھتے ہوئے سوالات کے سامنے اپنا دفاع کرنے کے قابل نہ تھے۔ یہ قتل اسٹیٹ گورنمنٹ کے منہ پر طمانچہ تھا۔ یہ دونوں حضرات سمجھ گئے کہ محکمہ پولیس کی وجہ سے اب ان کی اپنی کرسی کو بھی خطرہ ہے۔ لہٰذا اپنی کرسی بچانے کیلئے پولیس میں اعلیٰ سطح پر کچھ تبدیلیاں اور تبادلے کرنا ان کے لیے اب بہت ضروری ہو گیا تھا۔

ہوم منسٹر انتہائی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ پولیس کمشنر ملہوترہ، پولیس ٹیم کی سربراہی کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ اس لیے اس قتل کے دو ہفتے بعد ہی ملہوترہ کو محکمہ پولیس کے ایک انتہائی غیر اہم اور غیر فعال ادارے ہاؤسنگ اینڈ ویلفیئر میں بھیج دیا گیا۔ انڈرورلڈ کی کارروائیوں نے بالآخر ایک پولیس کمشنر کا مستقبل تاریک کر دیا۔ ملہوترہ پولیس کے ریکارڈ میں وہ ناکام کمشنر درج ہوئے، جنہیں نااہلی کی وجہ سے اپنی کرسی سے ہاتھ دھونا پڑے۔

بھارت کے طول و عرض میں پولیس کمشنر کی جتنی بھی اسامیاں ہیں، ان میں سب سے زیادہ نازک اور سب سے زیادہ ناقابل اعتبار کرسی ممبئی پولیس کمشنر کی ہے۔ اس کرسی پر بیٹھے شخص کو کئی بگ باسز کو خوش کرنا ہوتا ہے اور کئی جانب سے آنے والے دباؤ کو بھی قبول کرنا ہوتا ہے، تب کہیں جا کر کچھ بات بنتی ہے۔ جو کوئی اس کرسی سے وابستہ رازوں کو سمجھ گیا اس پر طویل عرصہ براجمان رہا۔ اور جو ان رازوں کو سمجھنے سے قاصر رہا اسے انتہائی رسوائی کے عالم میں اس کرسی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ پولیس کمشنر ملہوترہ اور اس کے پیش رو رام دیوتیگی کو اس جرم کی پاداش میں اس کرسی سے ہاتھ دھونا پڑے کہ یہ دونوں بھارتیہ جنتا پارٹی کے رہنما منڈے کو راضی نہ کر سکے۔

اس کے بعد 28 اگست کو ملہوترہ کی جگہ رونالڈ ہائے سنتھ مینڈونکا کو ممبئی پولیس کمشنر تعینات کر دیا گیا۔ دوسرے قتل کو بھی دو ہفتے گزر چکے تھے، لیکن ابھی تک کوئی ثبوت پولیس والوں کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔ اس دوران بھی محکمے کے چند بڑے اِدھر اُدھر کر دیئے گئے، البتہ چند ایک ابھی تک اپنی کرسیوں پر براجمان تھے۔ جس دن ممبئی پولیس کو نیا کمشنر ملا، اسی دن یعنی 28 اگست کو ممبئی پولیس نے جاوید فودا نامی شخص کو قتل کر دیا تھا۔ لوگ اس پولیس مقابلے کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ اس پولیس مقابلے کا سربراہ اے ایس آئی وسانت دھوبلے تھا۔ جلد ہی دھوبلے کے ساتھیوں نے چند اخباری رپورٹروں کو اس پولیس مقابلے کی اطلاع دے دی۔ اگلے دن کی اخباری سرخیاں کچھ اس انداز سے لگی تھیں: ''گلشن کمار کا قاتل پولیس مقابلے میں ہلاک''۔ ''کرائم برانچ ایک مرتبہ پھر فعال۔ گلشن کمار کا قاتل ہلاک''۔ پورا پریس بالخصوص مراٹھی پریس، دھوبلے کی بہادری کے گن گا رہا تھا۔

دوسری جانب ڈپٹی کمشنر پولیس اور اس کا باس جشن منانے کے موڈ میں تھے۔ لیکن جلد ہی یہ تمام خوشی انتہائی غم میں تبدیل ہو گئی، جب پولیس افسران سے پریس رپورٹروں نے سوالات کیے کہ مارا جانے والا اصل قاتل تھا یا قاتل کا ساتھی، تو پولیس افسران کو روایتی انداز سے جواب دینا پڑا، ''ابھی تفتیش جاری ہے''۔

PdfStuff.blogspot.com

انڈرورلڈ کی دنیا میں شوٹر اسے کہا جاتا ہے، جس کی انگلی بندوق کے گھوڑے پر ہو، جب کہ اس کے ساتھیوں کو سائیڈ شوٹر یا معاون کہا جاتا ہے۔ جاوید کا اس قتل میں کیا کردار تھا، اس کے بارے میں پولیس والوں کے پاس کہنے کو کچھ خاص نہ تھا اور اسی وجہ سے پورا معاملہ کھٹائی میں پڑتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

جیسے جیسے حقائق سامنے آتے گئے، قتل کیے جانے والا جاوید فودا کرائم برانچ کے گلے میں ہڈی بنتا گیا۔ یہ وہ جاوید فودا نہ تھا جو کہ ابو سالم کے شوٹر راجا کو گلشن کمار کے قتل میں معاونت فراہم کر رہا تھا۔ بلکہ یہ تو پھیری لگا کر مونگ پھلی بیچنے والا ایک شخص تھا، جس کا اصل نام ابو صیام شیخ تھا اور وہ جاوید کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے اوپر کے دانت کچھ آگے کی جانب نکلے ہوئے تھے، اسی لیے لوگ اسے جاوید فودا کہہ کر پکارتے تھے۔ اتفاق سے اس شخص کا نام گینگسٹر جاوید فودا سے ملتا تھا، اسی وجہ سے یہ شخص پولیس انکاؤنٹر کا شکار ہو گیا۔

بندرہ نامی کچی بستی میں رہنے والی مقتول جاوید کی بہن روبینہ نے اس واقعے کے بعد ایک طوفان سر پر اٹھا لیا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کا بھائی بندرہ ریلوے اسٹیشن کے علاقے میں ایک مسجد کے قریب مونگ پھلی بیچا کرتا تھا اور 26 اگست سے وہ غائب ہے۔ اس نے بندرہ پولیس اسٹیشن میں اس واقعے کے خلاف ایک ایف آئی آر بھی درج کروائی۔ اس نے اپنی شکایت میں یہ موقف بھی اختیار کیا تھا کہ 26 اگست کی رات اسے چار افراد اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ 29 اگست کے دن اسے بلوایا گیا، اس کے سامنے گولیوں سے چھلنی مسخ شدہ ایک لاش شناخت کے لیے رکھی گئی۔ آٹوپسی کی رپورٹ کے مطابق نہ صرف یہ کہ جاوید کی موت گولیاں لگنے سے واقع ہوئی تھی، بلکہ اسے انتہائی قریب سے گولیاں ماری گئی تھیں۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ اس کی ٹوٹی ہوئی پسلیاں بتا رہی تھیں کہ اسے بری طرح کار کے نیچے روندا گیا تھا۔ اس رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد محکمہ پولیس اور بالخصوص کرائم برانچ والے ایک مرتبہ پھر زیر عتاب تھے۔

پولیس کمشنر اور اس کے نائب نے بہت ہاتھ پیر مارے۔ انہوں نے میڈیا والوں اور انسانی حقوق کے اداروں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ پولیس والوں نے کسی مونگ پھلی بیچنے والے کو نہیں، بلکہ اصل مجرم کو ہی مارا ہے۔ لیکن کوئی ان کی سننے کو تیار نہ تھا۔ بلکہ حالات مزید خطرناک رخ اختیار کرتے جا رہے تھے۔

پولیس کمشنر جس شخص سے ملتا اور جو فون کال وصول کرتا، اس کا اختتام محض شرمندگی ہی شرمندگی ہوتی۔ میڈیا والے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ کرائم برانچ والوں کی اس فاش غلطی سے اب یہ پول بھی کھل گئی ہے کہ ان کا انٹیلی جنس نیٹ ورک بالکل فیل ہو چکا ہے۔ ان تمام الزامات کے جوابات کے لیے کرائم برانچ والوں کے پاس اب کوئی دلیل باقی نہ بچی تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

فودا کا انکاؤنٹر محکمہ پولیس کے گلے کا پھندا بن چکا تھا۔ میڈیا والے مزید ان باتوں کی ٹوہ میں لگے ہوئے تھے کہ جوائنٹ کمشنر شرما نے ایک جارحانہ چال چلنے کا فیصلہ کر لیا۔ فواد کے مبینہ پولیس مقابلے کے تین دن بعد شرما نے میڈیا کے سامنے فلم انڈسٹری کا اصل چہرہ لانے کی ٹھان لی۔ شرما کے مطابق اس تمام دہشت گردی و قتل و غارت گری کے پیچھے دراصل فلم انڈسٹری والوں کے خفیہ عزائم ہی چھپے تھے۔ اپنی تحقیق اور تفتیش کے نتیجے میں شرما بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ ممبئی کی گلیوں میں ہونے والے قتل کے ذمہ دار فلم انڈسٹری کے وہ کرتا دھرتا ہیں، جن کے مفادات اس قتل و غارت گری سے وابستہ ہیں۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

شرما نے بالی ووڈ اور انڈر ورلڈ کے روابط بے نقاب کردیئے

جوائنٹ کمشنر نے گلشن کمار کے قتل کی سپاری دینے کا الزام میوزک کمپوزر ندیم سیفی پر لگایا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ابو سالم سے تعلقات کے شبے میں شاہ رخ خان۔ سلمان خان۔ جیکی شروف اور ادیتیہ پنچولی سمیت کئی فلمی ستاروں سے پوچھ گچھ شروع ہوگئی۔ میڈیا کی توپوں کا رخ کرائم برانچ سے بالی ووڈ کی جانب ہوگیا۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

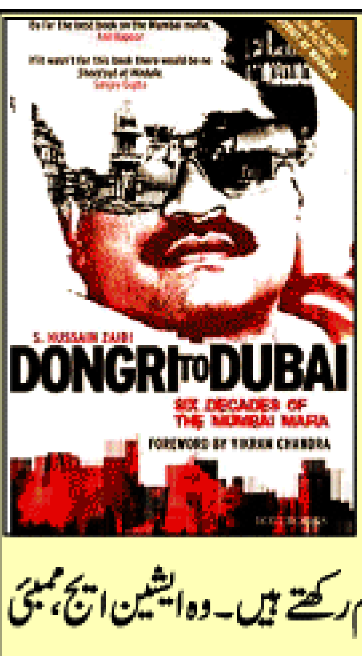

"ڈونگری سے دبئی" چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف "بلیک فرائیڈے" اور "مافیا کوئن آف ممبئی" سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم "ٹیرران ممبئی" کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "ڈونگری سے دبئی" نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ "دبئی سے ڈونگری" میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے "سپاری" (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو "ڈان" منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ "امت" کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کئے جارہے ہیں۔

جوائنٹ کمشنر پولیس رنجیت سنگھ شرما نے بہت سے واقعات کی کڑیاں آپس میں جوڑ کر ایک تصویر مکمل کرنے کی کوشش کی تھی کہ کس قتل کا تعلق کس کے بدلے سے ہے۔ چھوٹی چھوٹی اور آپس میں الجھی ہوئی کڑیوں نے اس تفتیش کو انتہائی پیچیدہ بنا دیا تھا۔ ابو سالم نے دبئی میں بالی ووڈ میوزک کمپوزر ندیم اور شراون کے لیے ایک بہت بڑے میوزیکل پروگرام کا اہتمام کیا تھا۔ اس پروگرام میں شرکت کے لیے جن اہم فلمی ستاروں کو مدعو کیا گیا، ان میں شاہ رخ خان، سلمان خان، جیکی شروف اور ادیتیہ پنچولی شامل تھے۔ اس پارٹی کا میزبان ابو سالم تھا اور سالم کو گلشن کمار کے رقیبوں کے ساتھ ساز باز کرتے دیکھا گیا تھا۔ پولیس کو شک تھا کہ اسی پارٹی میں گلشن کمار کے قتل کی سپاری طے ہوچکی تھی۔

فلم انڈسٹری کے اتنے بڑے بڑے ناموں کا ابو سالم کے ساتھ یوں آنا محکمہ پولیس کے بڑے بڑے افسروں کو ہلا گیا۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ان لوگوں کو بھی انڈر ورلڈ کے ساتھ نتھی کرکے ان کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں لائی جائے یا پھر ان لوگوں کو ان مقدمات میں بطور گواہ پیش کرکے ان مقدمات کو مضبوط بنایا جائے؟ بھارت کی پولیس اب تک ترقی یافتہ ممالک کی پولیس جیسی آزادی حاصل نہیں کرسکی ہے۔ انہیں کسی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ آیا وہ شخص کسی بااثر سیاست دان، فلم انڈسٹری باس یا کسی بڑے بزنس مین سے تعلق تو نہیں رکھتا۔ کبھی کبھار انتہائی ایمانداری کا مظاہرہ اپنے گلے پڑ جاتا ہے۔

ان بڑے فلم ستاروں پر بنا کسی ٹھوس ثبوت کے ہاتھ ڈالنا پولیس والوں کو مہنگا بھی پڑ سکتا تھا۔ ان میں سے کئی افراد کی دہلی اور بمبئی منترالیہ تک رسائی تھی۔ یہ لوگ بااثر سیاسی شخصیات سے دباؤ ڈلوا کر کارروائی کرنے والوں کا پتہ بھی صاف کروا سکتے تھے۔ جس شہر میں وزیر اعلیٰ اور ہوم منسٹر کی آپس میں نہ بنتی ہو، وہاں اعلیٰ پولیس افسران کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔

اس سلسلے کی اہم مثال حال ہی میں ڈپٹی کمشنر پولیس راکیش ماریا کی پیش کی جاتی ہے۔ ماریا کو کرائم برانچ میں بمبئی دھماکوں کی کارروائی کو کامیاب طور پر آگے بڑھانے کی وجہ سے بہت کامیاب افسر سمجھا جاتا تھا۔ جب ماریا کو پتہ لگا کہ شیوسینا کے رہنما بال ٹھاکرے کے بیٹے جے دیو کے گھر بمقام کالینا کے اندر اس کے نجی چڑیا گھر میں چند نایاب جانوروں کو غیر قانونی طور پر رکھا گیا ہے تو یہ ایماندار افسر اپنی ڈیوٹی نبھانے جے دیو کے گھر جا پہنچا۔ بس پھر کیا تھا۔ نہ ایمانداری کا سابقہ ریکارڈ کام آیا اور نہ ہی بمبئی دھماکوں کے ضمن میں کی گئی دلیرانہ کارروائی۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کو بہت ہی بے آبرو ہو کر اپنے دفتر کو خیر باد کہنا پڑا۔

شرما ڈپٹی کمشنر راکیش ماریا کی طرح کوئی بے وقوفی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جس جس پر اس نے ہاتھ ڈالنا ہے، پہلے ان کے سیاسی اثر و رسوخ کا جائزہ لے لے۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ نئی دہلی اور منترالیہ میں اپنے سیاسی آقاؤں سے اجازت بھی لے لے۔ اس کے ذہن میں منصوبہ کچھ یوں تھا کہ ان فلمی ستاروں کو پوچھ گچھ کے لیے لایا جائے گا اور اگر ضرورت پڑی تو سلاخوں کے پیچھے بھی دھکیلا جائے گا۔ لیکن سیاسی آقاؤں کی آشیر باد حاصل ہونے کے بعد کم از کم اتنا ضرور ہوجائے گا کہ اگر یہ لوگ بری کر بھی دیئے گئے تو یہ پولیس والوں کے لیے دردِ سر نہ بن سکیں گے۔ بالفاظ دیگر شرما ان پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے خود کو محفوظ بنانے میں مصروف تھا۔ شرما نے اپنی مہم کا آغاز انتہائی مستعدی اور احتیاط کے ساتھ کیا تھا۔ ہر خبر سے سیاسی آقاؤں کو باخبر رکھا جارہا تھا، لیکن اس حد تک کہ کوئی راز وقت سے پہلے خبر نہ بن جائے۔ شرما کو اس بات کا پوری طرح اندازہ تھا کہ سیاست دانوں کو اس قسم کے راز بتانا کسی بھی طرح خطرے سے خالی نہیں، لیکن ایک منجھا ہوا پولیس افسر ہونے کے ناتے اسے اندازہ تھا کہ کیا بتانا ہے، کس کو بتانا ہے اور کس حد تک بتانا ہے۔ بالآخر اپنی تفتیش کا خاطر خواہ مرحلہ طے کرلینے کے بعد شرما نے منترالیہ میں موجود اعلیٰ سیاسی قیادت سے ایک پریس کانفرنس کی منظوری حاصل کرلی۔ اس پریس کانفرنس کا اہتمام بڑے پیمانے پر کیا گیا تھا۔ تمام معروف و غیر معروف اخبارات، رسائل و جرائد کے صحافیوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس پریس کانفرنس سے پولیس کمشنر رونالڈ نے خطاب کرنا تھا۔ ایسا کم مواقع پر ہی ہوا تھا کہ پولیس کمشنر کے دفتر میں اتنا رش لگا ہو کہ تل دھرنے کی جگہ نہ ہو۔ سیکورٹی پر مامور پولیس اہلکار بھی حرکات و سکنات میں دقت محسوس کر رہے تھے۔ عموماً اس طرح کی پریس کانفرنس شور و غل کے ماحول میں ہوتی ہیں، جہاں کرائم رپورٹر بڑے ہی بے ہنگم انداز سے چبھتے ہوئے سوالات تیروں کی مانند پولیس افسران کی جانب پھینکتے ہیں۔ لیکن سب ورطۂ حیرت میں تھے کہ شرما کے چہرے پر مسکراہٹ اور طمانیت تھی۔ یوں لگتا تھا کہ شرما صاحب نے گزشتہ رات خوب آرام سے اپنی نیند بھی پوری کی ہے۔ جوائنٹ پولیس کمشنر رنجیت سنگھ شرما پریس کانفرنس کے لیے ہاتھ ہلا کر صحافیوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں یکدم سکوت طاری ہوگیا، یہاں تک کہ ایئر کنڈیشنڈ کی آواز ہر کان سے ٹکرانے لگی۔

شرما نے بات شروع کی۔ "تفتیش کے دوران گلشن کمار کے قتل سے متعلق چند انتہائی اہم شواہد ہمارے ہاتھ لگے ہیں۔ معروف میوزک ڈائریکٹر ندیم سیفی نے گلشن کمار کے قتل کی سپاری دی تھی۔ اس قتل کی سازش ڈرگ مافیا کے لارڈ وکی گوسوامی کے ہوٹل ایمپائر میں اس سال جون میں تیار کی گئی تھی اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ بالی ووڈ کی مشہور شخصیات کے سامنے ہو رہا تھا"۔

شرما کے چپ ہوجانے کے بعد بھی 30 سیکنڈ تک کمرے میں موجود تمام صحافی انتہائی خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے۔ اس کے بعد چند صحافیوں نے کاغذوں پر قلم چلانا شروع کردیئے، جبکہ چند صحافی اب تک شرما کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا پائے تھے۔

ندیم سیفی المعروف ندیم، شراون کمپنی کا نام سنتے ہی جیسے کہ سب پر سکتہ طاری ہوگیا۔ کمرے میں موجود ہر شخص بڑبڑا رہا تھا۔ "ندیم سیفی اور گلشن کا بے رحمانہ قتل، ناقابل یقین!" پھر اچانک ہی تمام صحافیوں نے گویا سوالات کی بوچھاڑ شروع کردی۔ شرما نے انتہائی اطمینان اور سکون کے ساتھ ہر سوال کا جواب دیا۔

صحافیوں نے سوال کیا کہ ندیم سیفی کو گرفتار کیوں نہ کیا گیا، تو شرما نے جواب دیا کہ ندیم ملک سے باہر ہے۔ اس کی بیوی کا آپریشن ہوا ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں اس سے بات کی ہے اور اس نے وطن آکر تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اس کے بعد جب صحافیوں نے ان اداکاروں کے بارے میں پوچھا جو یہ سازش تیار ہوتے وقت وہاں موجود تھے، تو شرما نے کہا، ان سب کو تفتیش کے لیے بلوایا جائے گا۔

اس پریس کانفرنس کو پوری دنیا میں کوریج ملی۔ بااثر افراد سے لے کر گلی محلوں کے نکڑ تک ہر شخص اپنی محفلوں میں اسی پریس کانفرنس کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ اس پریس کانفرنس کے بعد بھارتی فلم انڈسٹری کا ایک نیا اور بھیانک چہرہ دنیا کے سامنے آیا تھا۔ عام فرد یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ یہ لوگ اپنی کامیابیوں کی خاطر انڈر ورلڈ مافیا سے کام کرواتے ہیں!!!۔

ہر شخص اس ڈرامے کے ڈراپ سین کا منتظر تھا۔ فلمی ستاروں کا یہ کردار ان کے پرستاروں کو ایک نظر نہ بھایا اور بڑے بڑے نام اس کی لپیٹ میں آرہے تھے۔ شرما کو اس سلسلے میں کلّی اختیار دیئے جاچکے تھے۔ اس کے بعد بمبئی پولیس ہیڈ کوارٹر میں انتہائی سیکورٹی کے اندر فلمی ستاروں کی ایک بہت بڑی پریڈ شروع ہوگئی۔ بھارت کے کسی پولیس اسٹیشن یا ہیڈ کوارٹر کے ریکارڈ میں ایسی داستانیں رقم نہ ہوئی تھیں، جو کہ بمبئی پولیس ہیڈ کوارٹر کے ریکارڈ کا حصہ بن رہی تھیں۔

سب سے پہلے جس فلمی ستارے کو پولیس ہیڈ کوارٹر بلوایا گیا اس کا نام شاہ رخ خان تھا۔ سیاہ رنگ کی جیکٹ اور ڈینم کی پینٹ میں ملبوس شاہ رخ خان کی پوری پوری کوشش تھی کہ اس کے چہرے سے گھبراہٹ کے آثار نمایاں نہ ہوں۔ خان کو اسسٹنٹ پولیس کمشنر ایل آر راؤ کے کمرے میں لے جایا گیا۔ فربہ جسم کا مالک اے سی پی راؤ اپنی کرسی پر پھولے نہیں سما رہا تھا کہ آج اسے دنیا کے مشہور ترین فلمی ستارے سے یوں بالمشافہ ملاقات کرنے کا موقع مل رہا ہے اور وہ بھی اس انداز سے کہ اسے برتر حیثیت حاصل ہے۔

راؤ نے انتہائی ادب کے ساتھ شاہ رخ خان سے سوالات کئے اور سوالات کا یہ سلسلہ تقریباً ایک گھنٹے تک چلتا رہا، جس کا ایک تحریری مسودہ تیار کرلیا گیا۔ شاہ رخ خان نے اپنے بیان میں اس بات کا اعتراف کیا کہ دبئی میں رہنے والے چند افراد کی جانب سے ایک فنکشن کا اہتمام کیا گیا تھا اور اسے بھی مدعو کیا گیا تھا، اس لیے وہ وہاں گیا تھا۔ البتہ اس نے بتایا کہ منتظمین کو وہ ذاتی طور پر نہیں جانتا تھا اور اسے اس بات کا علم بھی نہیں کہ اس فنکشن کا اہتمام ابو سالم اور انیس ابراہیم نے کیا تھا۔ لیکن جب دبئی پہنچ کر اسے علم ہوا کہ فنکشن کا اہتمام ان لوگوں نے کیا ہے تو اس نے گر کر ٹانگ زخمی ہونے کا بہانہ کردیا اور اس ندیم، شراوان پارٹی میں شرکت نہ کی۔ اس کے بعد شاہ رخ کو وہاں سے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ شاہ رخ خان باہر نکلتا، اسے باہر موجود میڈیا والوں نے گھیرے میں لے لیا۔ شاہ رخ اے سی پی راؤ کے کمرے سے سگریٹ پیتا ہوا باہر آرہا تھا، لیکن پسینوں میں شرابور تھا۔ جب چند صحافیوں نے اچانک ہی قریب آکر شاہ رخ خان سے سوالات پوچھنے کی کوشش کی تو شاہ رخ خان کو غصہ آگیا اور اس نے انہیں ڈانٹ دیا۔ صحافیوں کو شاہ رخ خان سے اس رویے کی ہرگز توقع نہ تھی۔ شاہ رخ خان نے کہا "سوالوں کی بوچھاڑ کرنے سے پہلے اگر مجھے آپ ایک سگریٹ پینے دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی"۔ جب شاہ رخ خان نے میری طرف دیکھا تو پلک جھپکائی۔ میں انتہائی غور سے جائزہ لے رہا تھا کہ شاہ رخ خان پر کپکپی طاری تھی۔ معلوم نہیں کہ یہ کپکپی غصے کی وجہ سے تھی یا پریشانی کی وجہ سے۔ البتہ کسی نہ کسی طرح میڈیا والوں سے بچ بچا کر شاہ رخ اپنی کار تک پہنچا اور وہاں سے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت جانی۔

شاہ رخ خان کے بعد جیکی شروف اور ادیتیہ کو پولیس ہیڈ کوارٹر میں پیش ہونا تھا۔ شاہ رخ خان کے برعکس جیکی شروف نہ میڈیا والوں سے الجھا اور نہ کوئی بدتمیزی کی، بلکہ آرام سے ان کے سوالوں کے جوابات دیئے۔

سلمان خان نے جب میڈیا والوں کا رش دیکھا تو ان کا سامنا کرنے سے بچنے کی خاطر پولیس والوں سے درخواست کی کہ اس کا بیان کسی چھوٹے دفتر میں لے لیا جائے، جہاں میڈیا والوں کو اس کی آمد کی کانوں کان خبر ہی نہ ہو۔ سلمان کی درخواست منظور کرتے ہوئے اسے تفتیش کے لیے بندرا یونٹ بلوایا گیا۔ دیگر اداکاروں کی طرح سلمان خان کو بھی بیانات دینے کے بعد جانے دیا گیا۔

جوائنٹ پولیس کمشنر رنجیت سنگھ شرما نے عوام اور میڈیا کی توپوں کا رخ بڑی خوب صورتی کے ساتھ کرائم برانچ سے ان فلمی ستاروں کی جانب موڑ دیا تھا۔ البتہ طوفان کا یوں تھم جانا عارضی تھا اور شرما کو اس بات کا اندازہ بھی تھا۔ کیونکہ کرائم برانچ کی کارکردگی پر مونگ پھلی بیچنے والے جاوید فواد کی موت ایک سوالیہ نشان کے طور پر جوں کی توں موجود تھی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

پولیس کی تین ٹیموں نے 300 گینگسٹرز کو ٹھکانے لگایا

پولیس کمشنر رونی نے ایڈیشنل کمشنر سیتا پال سنگھ اور پرم بیر سنگھ کی سربراہی میں انکاؤنٹر اسکواڈ ترتیب دیئے۔ انسپکٹر پردیپ شرما۔ پرافل بھوسلے اور وجے سلاسکار نے چھوٹا شکیل۔ راجن اور گاؤلی گینگ کے کئی بڑے شوٹر مار ڈالے۔ پولیس مقابلوں کے بعد انڈرورلڈ میں جوانوں کی بھرتی خاصی کم ہوگئی۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

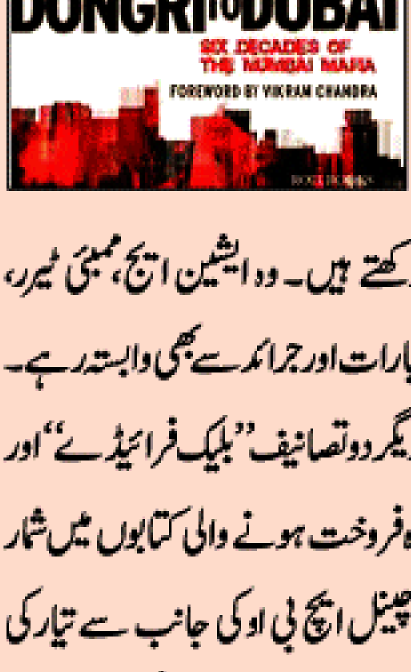

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارد اراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

بمبئی پولیس کے کام کرنے کا انداز دنیا کی تمام پولیس فورسز سے منفرد ہے۔ بڑھتے ہوئے جرائم کو کنٹرول کا ایک طریقہ ان کے پاس پولیس انکاؤنٹر یعنی جعلی پولیس مقابلے ہیں۔ میڈیا اس قسم کے پولیس مقابلوں کو ماورائے عدالت قتل کے نام سے جانتا ہے۔ یعنی پولیس والے جسے زندہ نہ رکھنا چاہیں، اسے پولیس مقابلے میں مار دیا جاتا ہے۔

1982ء سے آج تک سینکڑوں جعلی پولیس مقابلے بمبئی پولیس کے کھاتوں میں دیکھنے کو ملیں گے۔ ہر ماورائے عدالت قتل کے بعد ایک ہی رپورٹ دیکھنے کو ملتی ہے کہ ''پولیس فلاں فلاں جگہ، فلاں شخص کو گرفتار کرنے گئی، پولیس نے اس شخص کو ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا، لیکن اس نے پولیس پر فائرنگ کردی۔ پولیس کی جوابی فائرنگ سے وہ شخص زخمی ہوگیا۔ اس شخص کو فوری طور پر اسپتال پہنچایا گیا لیکن زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ شخص ہلاک ہوگیا''۔

دفعہ 100 تعزیرات ہند کے تحت اگر کسی حملے کی صورت میں حملہ آور ہلاک ہوجائے تو اسے قتل نہ سمجھا جائے گا۔ تمام جعلی پولیس مقابلوں کے بعد پولیس والے اسی دفعہ کا سہارا لیا کرتے تھے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب، کس پولیس والے کے ذہن میں پہلی مرتبہ جعلی پولیس مقابلے کی ترکیب آئی۔ البتہ پولیس کی تاریخ لکھنے والوں نے پولیس کے جعلی مقابلوں کے ارتقائی مراحل کا جائزہ ضرور پیش کیا ہے۔

بمبئی پولیس کی تاریخ کے مطابق، بمبئی پولیس کے ہاتھوں جعلی مقابلے میں ہلاک ہونے والا پہلا شخص منوہر عرف مانیا سوروے تھا۔ اس مقابلے کے بعد سب انسپکٹر ایشاق باگوان پولیس ریکارڈ میں انکاؤنٹر میں پہلی مرتبہ کسی شخص کو ہلاک کرنے کے بعد ہیرو بن گیا۔ اس قتل کو زبردست میڈیا کوریج دی گئی تھی۔ جبکہ اس قتل کے پیچھے پولیس چیف جولیو ربیرو کا دماغ کام کر رہا تھا۔ جس کے بعد اسے پنجاب کے صوبے میں تعینات کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے شرپسندوں سے نمٹنے کے لیے صرف اسی طریقے کو اپنا رکھا تھا۔ بعدازاں خالصتان تحریک سے منسلک سکھوں نے بمبئی کو اپنا بیس کیمپ بنانے کی کوشش کی تو اینٹی ٹیررازم کے چیف، ایڈیشنل پولیس کمشنر آفتاب احمد خان نے سکھ عسکریت پسندوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا۔

پولیس کمشنر رام دیو تیگی نے ان پولیس مقابلوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ اپنے افسران کے ساتھ ہفتہ وار میٹنگوں کے دوران رام دیو انہیں واضح انداز میں ہدایات دیتا تھا کہ جہاں تک ہوسکے ان شرپسندوں کا پیچھا کرو اور ضرورت پڑے تو ''مار دو ان بدمعاشوں کو''۔

نئے پولیس کمشنر سبھاش ملہوترہ نے بھی اس روایت کو آگے بڑھایا، لیکن جاوید فودا کے قتل کے بعد پولیس والے زیر عتاب آئے ہوئے تھے۔ ہائی کورٹ میں ایک کے بعد ایک مقدمہ دائر ہونے لگا۔ ان تمام درخواستوں گزاروں کا ایک ہی موقف تھا کہ پولیس والوں نے جان بوجھ کر ان ملزمان کو گرفتار کرنے کے بجائے قتل کیا۔ پریس چیختا رہا تھا کہ پولیس والوں نے گلی گلی عدالت لگا رکھی ہے، یہ مجرموں کو عدالت نہیں لاتے، بلکہ موقعہ واردات پر خود ہی فیصلہ کرکے انہیں سزائے موت سنا دیتے ہیں۔ بالآخر ہائی کورٹ بھی پولیس والوں پر برس پڑی اور انہیں حکم دیا کہ اپنی پستولیں اپنی کمروں کے ساتھ بندھی رہنے دیں اور مجرموں کو عدالتوں میں پیش کریں۔ پولیس پر اسلحہ چلانے کی پابندی کئی ماہ تک برقرار رہی۔ فودا اور اس کے بعد سادا پاؤلے کے قتل کے خلاف ہائی کورٹ میں دائر کی گئی درخواستوں نے گویا بمبئی پولیس کے جرائم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے عزائم کو لگام دے دی۔ پھر جب 93-1992ء کے درمیان ان متنازعہ پولیس مقابلوں کے لیے ایک عدالتی کمیشن قائم کیا گیا تو پولیس والوں کو خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

سیشن کورٹ جج اولیس اگویار اس سلسلے میں بنائی جانے والی کمیٹی کا سربراہ تھا۔ اگویار اپنی ایمانداری اور غیر جانبداری کی وجہ سے ایک مشہور معروف جج تھا۔ اگویار نے چند ماہ بعد 223 صفحات پر مبنی اپنی رپورٹ پیش کردی۔ اس رپورٹ کے مطابق فودا اور سادا پاؤلے کو جعلی پولیس مقابلوں میں قتل کیا گیا تھا۔ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ پولیس والوں کے بیانات اور حالات و واقعات میں عدم مطابقت پائی جاتی ہے۔ یہ رپورٹ اس قدر تنقیدی تھی کہ اس نے پولیس کے پورے محکمے کو انتہائی پریشانی میں ڈال دیا۔

اسی اثنا میں پولیس کمشنر کی کرسی پر رونی مینڈونکا کو تعینات کردیا گیا۔ رونی ایک ایماندار افسر تھا، پھر اس کے مزاج میں پولیس والوں کی سی سختی بھی نہ تھی۔ اس کے کرسی پر بیٹھتے ہی مختلف تنازعات نے سر اٹھانا شروع کردیا۔ اس نے ندیم سیفی کو گلشن کمار کے قتل کے سلسلے میں بنیادی ملزم کے طور پر نامزد کیا تو مقتدر حلقوں میں بھونچال آگیا کہ نرم خو دکھائی دینے والا یہ افسر ایسا ہرگز نہیں، جیسا دکھائی دیتا ہے۔

پولیس کمشنر رونی، پولیس کے روایتی طریقہ کار بالخصوص جعلی پولیس مقابلوں پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اس نے کئی ماہ ایم پی ڈی اے قوانین یعنی خطرناک لوگوں کی بابت مہاراشٹر کے خصوصی قانون کا اطلاق بمبئی میں بھی کیا۔ 1995ء تک بدنام زمانہ ٹاڈا جیسے قوانین کا بھی خاتمہ کردیا گیا تھا، جس کی وجہ سے جرائم پیشہ افراد ایک مرتبہ پھر دیدہ دلیر ہوتے جا رہے تھے۔

1998ء میں سب سے زیادہ قتل ریکارڈ پر لائے گئے۔ انڈرورلڈ آپریشنوں کی وجہ سے سو سے زائد افراد کو قتل اور شدید زخمی کیا گیا تھا۔ کھلے عام فائرنگ کے واقعات بہت عام ہوچکے تھے، جن میں عوام اپنی قیمتی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ ہر تیسرے دن پولیس کے ریکارڈ میں فائرنگ کا ایک واقعہ درج کیا جاتا تھا۔ اس دوران پولیس کا مورال تاریخ کی کم ترین سطح کو چھو رہا تھا۔ محکمہ پولیس پر انسانی حقوق کی تنظیموں، عدالتوں، میڈیا اور عوام کی جانب سے لعن طعن کا سلسلہ جاری تھا۔ پولیس کے خلاف جعلی مقابلوں کا معاملہ اگویار کی رپورٹ کے بعد سے مزید زور پکڑ چکا تھا۔

پولیس والوں کو اندازہ تھا کہ اب کچھ کر دکھانے کا وقت ہے۔ وہ کسی طور برداشت نہ کرسکتے تھے کہ چند گینگسٹرز کے ہاتھوں انہیں پورے شہر میں اس طرح سے رسوا کیا جائے۔ کمشنر رونی کی سروس تین دہائیوں پر محیط تھی، لیکن اسے کبھی ایسے حالات سے پالا نہ پڑا تھا۔ ایک جانب میڈیا والے دھواں دھار رپورٹیں پیش کر رہے تھے، تو دوسری جانب بمبئی منتریالہ میں بیٹھے سیاسی پنڈت صبر کا دامن چھوڑنے لگے تھے۔

پھر اچانک کچھ ایسا ہوا، جس کی توقع کسی کو بھی نہ تھی۔ ہائی کورٹ کے ڈویژن بینچ نے اگویار رپورٹ کو مسترد کرتے ہوئے پولیس مقابلے کو جعلی ماننے سے انکار کردیا۔ بمبئی ہائی کورٹ کا فیصلہ آنا تھا کہ ایک مرتبہ پھر سے بمبئی پولیس کا مورال آسمانوں کو چھونے لگا اور پولیس کے محکمے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اب وہ صرف اتنا چاہتے تھے کہ اعلیٰ حکام انہیں کوئی حکمت عملی وضع کرکے دیں، تاکہ وہ پوری قوت کے ساتھ انڈرورلڈ مافیا سے ٹکرا سکیں۔

پولیس کمشنر رونی نے اپنے دھیمے لہجے اور مزاج کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔ رونی نے ایک ریٹائرڈ فوجی کرنل مہیندر راپرتاپ چوہدری کی خدمات حاصل کرلیں کہ انڈرورلڈ مافیا کے شوٹروں سے نمٹنے کے لیے پولیس والوں کو خصوصی تربیت دی جائے۔ اس کے بعد اس نے ایک دن پریس کانفرنس کرکے انڈرورلڈ کو واضح پیغام دے دیا کہ آج کے بعد انہیں گولی کے بدلے گولی کی توقع کرنی چاہئے۔ رونی نے انڈرورلڈ کے خلاف دو قسم کا محاذ کھولا۔ ایک جانب تو یہ محاذ نفسیاتی تھا، جبکہ دوسری جانب خفیہ آپریشنوں کی تیاری کی جارہی تھی۔ پریس رپورٹوں میں اس بات کو سرخیوں میں پیش کیا گیا کہ پولیس کمشنر رونی نے گینگسٹرز سے ان کی زبان میں بات کرنے کا عزم کرلیا۔

رونی نے گولی کے بدلے گولی کی پالیسی انتہائی سنگین حالات کے تحت بنائی تھی۔ کیونکہ اب بھی اگر پولیس والوں کے بندھے ہاتھ نہ کھولے جاتے تو ان کا مورال اتنا گر جاتا کہ پھر کبھی نہ اٹھ پاتا۔ ابتدا میں کرنل ایم پی چوہدری کو 100 افراد کی نفری دی گئی تھی، جنہیں گھاٹ کوپار ٹریننگ سینٹر میں اسٹریٹ فائٹ اور بارود کی اسپیشل ٹریننگ دی جارہی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ انہیں گوریلا تربیت بھی دی جارہی تھی۔ ان پولیس کمانڈوز کو انسداد بھتہ خوری سیل میں کام کرنا تھا۔ ایک بنیادی سیل کے علاوہ کرائم برانچز میں ایڈیشنل کمشنروں کے تحت مزید چار سیل قائم کیے جانے تھے۔ پولیس کے خفیہ آپریشنوں کو انتہائی جارحانہ انداز میں ترتیب دیا جارہا تھا۔ ایڈیشنل کمشنر پولیس ڈاکٹر سیتا پال سنگھ اور پرم بیر سنگھ کو یہ ٹارگٹ دیا گیا تھا کہ پورے شہر کو انڈرورلڈ مافیا سے پاک کرنا ہے۔ دونوں سنگھ حضرات مافیا کے خلاف جنگ میں انتہائی پرعزم دکھائی دیتے تھے۔

دونوں افسران نے تین ان کاؤنٹر اسکواڈ ترتیب دیئے۔ ان اسکواڈ کے سربراہ انتہائی مستعد اور جرأت مند افسران کو بنایا گیا تھا، جن میں انسپکٹر پردیپ شرما، پرافل بھوسلے اور وجے سلاسکار شامل تھے۔ یہ تینوں افسران 1983ء کے ایک ہی بیچ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کاؤنٹر میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ علاوہ ازیں ان افسران نے شہر میں ایک بہترین انٹیلی جنس نیٹ ورک بھی بنا رکھا تھا۔ چھوٹا شکیل اور ارون گاؤلی پولیس کے اہم ٹارگٹ تھے۔ سلاسکار اور بھوسلے ارون گاؤلی کے تعاقب میں تھے اور شرما نے چھوٹا شکیل کے گینگ کو سنبھالنا تھا۔ ان تینوں نے مل کر اب تک 300 سے زائد گینگسٹروں کا ان کاؤنٹر کردیا تھا جس میں سب سے زیادہ حصہ پردیپ شرما کا تھا جس کے ہاتھوں 110 گینگسٹر مارے گئے تھے۔ دوسری جانب بھوسلے نے ارون گاؤلی اور چھوٹا راجن گینگ کے 90 سے زائد گینگسٹروں کو قتل کیا تھا۔ تیسری جانب سلاسکار نے سب سے کم یعنی 60 گینگسٹروں کا ان کاؤنٹر کیا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ اس نے ارون گاؤلی کی قوت کو تقریباً ختم ہی کردیا تھا۔ گاؤلی گینگ کے تمام بڑے بڑے شوٹر سلاسکار کے ہاتھوں مارے جاچکے تھے۔ اعلیٰ حکام کا خیال تھا کہ یہ ان کاؤنٹر انڈرورلڈ کے سدباب میں انتہائی اہم کردار ادا کریں گے۔ پورا شہر پولیس اور انڈرورلڈ کے خلاف چھڑ جانے والی جنگ کی لپیٹ میں تھا۔ البتہ دوسری جانب انتہائی بے روزگاری نے انڈرورلڈ مافیا کو افرادی قوت فراہم کرنا نہیں چھوڑی تھی۔ کوئی بھی بے روزگار نوجوان 5000 سے لے کر 25000 تک کا معاوضہ انڈرورلڈ میں باآسانی حاصل کرسکتا تھا۔ تاہم ان پولیس مقابلوں نے انڈرورلڈ میں جانے والے نوجوانوں پر یہ بات واضح کردی تھی کہ انڈرورلڈ ایک بند گلی ہے، جہاں جانے کا راستہ تو ہے لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ انہیں اندازہ تھا کہ انڈرورلڈ میں جانے کے بعد ایک نہ ایک دن انہیں دردناک موت کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا۔ ان پولیس مقابلوں کے بعد انڈرورلڈ میں جوانوں کی بھرتی ختم تو نہ ہوئی، البتہ اس میں خاطر خواہ کمی ضرور آگئی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

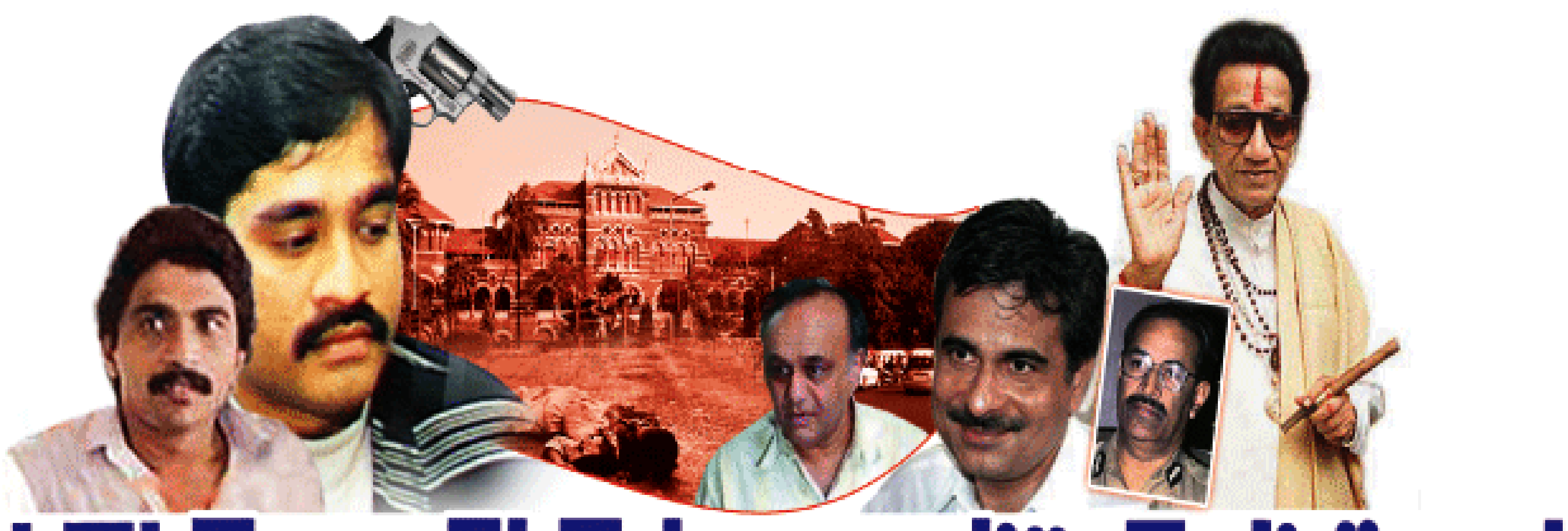

ارب پتی تاجر کے قتل پر چھوٹا شکیل کو ٹریس کر لیا گیا

بھرت شا کو بمبئی پولیس ہیڈ کوارٹر کے سامنے مارا گیا تھا۔ کمشنر رونی کی کرسی بال ٹھاکرے کی پشت پناہی سے بچ گئی۔ اسسٹنٹ کمشنر پردیپ ساونت فون کالوں کے ذریعے شوٹرز علی کنجا اور یوسف شیخ کو گرفتار کرنے میں کامیاب رہا۔ چھوٹا شکیل کی موبائل سم نمبر سے معلومات کا خزانہ ہاتھ لگ گیا تھا۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

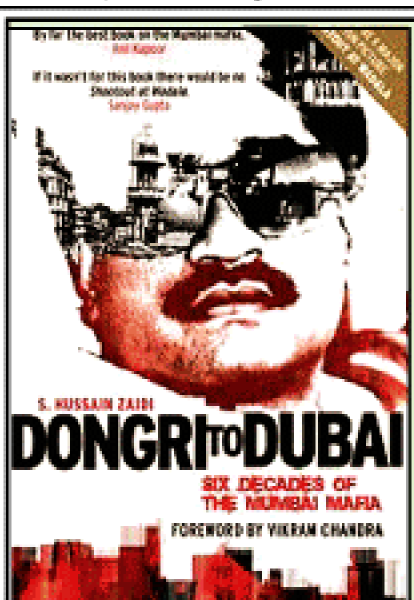

''ڈونگری سے دبئ'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئ'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئ سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

1896ء میں برطانوی حکومت نے بمبئی پولیس کمشنر کے دفتر کو موجودہ خوب صورت عمارت میں منتقل کر دیا تھا۔ بمبئی شہر جوں جوں ترقی کرتا گیا، پولیس کمشنر کا دفتر کاروباری عمارتوں سے گھرتا چلا گیا۔ موہتا مارکیٹ، لوہار چاؤل، منیش مارکیٹ، دیوا بازار یہاں کے اہم کاروباری مراکز ہیں، جہاں ہر وقت خریداروں کا رش لگا رہتا ہے۔ یہاں کاروبار کرنے والوں کو پولیس ہیڈ کوارٹر کے پڑوسی ہونے کا اطمینان رہتا ہے۔ لیکن یہ جگہ بھی ان لوگوں کی دسترس سے باہر نہ رہ سکی، جو نمبر دو کاروبار پروان چڑھانا چاہتے تھے۔ انہی میں منشیات کا کاروبار کرنے والا اقبال میمن عرف اقبال مرچی بھی شامل تھا۔ اقبال مرچی نے پولیس ہیڈ کوارٹر کے سامنے دکانوں کی پوری ایک لڑی خرید رکھی تھی۔ اسی پولیس ہیڈ کوارٹر کے پاس داؤد ابراہیم گینگ کے افراد نے زمین قبضہ کر کے ایک عمارت بھی تعمیر کر رکھی تھی، جس کی خبر اب تک پولیس والوں کو نہیں ہو پائی تھی۔ اس کا نام 'سارا، سہارا شاپنگ سینٹر' تھا۔ اس ماحول نے آنے والے دنوں میں پولیس کے لیے انتہائی شرمندگی کا باعث بننا تھا۔

سب سے پہلے نیلی شرٹ پہنے ہوئے ایک شوٹر نمودار ہوا۔ اس نے اپنی جگہ کا انتخاب کیا اور پبلک ٹیلی فون بوتھ کی جانب چلا گیا۔ شوٹر نے اپنا موبائل فون اٹھایا اور چھوٹا شکیل کو فون ملایا۔ دوسری جانب سے آواز آئی کہ ابھی وہیں ٹھہر کر مزید ہدایات کا انتظار کیا جائے۔ پہلے شوٹر نے کچھ فاصلے پر کھڑے دوسرے شوٹر کی جانب دیکھ کر سر ہلایا، جس کے بعد وہ بھی تیزی سے ٹیلی فون بوتھ کی جانب چلا آیا۔

بھرت شا کا شمار شہر کے بڑے تاجروں میں ہوا کرتا تھا۔ شہر میں کئی ڈیپارٹمنٹل اسٹور اس کی ملکیت میں تھے۔ کچھ دن سے مافیا کے لوگ اسے مسلسل پریشان کر رہے تھے۔ 8 اکتوبر 1998ء کو اسے ایک نمبر دیا گیا کہ اس نمبر پر کال کرے۔ اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ اپنا کاروبار چھوڑ کر ٹیلی فون بوتھ کی جانب جائے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بالآخر اسے جانا پڑا اور وہاں پہنچ کر اس نے نمبر ملا دیا۔ وہ کچھ گھبرائے ہوئے انداز سے باتیں کر رہا تھا۔ بات چیت کے دوران ہی اسے کچھ غصہ سا آ گیا اور اس نے فون بند کر دیا۔ بھرت شا بوتھ پر فون کی ادائیگی کر رہا تھا کہ اسی دوران ایک شوٹر کو کال موصول ہوئی۔ ''ٹپکا دو''۔ اس کے بعد پہلے شوٹر نے دوسرے شوٹر کی جانب دیکھا اور اپنی انگلیوں سے شہ رگ کی جانب اس انداز سے اشارہ کیا، جیسے چھری پھیرتے ہیں۔

دوسرے شوٹر نے قتل کا اشارہ پاتے ہی تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی، اپنی شرٹ کے نیچے سے آٹومیٹک پستول نکالا اور بھرت شا کی جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ بھرت شا فون بوتھ سے فٹ پاتھ پر آیا ہی تھا کہ شوٹر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ یہ دیکھ کر بھی شا نے اسے کچھ یوں حقارت سے دیکھا جیسے وہ اس علاقے میں محفوظ ہے۔ لیکن جیسے ہی شوٹر نے اس پر فائرنگ کی، اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کی کیفیت عیاں تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ عین پولیس ہیڈ کوارٹر کے سامنے اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ کچھ ہی دیر میں شا کا بے جان جسم فٹ پاتھ پر پڑا تھا۔

اس کے بعد دونوں شوٹر، موٹر سائیکل پر سوار ہو کر جائے وقوعہ سے فرار ہو گئے۔ کرافورڈ مارکیٹ کے چوک پر ان کی موٹر سائیکل گاڑیوں کی بھیڑ میں کہیں گم ہو گئی۔ اس کے بعد ان دونوں شوٹروں پر نظر رکھے ہوئے دو مزید شوٹر نمودار ہوئے اور انہوں نے فون کر کے اطلاع دی ''بھائی شا کا کام تمام ہو گیا ہے''۔ بمبئی کے ارب پتی سیٹھ کو عین پولیس ہیڈ کوارٹر کے سامنے دن دہاڑے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس قتل سے پورے شہر میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ دوسری جانب اس قتل نے بمبئی پولیس کی عزت خاک میں ملا دی۔ پولیس ہیڈ کوارٹر کی رہی سہی عزت بھی جاتی رہی۔

ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے 27 ویں پولیس کمشنر رونی مینڈونکا کو چاروں اطراف سے لعن طعن کا سامنا تھا۔ اس سے پہلے گلشن کمار قتل کی وجہ سے سبھاش ملہوترہ کا کیریئر خاک میں مل چکا تھا۔ اس واقعے کے بعد رونی کا جانا بھی یقینی تھا۔ لیکن شیو سینا، بی جے پی کے رہنما بال ٹھاکرے کی پشت پناہی کی وجہ سے اس کی کرسی اس مرتبہ بچ گئی۔ لیکن ایک پولیس افسر ایسا بھی تھا، جس نے اس حملے کو اپنی ذات پر حملہ تصور کیا تھا۔ یہ اسسٹنٹ کمشنر پولس پردیپ ساونت تھا، جو ایک جوشیلا اور ذہین پولیس افسر تھا۔ پردیپ نے پولیس فورس میں انڈین پولیس سروسز (آئی پی ایس) کے بجائے مہاراشٹر پولیس سروس کمیشن (ایم پی ایس سی) کے ذریعے شمولیت اختیار کی تھی، اس لیے دیگر افسران اسے خود سے کمتر سمجھتے تھے۔ لیکن اپنی محنت، لگن اور ذہانت سے اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ کسی سے کم نہیں ہے۔ اس نے بائیکولہ میں بہت سی مشہور کارروائیاں کر کے جرائم کے نیٹ ورک کو توڑا تھا۔ بہت سے کرائم برانچ ڈپٹی کمشنروں کے برعکس پردیپ نے اس عہدے تک میرٹ پر ترقی پائی تھی۔

پردیپ کی قسمت کرائم برانچ میں اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ اسے کوئی اسائنمنٹ مل جانے کے بعد مافیا کے لوگوں میں بے چینی سی پھیل جایا کرتی تھی کہ اب ضرور کچھ نہ کچھ ہو گا۔ انہیں پتہ تھا کہ اگر پردیپ ساونت کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تو جان سے گئے یا کم از کم اپاہج تو ہوئے ہی ہوئے۔ مافیا کے دل میں اس کا خوف براجمان تھا۔ ساونت کو بھرت شا قتل پر شدید ملال اور غصہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس قتل کے جواب میں مافیا کو ایسا جواب دے کہ انہیں ہمیشہ کے لیے سبق مل جائے۔ تاہم ساونت کو اس بات کا اندازہ بھی تھا کہ مافیا کے لوگوں کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں، پھر وہ کسی قانون کے پابند بھی نہیں تھے۔ جبکہ کرائم برانچ پر کئی قوانین کا اطلاق ہوتا تھا۔ اسے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

ساونت کو تفتیش کے دوران پتہ چلا کہ بھرت شا کو چھوٹا شکیل کی جانب سے فون کال موصول ہوئی تھی اور اسے دوبارہ کال کرنے کو بھی کہا گیا تھا۔ شا کے چھوٹا شکیل کے ساتھ بات کرنے کے بعد چھوٹا شکیل اور شوٹروں کے مابین کئی فون کالوں کا تبادلہ بھی ہوا۔ بالآخر ایک مختصر سی فون کال میں یہ پیغام دے دیا گیا کہ بھرت شا کا قتل کر دیا جائے۔ بھرت شا کو پہلی کال موصول ہونے سے پہلی گولی لگنے تک تقریباً ایک گھنٹے کا وقت صرف ہوا تھا۔ اگر یہ گفتگو اس دوران کرائم برانچ والے سن لیتے تو اس قتل کو روکا جا سکتا تھا۔ نہ تو ساونت ٹیکنیکل افسر تھا اور نہ ہی پوری کرائم برانچ میں کوئی دوسرا افسر ایسا تھا جو جدید ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھا سکتا۔ جب بات جدید ٹیکنالوجی کی آئے تو بمبئی پولیس زمانہ قدیم کی پولیس معلوم ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں صرف ایک مثال ملتی ہے جب پولیس نے مافیا کو ٹیکنالوجی کا استعمال کر کے مات دی۔ 1995ء میں ارون گاؤلی کے کارندوں نے بال ٹھاکرے کے لے پالک بیٹے جے انت جدھیو کو قتل کر دیا تھا۔ یہ قتل پربھا دیوی میں کیا گیا تھا۔ سٹی پولیس کو کچھ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ جدھیو کو کس نے اور کیوں مارا ہے؟ ماسوائے اس کہ کے ایک بچے نے شوٹر کو قتل کے بعد کسی کو موبائل فون پر قتل کے بارے میں اطلاع دیتے دیکھا تھا۔ ایڈیشنل کمشنر پولیس سری دھر واگل ایک انجینئر بھی تھا۔ اس نے موبائل کمپنی سے اس فون کال کے بارے میں رابطہ کر کے قتل کا سراغ لگایا۔ میکس ٹچ کمپنی نے اس علاقے کے سگنلز سے اس کال کا پتہ لگا کر پولیس والوں کو مطلوبہ کال کے بارے میں خبر دی تھی۔ پولیس والوں نے اس موبائل سم کے بارے میں تفتیش کی تو پتہ چلا کہ دگدی چاؤل کے کسی رہائشی کے نام پر وہ سم رجسٹرڈ تھی۔ اس طرح سے ایک افسر کی ذرا سی حاضر دماغی سے اس قتل کا سراغ مل پایا۔ ساونت کوئی انجینئر نہ تھا۔ اس نے کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ فون سروس فراہم کرنے والی کمپنیوں کے افراد کو کرائم برانچ بلا لیا۔ اب تک پولیس والے فون کال کو ٹیپ کرنے کے لیے وہی روایتی طریقے استعمال کر رہے تھے۔ سونے پر سہاگہ، تعزیرات ہند میں ٹیپ کو بطور شواہد ماننے کے سلسلے میں کوئی خاص قوانین بھی موجود نہ تھے، ماسوائے ٹیلی گراف ایکٹ 1885ء کے، جسے بعد میں ترمیم کر کے انڈین ٹیلی گراف ایکٹ 1975ء بنا دیا گیا۔ اس طریقہ کار کے مطابق اگر کسی پولیس افسر کو کوئی فون ٹیپ کرنا ہوتا تو وہ اپنے سینئر افسر سے اس کی اجازت طلب کرتا جو کہ کم از کم ایڈیشنل کمشنر پولیس ہوتا۔ متعلقہ ایڈیشنل کمشنر پولیس چیف سے رابطہ کرتا اور اس کے بعد اس ٹیپ کے لیے ہوم ڈیپارٹمنٹ سے منظوری ملتی۔ اس دوران کبھی کبھار تو ٹیپ کرنے کا عمل بالکل بے کار ہو کر رہ جاتا تھا۔ ساونت کو اندازہ ہوا کہ ضابطے سے ہٹ کر کسی کال کو ٹیپ کرنا کچھ بڑا کام نہیں۔ کار میں بیٹھ کر کوئی بھی بریف کیس کے سائز کے آلے گزمو (gizmo) کی مدد سے یہ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد ایک سافٹ ویئر کی مدد سے کی گئی باتوں سے کوئی گفتگو ترتیب دی جا سکتی تھی۔ لیکن پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ابھی تک کسی کو اس قسم کی تربیت حاصل نہ تھی۔ بمبئی پولیس کے لیے ایسی گفتگو جس میں داؤد ابراہیم، چھوٹا شکیل، پیسہ، وصولی، گھوڑا یا ایسے ہی دیگر الفاظ شامل ہوں، انتہائی اہم تھی۔ لیکن روایتی طریقوں سے آشنا بمبئی پولیس کال ریکارڈ کرنے کے اس جدید طریقے سے بالکل نابلد تھی۔ البتہ بمبئی پولیس کا ایک گروہ جو کہ جعلی پولیس مقابلوں میں بدنام بھی تھا، نے کسی نہ کسی طرح بھرت شا قتل کا سراغ لگا لیا۔ ان لوگوں نے اس موبائل ٹاور کا پتہ لگا لیا جس سے یہ فون کال بھیجی گئی تھی۔ جب ساونت کی ملاقات میکس ٹچ اور بی پی ایل کے اعلیٰ عہدیداروں سے ہوئی تو اسے اندازہ ہوا کہ اس کی محنت رنگ لے آئی۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ لوگ کوئی بھی فون کال کہیں سے بھی جیسے چاہیں ٹیپ کر سکتے ہیں۔ اس وقت تک کرائم برانچ کا وہ انٹیلی جنس ونگ جو کہ مخبروں پر مشتمل تھا کافی مضبوط تھا۔ دوران تفتیش پولیس والوں کو اتنا تو پتہ لگ گیا کہ بھرت شا کا قتل کسی اور نے نہیں بلکہ چھوٹا شکیل کے اشارے پر ہی کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کا خدشہ بھی ظاہر کیا گیا کہ اس قتل میں اس کے دو ساتھی علی کنجاری اور یوسف شیخ ملوث ہو سکتے ہیں۔ ضروری اجازت حاصل کر لینے کے بعد ضروری فون کالوں کو ٹیپ کرنا شروع کر دیا گیا۔ بہت ہی جلد انہوں نے کنجاری اور شیخ کو بھرت شا کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ یہ مقدمہ ان کی عزت بحال کرنے کے لیے انتہائی اہم تھا۔ پولیس والوں نے چھوٹا شکیل کی موبائل سم نمبر کا بھی پتہ لگا لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اب چھوٹا شکیل کی جانب سے کی جانے والی تمام گفتگو وہ باآسانی سن سکیں گے۔ چھوٹا شکیل کی سم نمبر کا پولیس والوں کے ہاتھ آنا گویا معلومات کا ایک خزانہ ان کے ہاتھ لگنا تھا۔ چھوٹا شکیل کی گفتگو سے انہیں نہایت ہی اہم باتوں کا پتہ چلا کہ کن کن سیاست دانوں، اعلیٰ پولیس افسران، صحافیوں اور سب سے بڑھ کر بالی ووڈ کے فلمی ستاروں سے اس کے روابط قائم ہیں۔ ان فلمی ستاروں میں بالی ووڈ پر راج کرنے والے خانز بھی شامل پائے گئے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

قسط نمبر 52

ترجمہ: عبدالقادر

PdfStuff.blogspot.com

چھوٹا شکیل کے کارندوں نے چھوٹا راجن کو شدید زخمی کردیا

بھارتی انٹیلی جنس- بیوی سجاتا اور چند قریبی ساتھیوں کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا، راجن کہاں ہے- لیکن شکیل نے اسے ڈھونڈ نکالا- بمبئی سے منا جھگندر کی سربراہی میں چھ منجھے ہوئے شوٹرز بنکاک بھیجے گئے- بہترین منصوبہ بندی کے باوجود راجن پیٹ پر گولی کھا کر فرار ہونے میں کامیاب رہا- اس کا دایاں بازو روہیت مارا گیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

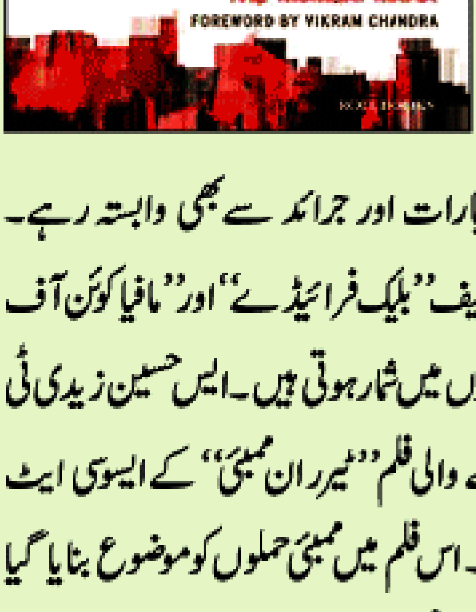

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈ ڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارو اراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

چھوٹا راجن مافیا کی دنیا میں وہ منفرد مثال ہے، جو کہ اپنی جان بچانے کے لیے کامیابی کے ساتھ چھ سال تک پناہ گاہیں بدلتا رہا۔ لیکن اسے کہیں بھی سکون میسر نہ آیا۔ اس دوران اس کے پاس کبھی بھی پیسے اور وسائل کی کمی نہیں رہی تھی۔ اسے بھارتی انٹیلی جنس بیورو کی خفیہ مدد بھی ہمیشہ حاصل رہی۔ لیکن اس کے دشمن کی عقابی نگاہیں، بھارتی انٹیلی جنس سے بھی زیادہ تیز نکلیں۔

راجن نے کئی برس ملائیشیا کے ساحلی شہر کوالالمپور میں سمندر گردی کرتے گزار دیئے۔ اس کا زیادہ تر وقت سمندر کے بیچوں بیچ بوٹ پر گزرتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ شہر کے اندر عمارتوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کبھی بھی، کوئی بھی، کہیں سے آسکتا ہے۔ کھلے سمندر میں کم از کم آتے ہوئے دشمن کو دیکھ کر خود کو سنبھالا تو جا سکتا تھا اور مقابلے کی تیاری بھی کی جا سکتی تھی۔

راجن خود کو جنوب مشرقی ممالک میں زیادہ محفوظ سمجھتا تھا۔ اسے بھارت کی جانب سے مختلف پاسپورٹ فراہم کیے گئے تھے، جن کی مدد سے وہ ملائیشیا، کمبوڈیا اور انڈونیشیا کے مختلف شہروں میں باآسانی آ، جا سکتا تھا۔ بالآخر راجن کے ذہن میں یہ بات آئی کہ تھائی لینڈ اس کے لیے ایک محفوظ مقام ثابت ہو سکتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تھائی لینڈ دیگر ممالک کے مقابلے میں بھارت سے زیادہ دیرینہ تعلقات رکھتا ہے۔ تھائی لینڈ میں رہائش اختیار کرنے کے لیے چھوٹا راجن کو ''وجے رامن'' کے فرضی نام سے ایک پاسپورٹ بھی جاری کر دیا گیا تھا۔ یہ پاسپورٹ چنائے سے جاری کردہ تھا۔ راجن نے بنکاک کے علاقے چرن کورٹ میں سوکھوموتسوئی کے پڑوس، اسٹریٹ 26 میں ایک لگژری گھر کرائے پر لے لیا۔

اس کا خیال تھا کہ علیحدہ سے کوئی خوبصورت بنگلہ وغیرہ لینا، اسے وہاں خطرے میں ڈال سکتا ہے، اس لیے اس نے ایسی جگہ مکان لیا جہاں اسے تلاش کرنا آسان نہ تھا۔ یہ ایک سنگل اسٹوری گھر تھا، جس کے سامنے ایک مضبوط فولادی دروازہ لگا ہوا تھا اور چوبیس گھنٹے چوکس گارڈز ڈیوٹی پر تعینات تھے۔ راجن کی موجودہ رہائش کے بارے میں اس کے چند انتہائی قریبی ساتھیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ انہی افراد میں اس کا دایاں بازو روہیت ورما بھی شامل تھا۔ روہیت ورما ایک فرضی نام ''مائیکل ڈی سوزا'' کے تحت رہ رہا تھا۔

راجن کو رفتہ رفتہ بنکاک کی بے نام زندگی محفوظ محسوس ہونے لگی۔ وہ تھائی لینڈ کے قرب و جوار میں کچھ آزادی کے ساتھ گھومنے بھی لگا تھا، تاکہ کوئی نہ کوئی کاروبار شروع کر سکے اور اس ملک میں اپنی رہائش کو قانونی رنگ بھی دے سکے۔ البتہ انٹیلی جنس بیورو کے ایک افسر کے مشورے پر راجن نے اب تک تھائی لینڈ کی موبائل سم حاصل نہیں کی تھی۔ وہ اب تک ملائیشیا کی سم ہی استعمال کر رہا تھا۔ تاہم اس نے تھائی لینڈ میں اپنے لیے ایک متبادل لاجسٹک اور سپورٹ سسٹم بنا لیا تھا۔ اس نے وہاں سے حوالہ کا ایک سسٹم بنایا اور بذریعہ ایجنسی، بھارت میں موجود اس کے روابط بھی بحال کر دیئے گئے۔ اسے وہاں سے ہدایات بھی موصول ہونا شروع ہو چکی تھیں کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ اسے یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ کن گینگسٹرز سے اس نے رابطہ نہیں کرنا ہے۔ اب انڈین مافیا انٹرنیشنل بن چکی تھی۔ ایک بیس کیمپ دبئی میں اور دوسرا تھائی لینڈ میں تھا۔

چھوٹا راجن نے بنکاک میں مافیا کے سرگرم لوگوں کے بارے میں اہم معلومات اکٹھی کر لی تھیں۔ لیکن ابھی تک ان سے مل کر کام کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بنکاک کی مافیا کو دنیا کی خطرناک ترین مافیاؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔ چھوٹا راجن نے نہ تو ان لوگوں کو کام کی کوئی آفر کی اور نہ ہی وہ کچھ ایسا کرنا چاہتا تھا، جس کی وجہ سے بنکاک میں اس کا قیام مشکل میں پڑ جائے۔ لیکن راجن کا امن و سکون بنکاک میں عارضی ثابت ہوا۔ ایک دن اس کے محافظوں نے اسے خبردار کیا کہ اسے اپنے گھر سے ہرگز باہر نہیں نکلنا۔ اس کے علاوہ اسے متنبہ کر دیا گیا تھا کہ اگر ضرورت پڑے تو آس پاس کے علاوہ کہیں دور جانے کی کوشش نہ کرے اور ملک چھوڑنا تو اس کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ جب راجن کو اطلاع ملی کہ چھوٹا شکیل کے کارندے اس کی بو سونگھتے سونگھتے یہاں بھی پہنچ گئے ہیں تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ راجن کے بنکاک منتقل ہونے کے بارے میں اس کی بیوی سجاتا اور انتہائی بااعتماد ساتھیوں کے سوا کسی کو خبر نہ تھی۔ اس نے تو اپنا ملائیشیا کا موبائل فون نمبر تک نہیں بدلا تھا۔ لیکن اسے اطلاع دینے والے بھارتی ایجنسی کے آدمی نے انتہائی سنجیدگی سے اطلاع دی تھی کہ 8 سے 10 افراد گزشتہ کئی ماہ سے اس کا پتہ پوچھتے پھر رہے تھے۔ راجن کو بتا دیا گیا تھا کہ ذرا سی لاپروائی اس کی جان کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔

راجن اور ورما انتہائی الرٹ ہو چکے تھے۔ انہوں نے سوکھوموتسوئی میں ہر مشکوک فرد پر نظر رکھنا شروع کر دی۔ انسان کی عادت ہے کہ جب کوئی خطرہ تازہ تازہ پیش آنے لگے تو انتہائی مستعدی کا مظاہرہ کرتا ہے، لیکن پھر آہستہ آہستہ ڈھیلا پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ دن گزرتے گئے اور ایسا کچھ نہ ہوا جس کی توقع کی جا رہی تھی۔ لہٰذا راجن اور ورما بھی مطمئن ہو گئے۔ بلکہ اس کے بعد بھی جب کبھی راجن کو گھر کے باہر مشکوک افراد کی نقل و حمل کی اطلاع دی گئی، تو اس نے اسے سنجیدگی سے نہ لیا۔ بلکہ یہی سمجھتا رہا کہ انٹیلی جنس والوں کا نیٹ ورک ناقص ہے اور وہ لوگ اِدھر اُدھر کی خبریں دے کر اسے خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں۔

چھوٹا راجن کو چاہئے تھا کہ معاملات کو اتنا آسان نہ لے، کیونکہ وہ مافیا کے کام کرنے کے طریقوں سے بذات خود اچھی طرح واقف تھا۔ اگر کسی بڑے کا قتل کرنا ہو تو کبھی کبھی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا تھا۔ کبھی تو اس سلسلے میں ناکامی سے بچنے کے لیے برسوں انتظار بھی کرنا پڑتا ہے۔ سابقہ فرانسیسی صدر چارلس ڈی گال اور لیبیا کے معمر قذافی اس قسم کے تیس سے زائد قاتلانہ حملوں میں بال بال بچے۔ فیڈرل کاسترو پر اسی قسم کے حملے خود اس کے اپنے رشتہ داروں کے ذریعے کرائے گئے۔ ان واقعات میں قاتلوں نے بڑے ہی محتاط انداز سے صبر کے ساتھ حملوں کی منصوبہ بندی کی اور اس کے باوجود بھی ناکام رہے۔

جہاں تک چھوٹا راجن کا تعلق ہے، چھوٹا شکیل اسے کامیابی کے ساتھ راستے سے ہٹانے کے لیے گزشتہ چھ ماہ سے کام کر رہا تھا۔ چھوٹا شکیل کے کارندے ہر اس جگہ گئے جہاں چھوٹا راجن مل سکتا تھا۔ آسٹریلیا سے ملائشیا اور ہانگ کانگ سے بنکاک، چھوٹا شکیل نے چپہ چپہ راجن کی تلاش میں چھان مارا تھا، لیکن وہ ہر جگہ سے خالی ہاتھ لوٹے تھے۔ تاہم جہاں سے لوٹتے ایک خبر انہیں ضرور ملتی کہ چھوٹا راجن اور روہیت ورما کٹھے ہیں اور اب یہ جگہ چھوڑ کر جا چکے ہیں۔

PdfStuff.blogspot.com

یہ بات کبھی کسی کو معلوم نہ ہو سکی کہ چھوٹا شکیل کس طرح چھوٹا راجن کا تعاقب کرتے کرتے ہر جگہ پہنچ جایا کرتا تھا۔ بالآخر اس کام پر مامور کارندوں کو خوش قسمتی سے روہیت ورما کا پتہ مل گیا۔ بعد میں ایک مرتبہ انٹرویو دیتے ہوئے چھوٹا راجن نے کہا تھا کہ اسے روہیت ورما پر شک ہونے لگا تھا کہ وہ اسے راستے سے ہٹا کر خود ڈان بننے کے خواب دیکھ رہا ہے اور شاید اسی لیے وہ داؤد ابراہیم کے کارندوں کو معلومات فراہم کر رہا ہے۔ بالآخر جب ان لوگوں کا پتہ ہاتھ لگ گیا تو بمبئی سے منا جھگندر کی سربراہی میں چھ منجھے ہوئے شوٹروں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ انہوں نے راجن کو قتل کرنا ہے۔

جھگندر بمبئی سے کھٹمنڈو گیا اور چھوٹا شکیل سے ملا۔ وہاں اسے پورے منصوبے سے آگاہ کیا گیا کہ اسے کہاں جانا ہے، کس سے ملنا ہے، ہتھیار کہاں سے ملیں گے، فرار ہونے کے کون کون سے راستے ہیں اور رقوم کی وصولی آپریشن کے دوران اور آپریشن کے بعد کیسے کی جائے گی۔ جھگندر اپنی پوری زندگی میں کبھی اتنا اہم نہیں ہوا تھا۔ اتنے سارے پیسے ملنے کی امید اور بگ باس سے اتنی قربت پر وہ پھولے نہیں سما رہا تھا۔ جھگندر اپنی جان پر کھیل کر بھی راجن کو قتل کرنے کے لیے تیار تھا۔

31 اگست 2000ء کو جھگندر نے پہلی اچھی خبر بھیجی کہ اس نے روہیت ورما اور اس کی بیوی سنگیتا کا پتہ لگا لیا ہے۔ اس پر جھگندر کو ہدایت دی گئی کہ چرن کورٹ میں ان کے سامنے مکان کرائے پر لے لے۔ بالآخر جھگندر نے ایک ایسا مکان حاصل کر لیا، جہاں سے وہ ورما پر کڑی نظر رکھ سکتا تھا۔

اب منصوبہ اپنی آخری منازل طے کر رہا تھا۔ چھوٹا شکیل نے 11 ستمبر کو جھگندر کے پاس چند مزید افراد روانہ کیے۔ تمام گینگسٹرز کارروائی کے لیے تیار تھے اور انہیں چھوٹا شکیل کی جانب سے آخری کال کا انتظار تھا۔ بالآخر 14 ستمبر کو جھگندر کو کال موصول ہوئی کہ اسی شب آپریشن کو مکمل کر لیا جائے۔ انہیں بتا دیا گیا کہ اس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جھگندر نے اس بات کا جائزہ لے لیا تھا کہ راجن کے گھر کا دروازہ ہمیشہ اندر سے بند رہتا ہے اور چوبیس گھنٹے مسلح گارڈز وہاں تعینات رہتے ہیں۔ باہر گیٹ پر موجود گارڈز سے نمٹنا تو کوئی بڑی بات نہ تھی، لیکن گیٹ پر اگر گولی چل جاتی تو راجن اندر چوکنا ہو جاتا۔ اس لیے ان پر لازم تھا کہ عمارت میں داخل ہونے تک کوئی شور شرابہ نہ ہونے پائے۔

آخر کار انہیں ایک ترکیب سوجھی۔ چار تھائی افراد سالگرہ کا کیک لے کر دروازے پر پہنچے اور گارڈز سے کہا کہ یہ کیک ڈی سوزا کی چھوٹی بیٹی کے لیے تھا۔ انہوں نے گارڈز کو بتایا کہ ڈی سوزا کے بھارتی دوست اسے اس کیک کے ذریعے سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔ گارڈز نے ان لوگوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا، لیکن ان لوگوں اور کیک میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ البتہ جھگندر کے لوگوں نے کام کو مزید آسان بنانے کے لیے دو سو ڈالر کا ایک نوٹ ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ گارڈز نے دروازہ کھول دیا اور چار آدمی اپنی کار سمیت اندر چلے گئے۔ جیسے ہی گارڈز دروازہ بند کرنے گئے چار بھارتی افراد نے انہیں سر پر کاری ضربیں لگائیں اور انہیں بے ہوش کر دیا۔ اس کے بعد ان چار افراد نے گیٹ پر موجود چار گارڈ کی جگہ ڈیوٹی سنبھال لی۔

اندر مکان دو منزلہ تھا اور راجن اور ورما دوسری منزل پر رہتے تھے۔ چاروں تھائی افراد اوپر گئے اور راجن کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ورما نے دروازہ کھولا اور چار افراد کو یوں دروازے پر کھڑا دیکھا تو گھبرا گیا۔ اس سے پہلے کہ ورما، راجن کو آواز دیتا یا اپنی پستول نکالتا، اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی اور وہ فرش پر گر پڑا۔ اس کے بعد انہوں نے گھر کے اندر دھاوا بول دیا اور راجن کو تلاش کرنے لگے۔ ورما کی بیوی بھی فائرنگ میں زخمی ہو گئی تھی، جبکہ اس کی بیٹی اور ملازمہ کو انہوں نے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ جب یہ لوگ گھر کا ایک ایک کونہ بشمول واش روم دیکھ چکے تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ راجن بیڈ روم میں ہے۔ انہوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ انہوں نے وقت ضائع کرنے کی بجائے لکڑی کے دروازے پر فائرنگ کر دی۔ ایک گولی دروازے سے پار ہو کر راجن کے پیٹ میں جا لگی۔ شدید زخمی حالت میں وہ رسّی تلاش کرنے لگا کہ کھڑکی سے فرار ہو جائے۔ رسی نہ ملی تو جلدی میں راجن نے عقبی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی اور نیچے جھاڑیوں میں جا گرا۔ زخمی ہونے کے باوجود راجن نے ہمت دکھائی اور خود کو گھنی جھاڑیوں میں چھپا لیا۔ بالآخر جب حملہ آور دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ کمرے کی ہر چیز بکھری پڑی ہے اور خون کے دھبے بھی موجود ہیں، لیکن راجن غائب ہے۔ انہوں نے سوچا کہ راجن فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس وقت کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی کہ صرف چند فٹ کے فاصلے پر اس نے خود کو جھاڑیوں میں چھپا رکھا ہے۔ اس پوری کارروائی میں بمشکل پانچ منٹ کا وقت لگا ہوگا۔ جس انداز سے متواتر فائرنگ ہوتی رہی تھی اس سے پڑوسیوں اور پولیس والوں کا چوکنا ہو جانا لازمی تھا۔ آناً فاناً پولیس والے وہاں پہنچ گئے۔ لیکن انہیں موقع واردات سے صرف ورما کی لاش اور جدید اسلحہ ملا۔

بعد ازاں اپنے ذرائع کے ذریعے راجن نے تھائی پولیس سے رابطہ کیا تو اسے انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں پہنچا دیا گیا۔ عینی شاہدین بتاتے ہیں کہ اس حملے کے بعد راجن بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا اور انتہائی سخت سیکورٹی کا خواہاں تھا۔ وہ زور زور سے چلا رہا تھا ''تم نہیں جانتے، وہ لوگ پورا اسپتال بموں سے اڑا دیں گے''۔ ایک وقت تھا کہ وہ گینگسٹرز کو چلاتا تھا لیکن آج اپنی موت سامنے دیکھ کر حواس کھو بیٹھا اور بلبلا رہا تھا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

چھوٹا راجن پر حملہ کرنے والا جھگندر ساتھی سمیت پکڑا گیا

دیگر شوٹر بھی گرفتار کر لئے گئے- اسسٹنٹ کمشنر شنکر کی سربراہی میں ایک ٹیم راجن کو بھارت لانے کیلئے روانہ ہوئی- لیکن پولیس انچارج کرنل کریکپانگ نے راجن کو غیر قانونی طور پر بنکاک میں رہنے کے جرم میں گرفتار کر لیا- زخمی ہونے کے باوجود راجن فرار ہو گیا- اس پر تھائی پولیس چیف کو الزامات کا سامنا کرنا پڑا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

15 ستمبر 2000ء تک چھوٹا راجن پر قاتلانہ حملے کی خبر بمبئی تک جا پہنچی تھی۔ ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور اخبارات میں ان خبروں کو زینت بنایا گیا۔ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ کارروائی بنکاک کے گینگسٹرز کی جانب سے کی گئی ہو گی، کیونکہ انہیں کسی بھارتی گینگسٹر کا وجود اپنی سرزمین پر برداشت نہ تھا۔ بھارتی میڈیا اور پولیس اس بات کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ یہ کارروائی چھوٹا شکیل کروا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ Rediff.com کی شیلا بھٹ اور eindia سے میں (مصنف) نے چھوٹا شکیل کا انٹرویو نشر کیا۔ اس انٹرویو میں چھوٹا شکیل نے بڑے ہی فخریہ انداز میں بتایا کہ اس نے کس ذہانت سے یہ تمام آپریشن تشکیل دیا تھا۔ اسی انٹرویو میں چھوٹا شکیل نے یہ بھی کہا تھا کہ روہیت ورمانے گینگ کا لیڈر بننے کی غرض سے ساری معلومات اس تک پہنچائی تھیں۔

یہ خبر نشر ہوئی تھی کہ بمبئی سے نئی دہلی تک اقتدار کے ایوانوں میں گویا صف ماتم بچھ گئی۔ یہ بھارتی انٹیلی جنس کی بری طرح شکست تھی۔ چھوٹا راجن کو قتل کر کے داؤد ابراہیم نہ صرف باہر کی دنیا میں بلکہ بذات خود بھارت کے اندر بھی بھارت کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ بھارت کے سرکاری ذرائع نے تھائی لینڈ کی حکومت سے رابطہ قائم کیا تو انہیں بتایا گیا کہ چھوٹا راجن اسپتال میں زیر علاج ہے اور اس کی زندگی بچ گئی ہے۔ اس خبر کے بعد بھارتی انٹیلی جنس کی جان میں کچھ جان آئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے انتہائی صیغہ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔ چند اعلیٰ پولیس افسران نے اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں کہ راجن سے ملاقات کی جا سکے اور اس کے بعد تفتیش کی غرض سے اسے بھارت لایا جا سکے۔ بھارت کے بڑے بڑے میڈیا گروہ اندازہ نہیں کر پا رہے تھے کہ پس پردہ کیا ہو رہا ہے۔ قاتلانہ حملے کے بعد کی خبریں بھی بڑے ہی پراسرار انداز سے سننے کو مل رہی تھیں۔

البتہ اس حملے کے صرف دو دن بعد ہی اس واقعہ کا اصل ذمہ دار جھگندر اور اس کے ساتھی شیر خان کو روبنسن ڈپارٹمنٹل اسٹور بنکاک سے گرفتار کر لیا گیا اور بعد میں ایک شوٹر یوسف اور ایک مقامی تھائی شوٹر کو تھائی پولیس نے موتسوئی کے مقام سے گرفتار کر لیا۔ ان چاروں نے راجن پر قاتلانہ حملے کا منصوبہ بنایا تھا۔

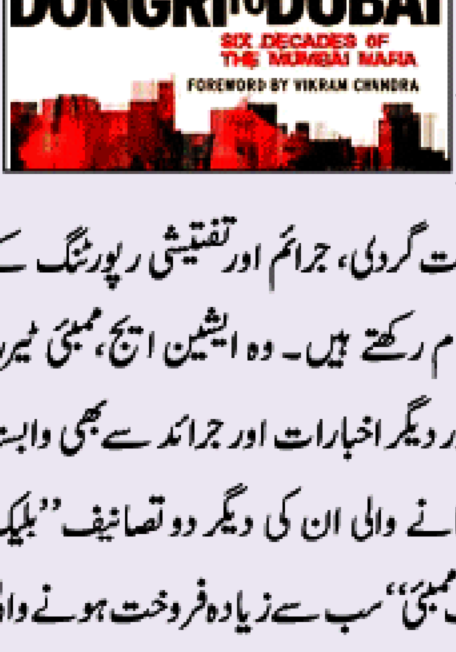

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈ ڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

بعد ازاں اسسٹنٹ پولیس کمشنر شنکر کیبلے کی سربراہی میں ایک ٹیم بھارت سے بنکاک روانہ کی گئی کہ راجن سے پوچھ گچھ کی جا سکے اور ممکن ہو تو اسے وطن واپس لایا جائے۔ یہ ٹیم وہاں پہنچ کر بنکاک پولیس کے انچارج کرنل کریکپانگ سے ملی۔ اس ٹیم نے انہیں بتایا کہ وجے رامن دراصل چھوٹا راجن ہے، جو کہ بھارتی گینگسٹر ہے اور فرضی نام سے بنکاک میں رہائش پذیر ہے۔ اسی اثنا میں راجن کے ساتھیوں نے اسے بنکاک سے فرار کرانے کے لیے ایک پرائیویٹ جہاز کا انتظام کر لیا، لیکن کرنل کریکپانگ نے موقع پر سارا منصوبہ ملیامیٹ کر دیا اور راجن کو بنکاک میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے اور رہنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔

شروع شروع میں تو کرنل کریکپانگ نے بھارتی پولیس سے بہت تعاون کیا، لیکن جلد ہی کایا پلٹ گئی۔ کرنل نے بھارتی پولیس ٹیم کو بتایا کہ اس تفتیش میں وہ بھارتی پولیس کو شامل نہیں کر سکتے۔ نیز یہ کہ انٹرپول یا سی بی آئی کی جانب سے انہیں ایسی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی کہ بھارتی پولیس ٹیم، بنکاک کے سرکاری دورے پر آ رہی ہے۔

بمبئی پولیس ٹیم کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح راجن ان کے ہاتھ آ جائے۔ جبکہ دوسری جانب بنکاک رائل پولیس اس سلسلے میں کسی سفارتی سطح کے رابطے کی منتظر تھی جو کہ بھارت کی جانب سے نہیں کیا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ فرسٹ سیکریٹری کے ذریعے تھائی حکومت کو کئی خطوط بھی ارسال کرائے گئے، تاہم بھارتی حکومت کی جانب سے ایسی کوئی درخواست پیش نہیں کی گئی۔ بالآخر بمبئی پولیس ٹیم پر یہ بات واضح ہو گئی کہ کرنل کریکپانگ ان کے ساتھ تعاون نہیں کرنے والا۔ انہوں نے بھارتی پولیس افسران کو زیر حراست راجن اور اس کے ساتھیوں سے ایک بھی ملاقات نہ کرنے دی۔

بالآخر بمبئی پولیس نے ایک پرزور اپیل کی کہ راجن کو بھارت ڈی پورٹ کر دیا جائے۔ دہلی سے بذریعہ سی بی آئی اور انٹرپول دستاویزات بنکاک بھجوائی بھی گئیں لیکن وہ دستاویزات کبھی بھی بنکاک نہ پہنچ سکیں۔ حتیٰ کہ بھارتی بیوروکریٹس بھی ان دستاویزات کو بھیجنے میں پس و پیش سے کام لیتے رہے تھے۔ راجن کے زخم اس دوران بڑی تیزی کے ساتھ ٹھیک ہو رہے تھے۔ دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا تھا اور بھارتی پولیس ٹیم کئی چکر لگا چکی تھی لیکن کیس ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھا تھا۔ نہ وہ راجن سے مل پائے تھے اور نہ ہی راجن کے بھارت جانے کی کوئی صورت پیدا ہو پائی تھی۔

پھر اچانک ہی 24 نومبر کے دن راجن سیمتیویج اسپتال سے غائب ہو گیا۔ سیکورٹی کی صورت حال دیکھ کر تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ راجن کا فرار ہونا ناممکن ہے۔ نہ صرف یہ کہ راجن کڑی نگرانی میں تھا بلکہ وہ زخمی بھی تھا۔ پھر لیٹ کر وہ وزنی بھی ہو چکا تھا، اس لیے اس میں پہلے والی پھرتی باقی نہ رہی تھی۔ اس کے فرار نے کئی سوالوں کو جنم دے دیا اور اس سلسلے میں کئی نظریے بھی پیش کئے گئے۔ تھائی پولیس کے مطابق راجن نے اسپتال کی چوتھی منزل سے فرار ہونے کے لیے پیشہ ورانہ کوہ پیماؤں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ تھائی لینڈ کی پولیس نے یہ نظریہ اس لیے قائم کیا تھا کہ اسپتال سے کوہ پیمائی کے آلات اور رسیاں برآمد ہوئی تھیں اور عمارت پر بھی ایسے نشانات موجود تھے۔

دیگر خبروں کے مطابق جو کہ راجن کے وکیل سری چائے کے بیان پر مبنی ہے کہ راجن نے میجر جنرل کریکپھا نگ بھکریون کو 80,000 تھائی بھات بطور رشوت ادا کئے تھے اور پولیس چیف نے اسے بھگا دیا تھا۔ بعد ازاں اس نے اس بات کی تردید کر دی تھی۔ جو بھی کچھ ہوا، تھائی پولیس کو اس واقعے سے بڑی شرمندگی اٹھانا پڑی۔ اس واقعے کے بعد نان کمیشنڈ پولیس اہلکاروں کو غفلت برتنے پر اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑے۔ تھائی لینڈ کے وزیر اعظم چوان لیکپائی نے بیان دیا کہ اسے یقین ہے کہ راجن اندر سے کسی کی مدد کے بغیر فرار نہیں ہو سکتا تھا۔

اس طرح مہاراشٹر گورنمنٹ کو گویا کہ بیوقوفوں کی طرح منہ کی کھانا پڑی۔ مہاراشٹر کے ہوم منسٹر، ڈپٹی چیف منسٹر چھاگن بھجبال نے یہاں تک الزام لگا دیا کہ راجن کو بھگانے میں ہندوستان کی مرکزی حکومت کا ہاتھ ہے۔ اس نے ان تمام رکاوٹوں کا ذکر کیا جو بمبئی پولیس کو مرکزی حکومت اور بیوروکریسی کی جانب سے بنکاک کے دورے کے دوران پیش آئیں۔ اتنے سخت الزامات اتنی اہم شخصیت کی جانب سے لگائے گئے تھے کہ مرکزی حکومت کے لیے ناممکن تھا کہ اس کے جواب میں کچھ بولے۔ البتہ اس وقت کے وزیر مملکت برائے امور خارجہ اجیت پنجا نے بیان دیا کہ مرکزی حکومت نے ہر وہ کام کیا جو کہ تھائی حکومت راجن کی بے دخلی کے لیے ان سے چاہتی تھی۔ اس لیے مہاراشٹر حکومت کے الزامات سراسر بے بنیاد ہیں۔ جبکہ یونین منسٹر آف اسٹیٹ برائے امور داخلہ ودیا ساگر نے کہا کہ جب تک اس کیس کے متعلق باوثوق معلومات حاصل نہ ہو جائیں، حکومتی مشینری کا اس طرح سے آپس میں الجھنا سراسر حماقت ہے۔ البتہ ان بیانات کے بعد ایک مرتبہ پھر پراسراری خاموشی چھا گئی اور میڈیا نے اسے ''سازشی سکوت'' قرار دے دیا۔ راجن کے وکیل کے پاس جو کچھ معلومات تھیں، اس نے بھارتی میڈیا کو فراہم کر دیں۔ راجن کے وکیل سری چائے کے مطابق راجن نے فرار ہونے کے بعد کسی دوسرے ملک سے اسے فون کیا اور ساری داستان بیان کی کہ کس طرح اس نے فرار ہونے کے لیے تھائی پولیس کے اعلیٰ حکام کو بھاری رشوت ادا کی ہے۔ اس کے مطابق راجن تھائی لینڈ سے کمبوڈیا چلا گیا تھا اور وہاں سے کسی تیسرے ملک فرار ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ سری چائے کے مطابق غالباً راجن کسی یورپی ملک جانے کا خواہاں تھا۔ سری چائے کے ہی ایک اور بیان کے مطابق راجن جنوب، مشرقی ایشیا کے کسی ملک میں موجود تھا اور وہاں سے مڈل ایسٹ جانا چاہتا تھا۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر ایک بات بالکل واضح اور قطعی تھی کہ بنکاک میں راجن کو اپنی جان بچانا ناممکن محسوس ہو رہا تھا اور اس نے وہاں سے فرار ہونے میں ہی عافیت جانی تھی۔

داؤد ابراہیم کے بھیجے گئے شوٹروں نے عزم کر رکھا تھا کہ جیسے ہی انہیں فرار ہونے کا موقع ملے گا، وہ اپنا مشن ضرور پورا کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی گرفتاری کے بعد داؤد ابراہیم نے مزید کارندے راجن کو مارنے کے لیے بنکاک روانہ کر دیئے ہوں۔

راجن کہاں گیا؟ راجن جہاں بھی گیا ہو، کم از کم اس نے کسی تھائی ایئر سروس کو استعمال نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ایئرپورٹ پر ہر آنے جانے والے کا کمپیوٹرائزڈ ڈیٹا جمع کر لیا جاتا ہے، جس سے یہ جاننا آسان ہو جاتا ہے کہ وہ شخص کس ملک گیا ہے۔ دوسری جانب سب سے محفوظ ترین راہ فرار زمینی راستہ ہی ہو سکتا تھا جس کی پانچ گھنٹے کی مسافت کے بعد کمبوڈیا کی سرحد آ جاتی ہے۔ کمبوڈیا کی سرحد پر کوئی بھی شخص 20 ڈالر کے عوض ویزا حاصل کر سکتا ہے۔ وہاں سے راجن بذریعہ کار با آسانی نوم پینہ پہنچ گیا ہو گا، جہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز وہ ایشیا، مڈل ایسٹ، یورپ یا آسٹریلیا کے کسی بھی ملک روانہ ہو سکتا تھا۔

اس کے علاوہ راجن کے فرار کا ایک اور امکان بھی سامنے آتا ہے کہ وہ 24 گھنٹے کی ڈرائیو کر کے ملائیشیا کی سرحد کی جانب چلا گیا ہو۔ ممکن ہے بہت سے دیگر غیر قانونی تارکین وطن کی طرح راجن بھی ملائیشیا کی سرحد چھپ چھپا کر پار کر گیا ہو۔ ملائیشیا میں راجن کے لیے بھارتی کمیونٹی سے روابط قائم کرنا اور وہاں چھپ جانا بھی ممکن تھا۔ وہ وہاں اس وقت تک با آسانی چھپ سکتا تھا، جب تک کہ اس کے فرار کی خبریں دم توڑ جائیں۔ وہاں سے اس کے لیے پاسپورٹ بنوا کر کسی محفوظ مقام پر منتقل ہونا بھی ممکن تھا۔ تھائی لینڈ کی زمینی سرحدیں دیگر اطراف سے محض میانمار اور لاؤس سے ملتی ہیں اور اس جانب فرار ہونا ہرگز خطرے سے خالی نہ تھا۔

راجن نے تھائی لینڈ میں وجے رامن کے نام سے وزٹ ویزا لے رکھا تھا۔ اس نے 2001ء میں یہ درخواست دی تھی کہ اس کے وزٹ ویزے کو بزنس ویزے سے تبدیل کر دیا جائے۔ اس کے بعد اس کا ارادہ تھا کہ وہاں سے ذمن امپورٹ، ایکسپورٹ کمپنی کا آغاز کرے۔ یہ کمپنی اس کے غیر قانونی دھندے پر پردہ ڈال سکتی تھی، لیکن راجن پر داؤد ابراہیم کے حملے نے اس کے سارے خواب چکنا چور کر دیئے۔

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

قسط نمبر 54

ترجمہ: عبدالقادر

بالی ووڈ پر راج کرنا چھوٹا شکیل کا دیرینہ خواب تھا

پہلی ہی فلم ''چوری چوری - چپکے چپکے'' بدترین ناکامی سے دوچار ہوئی - انکار پر راکیش روشن پر فائرنگ کرائی گئی - انڈرورلڈ والوں نے بھارتی فلم اسٹاروں کے کوڈ نام رکھے ہوئے تھے - ریتک روشن ''چکنا'' شاہ رخ ''ہکلا'' اور سلمان کے لئے ''پہلوان'' کا لفظ استعمال کیا جاتا - بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

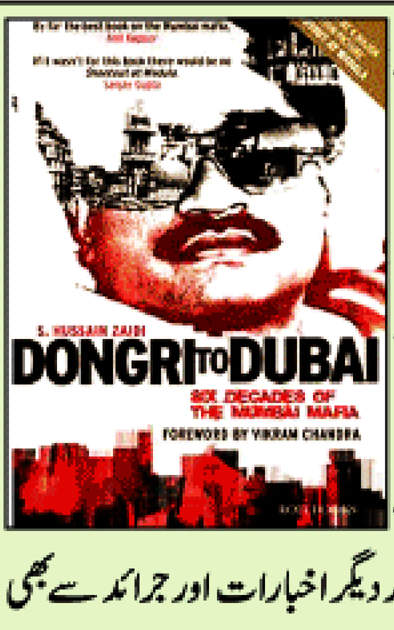

''ڈونگری سے دبئ'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئ مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئ کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئ میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئ'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئ'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئ حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئ'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئ انڈرورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئ سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئ میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

چھوٹا شکیل کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ بالی ووڈ پر اس کا راج ہو لیکن وہ جب بھی اس جانب آنا چاہتا اسے کہا جاتا کہ بالی ووڈ ابو سالم اور انیس ابراہیم کے دائرہ کار میں آتا ہے اور اس کا نام محض مار دھاڑ اور بھتہ خوری ہے تو اسے بڑا دکھ ہوتا۔ سالم اس معاملے میں بہت شاطر ذہن کا مالک تھا اور وہ بالی ووڈ فلموں کی بین الاقوامی مارکیٹنگ کے حقوق حاصل کرنے کے چکر میں تھا۔ اس کے علاوہ بھی ابو سالم ہر لحاظ سے بالی ووڈ پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ شکیل اسی غم میں گھلے جا رہا تھا کہ اچانک ہی ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے اسے اپنی خواہشات پوری ہوتی نظر آئیں۔ 1999ء میں ہی کسی ماہ کا ذکر ہے کہ انیس بھائی اور ابو سالم کی آپس میں علیحدگی ہو گئی۔ اس علیحدگی کی مختلف وجوہات میں سب سے بڑی وجہ انیس کی سالم پر بداعتمادی تھی کہ سالم پیسے کے لین دین میں گڑبڑ کر رہا تھا۔ انیس بھائی کو شک تھا کہ سالم رقم کا ایک بہت بڑا حصہ ہڑپ کر رہا ہے۔

شکیل نے سوچا کہ موقع اچھا ہے اور اسے ان اختلافات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس کے لیے سب سے پہلا کام کسی بااعتماد فرنٹ مین کی تلاش تھی۔ کوئی ایسا بااعتماد شخص جو پس پردہ چھوٹا شکیل کے لیے کام کر سکے۔ بالآخر نظیم رضوی کی صورت میں انتہائی منجھا ہوا شخص اس کام کے لیے اس کے ہاتھ آ گیا۔ نظیم کا کام یہ تھا کہ بڑے بڑے ناموں یعنی شہرت یافتہ لوگوں سے رابطہ کر کے انہیں شکیل کی ہدایات کے مطابق فلمیں بنانے پر تیار کرے۔ اس کے علاوہ رضوی نے انہیں اس بات پر بھی راضی کرنا تھا کہ فلم کی تیاری شکیل کی بنائی ہوئی تاریخوں پر کی جائے گی۔ بالی ووڈ کی دنیا میں ''تاریخ لینا'' ایک معنی خیز اصطلاح تھی۔

رضوی نے فوراً ہی اس منصوبے پر کام شروع کر دیا۔ اس نے ڈائریکٹر کے طور پر عباس اور مستان برماوالا کو ملازمت پر رکھ کر عباس مستان کمپنی کا آغاز کیا۔ چھوٹا شکیل کی پہلی فلم سے متعلق اپنی کچھ توقعات تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی مشہور اداکار اس کی فلم میں جلوہ گر ہو۔ چھوٹا شکیل کو اندازہ تھا کہ مشہور فلمی نام اور معیاری ہدایت کاری فلم کی کامیابی کے لیے ناگزیر ہے۔

چھوٹا شکیل کی اولین ترجیحات میں شاہ رخ خان یا سلمان خان شامل تھے۔ رضوی نے مختلف فلم اسٹوڈیوز کے چکر لگانا شروع کر دیئے کہ کوئی شخص فلم میں کام کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ 14 اکتوبر سے 14 نومبر 2000ء کے دوران کرائم برانچ والے چھوٹا شکیل کی تمام فون کال ٹیپ کر رہے تھے۔ ان ہی کالز کے ذریعے کرائم برانچ والوں کو اندازہ ہوا کہ شکیل کے بالی ووڈ ستاروں سے کس قدر گہرے مراسم قائم ہیں۔

عباس مستان کو جس فلم کی ہدایت کاری کے لیے کام کرنا تھا اس کا نام ''چوری چوری چپکے چپکے'' رکھا گیا تھا۔ اس سلسلے میں رضوی نے سلمان خان، رانی مکھرجی اور پریتی زنٹا سے بات بھی کر لی۔ کرائم برانچ کو فون کالوں سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس سارے گیم میں رضوی کی حیثیت محض ایک مہرے کی سی تھی۔ بھارت کے کسی شخص کو سامنے رکھ کر شکیل خود کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اگر یہ فلم کامیاب ہو جاتی تو رضوی کی کمپنی میں بالی ووڈ اداکاروں کی لائن لگ جاتی۔ البتہ فلم کی ناکامی کی صورت میں سارا نقصان چھوٹا شکیل کو اٹھانا پڑتا اور اس صورت میں وہ کوئی نیا فرنٹ مین بھی تلاش کر لیتا۔ البتہ فلم انڈسٹری میں اس کا اپنا نام ڈوبنے سے بچ جاتا۔

رضوی کا کام انتہائی سادہ تھا۔ اسے ان سیٹوں پر جا کر شاہ رخ اور سلمان سے ملنا تھا جہاں وہ شوٹنگ میں مصروف ہوں۔ ماضی میں سالم کی جانب سے چند دھمکیاں ملنے کے بعد شاہ رخ نے پراسرار اور انجان لوگوں سے ملاقات کرنا بالکل ترک کر دیا تھا۔ اس لیے جب بھی رضوی، شاہ رخ سے ملنے کے لیے سیٹ پر آتا شاہ رخ اسے نظرانداز کرنے کی کوشش کرتا۔ بالآخر تنگ آ کر رضوی نے شکیل کو تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اسی دوران یہ واقعہ بھی پیش آیا تھا کہ شاہ رخ فلم کے سیٹ سے تقریباً ایک گھنٹے کے لیے غائب ہو گیا۔ جب رضوی، چھوٹا شکیل کو شاہ رخ کی شکایت لگا رہا تھا تو دوسری جانب کرائم برانچ والے بھی اس گفتگو کو سن رہے تھے۔ ان فون کالوں سے انہیں بالی ووڈ اداکاروں کے کوڈ نام بھی معلوم ہو گئے۔

جس طرح انڈرورلڈ کے لوگوں نے پستول، پیسہ، گاڑی وغیرہ کے لیے چند کوڈ نام تجویز کر رکھے تھے بالکل اسی طرح وہ اداکاروں کو بھی کوڈ ناموں سے پکارتے تھے۔ جیسا کہ عباس، مستان کیلئے ''جوڑی'' سلمان خان کے لیے ''پہلوان'' ریتک روشن کیلئے ''چکنا'' راکیش روشن کیلئے ''ٹکلا'' اور شاہ رخ کیلئے ''ہکلا'' وغیرہ کا کوڈ استعمال کیا جاتا۔ یہی فون ٹیپ بعدازاں کئی لوگوں کے لیے بطور عدالتی ثبوت بھی پیش کی گئیں۔

اسی انداز کی ایک گفتگو رضوی اور شکیل کے درمیان کچھ اس انداز سے ٹیپ کی گئی۔

رضوی: چکنے کا شو ہے۔ اپنا ہکلا ہے نا؟ وہ بھی جا رہا ہے۔

شکیل: اچھا۔

رضوی: ہکلا آج اس کی...... وین میں آدھے گھنٹے گھسا رہا۔

شکیل: ہاں، ہاں بول۔

PdfStuff.blogspot.com

رضوی: تو میں اس کو بولا جاتے وقت ذرا مل کے جانا کیا۔

شکیل: اچھا پھر۔

رضوی: بولا آتا ہوں۔ پھر چپکے سے نکل گیا۔

رضوی کی زبانی شاہ رخ خان کے رویئے کا سن کر شکیل نے کہا کہ اچھا میں شاہ رخ سے نمٹتا ہوں۔ اسی طرح رضوی، سلمان خان کے پاس بھی جاتا رہا اور اس سے کہتا کہ ذرا شکیل بھائی سے بات کر لو لیکن سلمان خان نے کبھی بھی اسے سنجیدگی سے نہیں لیا اور اسے ڈانٹ دیتا۔ کئی مرتبہ رضوی کو محافظوں سے پٹوا کر دروازے سے باہر بھی پھنکوایا گیا۔

رضوی کی نالائقی سے تنگ آ کر شکیل نے ایک دن انجم فضلانی کو بھیجا کہ ذرا معاملات کو دیکھ لے۔ انجم کے پاس موبائل کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ انجم بڑے ہی اعتماد کے ساتھ چلتا ہوا سلمان خان کے پاس گیا اور موبائل فون اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور اس سے کہا۔ ''شکیل بھائی لائن پر ہے تم سے بات کرے گا۔'' سلمان نے فون ہاتھ میں لیا اور ایک کونے میں چلا گیا۔ سلمان، شکیل کے مطالبات ماننے سے انکار نہیں کر پا رہا تھا۔ سلمان کو فلم میں کام کرنے کے لیے مجبور کیا جا رہا تھا اور بالآخر وہ کسی حد تک راضی ہو گیا۔ شکیل 15 کروڑ تک کی سرمایہ کاری کرنے کو تیار تھا اور سورانی برادرز جیسے کاروباری لوگ بھی اس سلسلے میں سرمایہ کاری کرنے کو تیار تھے۔

فلم کے بارے میں ابتدائی بات چیت کر لینے کے بعد اب رضوی اور شکیل فلم کی مارکیٹنگ کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے کہ کس ٹی وی چینل کا انتخاب کیا جائے، تقریب کہاں اور کیسے ہو۔ رضوی نے شکیل کو بتایا کہ اس کے اندازے کے مطابق انہیں فلم سے چھ کروڑ تک کا منافع متوقع تھا اور اس کے بعد کوئی بھی اداکار اس کی پیشکش کو ٹھکرانے کا نہیں سوچے گا۔ شکیل نے رضوی سے کہا کہ لوگوں کی پرواہ نہ کرے کیونکہ پوری فلم انڈسٹری اس کے ہاتھ میں تھی۔

دوسری جانب اس سلسلے میں کرائم برانچ والوں نے مہاراشٹر کنٹرول آف آرگنائزڈ کرائم ایکٹ (MCOCA) کے تحت انتہائی مضبوط مقدمہ قائم کیا۔ پولیس نے چھوٹا شکیل اور رضوی کے مابین ہونے والی گفتگو کی اکتیس ریکارڈنگ بطور ثبوت پیش کیں عدالت کو بتایا گیا کہ جو اداکار بھی رضوی کی بات نہیں مانتا تھا اسے شکیل کے ذریعے دھمکیاں دلوائی جاتی تھیں۔ اس سلسلے میں شاہ رخ اور سلمان کی مثالیں پیش کی گئیں۔ اسی طرح ریتک روشن نے فلم ریلیز ہونے سے پہلے ہی جب اس کی کامیابی کے آثار دیکھے تو رضوی کے ساتھ اگلی فلم کرنے کی ہامی بھر لی۔ لیکن جیسے اس کے والد راکیش روشن نے اسے منع کیا کہ انڈرورلڈ والوں کے ساتھ کام نہیں کرنا ہے تو راکیش کو بھی خطرناک نتائج بھگتنے کی دھمکیاں دی گئیں۔

راکیش کے بارے میں رضوی کو کی گئی کال ذرا پریشان کن تھی اور کرائم برانچ والوں کو خدشہ تھا کہ اب کچھ ہو سکتا ہے۔ بالآخر جنوری 2001ء میں راکیش کو انڈرورلڈ سے پنگا لینے کی سزا دی گئی۔ دراصل شکیل چاہتا تھا کہ صرف راکیش کی گاڑی پر فائرنگ کی جائے تاکہ فلم انڈسٹری کے باقی لوگ بھی ڈر جائیں لیکن بدقسمتی سے گولی راکیش کے بازو میں جا لگی۔ شدید زخمی ہونے کے باوجود راکیش، خود گاڑی چلا کر اسپتال پہنچا۔ اس واقعے سے ایک مرتبہ پھر بالی ووڈ میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

ایک اور گفتگو کے دوران کرائم برانچ والوں نے چھوٹا شکیل کی جانب سے اجے دیوگن کو یہ پیغام دیتے سنا کہ وہ اپنی فلم ''راجو چاچا'' کی تاریخ آگے پیچھے کر لے تاکہ ان کی فلم ''چوری چوری چپکے چپکے'' میں خلل واقع نہ ہو۔ اس سلسلے میں پس وپیش سے کام لینے کی وجہ سے اجے کے سیکریٹری کو دھمکیاں بھی دی گئی تھیں۔ ایک اور کال کے دوران شکیل نے رضوی سے کہا کہ اگر شاہ رخ اکڑی دکھا رہا ہے تو اس کی کار پر فائرنگ کروا دینا۔ آدھے گھنٹے میں ہی فون کر کے خود ہی بولے گا کہ کام کرنے کے لیے راضی ہے۔ ان کالوں کے بعد کرائم برانچ والوں نے فیصلہ کیا کہ اب مزید انتظار کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا 13 نومبر کو رضوی کو MCOCA کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ پہلی مرتبہ کسی پولیس کمشنر (مہیش نارائن سنگھ) نے کرائم برانچ والوں کو سخت ہدایات دیں کہ انڈرورلڈ سے تعلق رکھنے والے بالی ووڈ اداکاروں سے سختی سے تفتیش کی جائے خواہ وہ کتنا ہی بڑا نام کیوں نہ ہو۔ البتہ بعدازاں یہ ثابت کیا گیا کہ سلمان خان، رانی مکھرجی اور عباس، مستان سے اس فلم کے لیے جبراً کام لیا گیا۔ بصورت دیگر ان کی زندگیوں کو خطرات لاحق تھے۔

بعدازاں ''چوری چوری چپکے چپکے'' کے حقوق گورنمنٹ آف انڈیا کو منتقل کر دیئے گئے۔ جب لوگوں کو پتہ لگا کہ اس فلم میں انڈرورلڈ کی جانب سے سرمایہ کاری کی گئی ہے تو اسے خاص پذیرائی نہ مل سکی۔ رضوی کے اندازوں کے برعکس اس فلم سے صرف 25 لاکھ کی کمائی ہو سکی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم کی بیٹی کی شادی پر دنیا بھر کی خفیہ ایجنسیاں الرٹ تھیں

را-موساد-سی آئی اے اور ایم آئی سکس سمیت کئی ممالک کے ایجنٹ دبئی میں ہونے والی تقریب میں موجود تھے-بھارت کی آئی بی نے بمبئی ڈان کو قتل کرنے کیلئے چھوٹا راجن کے مفرور شوٹرز تناشہ اور ملہوترہ کو دہلی بلا لیا-منصوبے سے لاعلم کرائم برانچ کے ڈپٹی کمشنر نے دونوں گینگسٹرز کی گرفتاری کیلئے مخبر پھیلا دیئے-بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

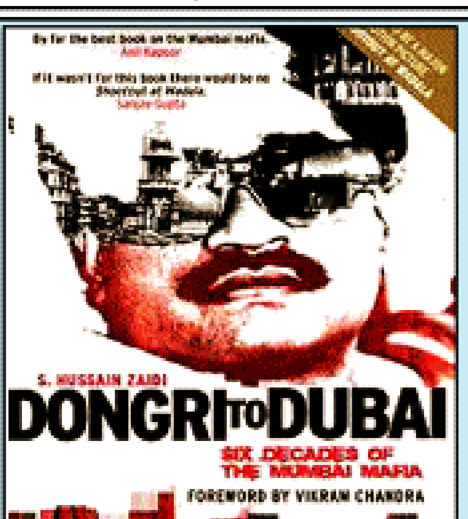

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرر ان ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، داردا راجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کیے جا رہے ہیں۔

جاوید میانداد پاکستانی کرکٹ کا وہ ہیرو ہے جسے بھارت میں ولن سمجھا جاتا ہے۔ انڈیا ٹوڈے کے ڈپٹی ایڈیٹر شاردا اگرا لکھتے ہیں ''اگر سچن ٹنڈولکر بھارتیوں کے لیے سپر مین کی حیثیت رکھتا ہے تو میانداد کی حیثیت اس سپر مین کے ولن جیسی ہے۔ میانداد ان چند لوگوں میں سے ایک ہے، جس کے شاندار کیریئر کی عمارت بھارتیوں کی بربادی پر کھڑی ہے''۔ 1986ء میں شارجہ کے کرکٹ گراؤنڈ کے تاریخی لمحات آج بھی دنیا کو یاد ہیں، جب جاوید میانداد نے آخری گیند پر چھکا مار کر جیت پاکستان کے نام کر دی اور دوسری جانب بھارتی ٹیم سمیت پورا بھارت اس چھکے کی وجہ سے شدید صدمے سے دوچار ہو گیا۔ جس قدر پاکستانیوں کی خوشی قابل دید تھی، اسی قدر بھارتیوں کا صدمہ دیکھے جانے کے قابل تھا۔

میانداد کا چھکا بھارتیوں کو اس قدر نفرت آمیز لگا کہ کئی بھارتی فلموں میں ولن کے نام میانداد پر رکھے گئے۔ دھرمندر اور رتی اگنی ہوتری کی فلم ''حکومت'' 1987ء میں ریلیز ہوئی۔ اس فلم میں رشوت خور پولیس انسپکٹر کے کردار کا نام بھی میانداد کے نام پر رکھا گیا۔ جب بھی فلم کے پردے پر دھرمندر، جاوید کو للکارتا، سینما میں موجود فلم بین زور زور سے تالیاں بجاتے اور خوشی کا اظہار کرتے۔

میانداد نے جنوری 2005 کو یہ خبر عام کر کے بھارتیوں کے لیے ایک اور دھماکہ کر دیا کہ اس کے بیٹے جنید کی شادی داؤد ابراہیم کی بیٹی ماہ رخ سے ہونے جا رہی ہے۔ بعد ازاں ایک انٹرویو میں جاوید میانداد نے کہا تھا کہ اس شادی کا فیصلہ ان کی اہلیہ زوبین زرین اور داؤد ابراہیم کی اہلیہ مہہ جبین نے کیا ہے۔ دونوں ماؤں نے اپنے بچوں کی خواہشات کے احترام میں یہ فیصلہ کیا تھا جو کہ لندن کی آکسفورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے۔ یہ شادی دبئی میں 23 جولائی 2005ء کو ہونا طے پائی تھی۔

شادی کا اعلان ہونا تھا کہ آئی بی فوراً ہی حرکت میں آ گئی۔ انہیں ہر حال میں اس بات کا پتہ لگانا تھا کہ اس شادی میں داؤد ابراہیم کی شرکت کب اور کیسے ہو گی۔ داؤد ابراہیم کی شرکت کے بارے میں کسی بھی قسم کی معلومات ان کے لیے آخری موقع کی حیثیت رکھتی تھیں۔ داؤد ابراہیم کی بیٹی کی شادی تھی اور اس کا آنا یقینی تھا، اس لیے بھارتی ایجنسیوں نے سوچا کہ داؤد ابراہیم کی موجودگی کا اتنا باوثوق اندازہ وہ پھر کبھی نہیں لگا سکیں گے۔ اگر یہ موقع ضائع ہو جاتا تو آئی بی کو ان کی حکومت اور قوم کبھی معاف کر پاتی۔

دلہا اور دلہن کا نکاح 9 جولائی کو مکۃ المعظمہ میں ہو چکا تھا اور باقی تقریب دبئی کے گرینڈ حیات میں ہونا طے پائی تھی۔ دبئی میں ہونے والا یہ ولیمہ انتہائی اہم تھا۔ شاہدین اور بھارتی ایجنسیوں کے اہلکاروں کے مطابق یہ ولیمہ ایسی تقریب تھی، جس پر دنیا کی ہر ایجنسی الرٹ تھی۔ دنیا بھر کی تمام ایجنسیوں نے اس تقریب پر نظر رکھی ہوئی تھی۔

دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا کی خفیہ ایجنسیوں کا کوئی میلہ دبئی کے شہر میں سجایا گیا ہو۔ سی آئی اے کے ایجنٹس اپنے مخصوص انداز میں ولیمے کے ارد گرد کے مقامات پر پوزیشن سنبھالے ہوئے تھے۔ اسی طرح ایم آئی سکس کے خفیہ اہلکار بھی ہوٹل کے اندر اور آس پاس موجود تھے۔ ان کے ساتھ موساد کے اہلکار بھی وہاں موجود تھے۔ اسی طرح را، موساد آئی بی اور سی آئی اے کے بے شمار اہلکار انتہائی خفیہ انداز سے وہاں موجود تھے۔

ایجنسیوں کے تمام اہلکار ہوٹل کے اندر ڈرائیوروں، چپراسیوں، ویٹروں اور میڈیا کے نمائندوں کے بھیس میں موجود تھے۔ دبئی میں اس سے پہلے بھی کئی شاندار شادیاں ہو چکی تھیں، لیکن کوئی شادی بھی اس قدر عالمی توجہ کا مرکز نہیں بنی تھی۔ بھارت نے داؤد ابراہیم کا تعلق کسی نہ کسی طرح القاعدہ سے جوڑ کر امریکی سی آئی اے کو بھی وہاں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ MI6 کے اہلکار وہاں اس چکر میں موجود تھے کہ شاید انہیں وہاں سے 7 جولائی 2005ء کو لندن شہر میں ہونے والے دھماکوں کا سراغ مل جائے۔ را اور موساد کی دلچسپی البتہ داؤد ابراہیم کی ذات تک محدود تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

بھارتی حکومت کو ایک بات کا تو بخوبی اندازہ تھا کہ اگر داؤد ابراہیم کی موجودگی کا پتہ لگا بھی لیا جائے تو یہ ممکن نہ ہو گا کہ دبئی کی حکومت کو مجبور کیا جا سکے کہ داؤد ابراہیم کو بھارت بھیجنے پر مجبور کیا جائے۔ اس لیے بھارت کے پاس اب ایک ہی راستہ بچا تھا کہ داؤد ابراہیم کا سراغ لگتے ہی اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ لیکن دیار غیر میں اس کام کو اس احتیاط سے کرنا ضروری تھا کہ بعد میں بھارت کسی مشکل میں نہ پڑ جائے۔ بھارتی آئی بی ہرگز اس موڈ میں نہ تھی کہ اس کام کے لیے اپنے بندے بھیجتی۔ انہیں جو بھی منصوبہ بنانا تھا اس میں اس بات کا از حد خیال رکھنا ضروری تھا کہ وقت پڑنے پر بھارت کسی بھی کارروائی سے صاف مکر سکے۔ اس لیے آئی بی کسی کرائے کے قاتل کی تلاش میں تھی۔ لیکن انہیں اندازہ تھا کہ بھانڈا پھوٹنے کی صورت میں بھارت کو جگ ہنسائی کا سامنا کرنا ہو گا۔

ایک سینئر افسر نے کہا ''چھکا لگ گیا''۔

تمام افسران سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

اس پر اس افسر نے ان سے کہا ''اب تک جہاں ہم قانون کے ذریعے نہیں پہنچ پائے، وہاں ہم نے چھوٹا راجن سے مدد لی ہے۔ لہٰذا اس مرتبہ اسے ایسا کام کیوں نہ دیں جسے کرنے میں اسے بھی مزا آ جائے''۔ سینئر افسر ٹہلتا ہوا کھڑکی کی جانب گیا، وہاں رکا اور سگریٹ کا ایک لمبا کش لگا کر کہنے لگا ''شعلے کا فیشن کبھی ختم نہیں ہو سکتا''۔

اس بات پر کمرے میں موجود تمام افسران نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

ایک افسر نے پوچھا ''لیکن ٹھاکر بلدیو سنگھ کون بنے گا؟''

سینئر افسر نے جواب دیا ''وہی بنے گا جو واقعتاً بلدیو سنگھ ہی ہو''۔ یہ کہتے ہوئے اس افسر نے اپنی سگریٹ ایڑھی کے نیچے رگڑنا شروع کر دی۔

باقی افسران کافی دیر تک سینئر افسر کی جانب دیکھتے رہے۔ اس کے بعد ان کی آنکھیں چار ہوئیں تو گویا ان سب کے ذہن میں خود بخود ایک ہی خیال امڈ آیا۔ انہوں نے سوچا کہ بلدیو سنگھ کا کردار آئی بی کا کوئی ریٹائرڈ افسر ہی بخوبی انجام دے سکے گا۔ انہیں کسی ایسے افسر کی تلاش تھی جس کی سروس کا ریکارڈ صاف ستھرا اور بہادری کے کارناموں پر مبنی ہو۔

آخر یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ داؤد ابراہیم کے قتل کے لیے چھوٹا راجن کے شوٹرز کو ہی استعمال کیا جائے گا۔ اس آپریشن کو آئی بی کے ایک ایسے افسر کے ذریعے مانیٹر کروایا جانا تھا جو کہ آئی بی سے ریٹائرڈ ہو چکا ہو۔

چھوٹا راجن کو اس سلسلے میں پیغام بھجوایا جا چکا تھا۔ آئی بی کے افسران یہاں نفسیاتی حربہ استعمال کرنا چاہ رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ 2000ء میں چھوٹا راجن پر بنکاک میں جو حملہ داؤد ابراہیم کی جانب سے کروایا گیا تھا۔ وہ اب تک انتہائی غصے میں تھا اور اس ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے کسی مناسب موقع کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ آئی بی والوں نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ اگر اتنا بڑا آپریشن کرنا صرف چھوٹا راجن کے بس کی بات نہ ہوئی تو اس مقصد کے لیے مزید گینگسٹروں کی خدمات لینے پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔

بمبئی پولیس کرائم برانچ محکمہ سراغ رسانی کا افسر ڈپٹی کمشنر دھننجے کملاکار ایک نوجوان اور جوشیلا افسر تھا۔ حال ہی میں اس نے بمبئی شہر میں موجود کرائم کے مضبوط نیٹ ورک کے خلاف انتہائی کامیاب کارروائیاں کی تھیں۔ ان کامیابیوں کے بعد اب وہ اپنے ریکارڈ میں چند نئے کارنامے درج کروانے کا خواہاں تھا۔ کملاکار نے اپنے اہلکاروں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے علاقے میں کسی گینگسٹر کی داداگیری ہرگز برداشت نہیں کرے گا۔ وہ کہا کرتا تھا یا تو گینگسٹروں کو سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہیے یا قبروں کے اندر۔

کرائم برانچ والوں کو کسی نے مخبری کی کہ چھوٹا راجن کے انتہائی اہم شوٹر فرید تناشہ اور وکی ملہوترہ بھارت میں 24 پرگناس ویسٹ بنگال کی جانب سے داخل ہوئے ہیں۔ تناشہ اور ملہوترہ کافی عرصے سے مفرور تھے اور کہا جا رہا تھا کہ جنوب مشرقی ایشیا کے کسی ملک میں وہ دونوں روپوش تھے۔ اب جبکہ وہ دونوں خود ہی آ چکے تھے تو کرائم برانچ والے چاہتے تھے کہ وہ جانے نہ پائیں۔

اس کے بعد کرائم برانچ کے اہلکار فوراً ہی ان کی تلاش میں نکل پڑے۔ تناشہ اور ملہوترہ اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ کرائم برانچ والے ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ کرائم برانچ والوں کو ان دونوں کے بارے میں معلومات ایک ایسا شخص دے دیا تھا، جو ان کے سرپرست یعنی چھوٹا راجن کا دوست بھی تھا۔

شمالی بھارت کے چند علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد ان دونوں کو اوپر سے ہدایات دی گئیں کہ دہلی میں جا کر ایک شخص سے ملیں۔ کرائم برانچ والے تناشہ کی موبائل سم ٹریس کر چکے تھے اور اب اس دوران ہونے والی ساری گفتگو سن رہے تھے۔ اس کی حالیہ گفتگو بہت زیادہ مشکوک معلوم ہوئی تھی۔ کملاکار کے سپاہی سائے کی مانند ان کی حرکات سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ دراصل آئی بی والے داؤد ابراہیم قتل مشن کی غرض سے تناشہ اور ملہوترہ کو ضروری تربیت فراہم کر رہے تھے اور اسی سلسلے میں انہیں دہلی بلوایا گیا تھا۔ لیکن یہ بات ڈی سی پی کملاکار کے علم میں نہ تھی۔

ڈی سی پی کملاکار نے سوچا کہ دونوں گینگسٹروں دہلی میں شاید کسی بڑے سیٹھ یا سیاستدان کے قتل کے لیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا کملاکار نے اپنے سینئر افسران سے اجازت لی اور ان کی گرفتاری کے لیے ایک ٹیم دہلی روانہ کر دی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

قسط نمبر 56

ترجمہ: عبدالقادر

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم کو قتل کرنے کا سرکاری منصوبہ بے نقاب ہو گیا

جس وقت سابق آئی بی ڈائریکٹر نتاشہ اور ملہوترا کو پلان سے آگاہ کر رہا تھا، ڈی سی پی کملاکار گینگسٹرز کو گرفتار کرنے پہنچ گیا- اعلیٰ حکام کی مداخلت پر خالی ہاتھ لوٹنا پڑا- دوسرے دن تمام اخبارات انہی خبروں سے بھرے تھے- داؤد ابراہیم نے ولیمے کی تقریب میں شرکت نہ کرنیکا فیصلہ کر لیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

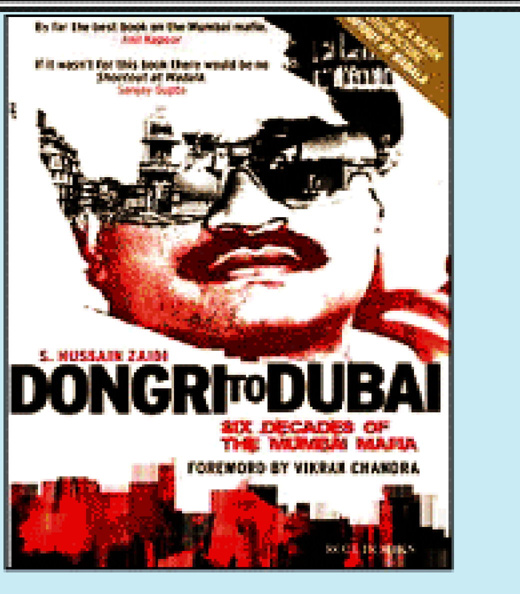

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرر ان ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، دارداراجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کر کے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

دبئی کے علاقے 'بر' میں گرینڈ حیات ایک عالیشان ہوٹل ہے۔ سینتیس ایکڑ اراضی پر پھیلا ہوا یہ عالیشان ہوٹل داؤد ابراہیم کی بیٹی کی شادی کی تقریب کے لیے انتہائی موزوں تھا۔ یہ ہوٹل دبئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے صرف سات کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اس بات کا عندیہ دیا جا رہا تھا کہ

ایئرپورٹ اس قدر قریب جگہ رکھنے کا مقصد یہی تھا کہ ولیمے میں داؤد ابراہیم کی شرکت یقینی ہو سکے۔ کیونکہ اگر اس دوران کوئی ناخوشگوار واقع پیش آ جاتا تو داؤد ابراہیم کے لیے راہ

PdfStuff.blogspot.com

فرار اختیار کرنا آسان ہوتا۔

بالآخر وہ دن قریب آنے لگا۔ پوری دنیا سے خفیہ ایجنسیوں کے اہلکاروں نے دبئی کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ چند اہلکاروں کو ہوٹل کے اردگرد کہیں رہائش کی جگہ مل گئی تو چند اسی ہوٹل میں موجود تھے۔ بھارت سے آنے والے صحافیوں نے بہت پہلے ہی ہوٹل میں بکنگ کروا رکھی تھی، تاکہ انہیں ہوٹل میں گھومنے پھرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

جب ولیمے کا دن آیا تو ہوٹل چاروں طرف سے میڈیا والوں کے نرغے میں تھا۔ ایک عام آدمی کو وہاں معمول کی سیکورٹی نظر آ رہی تھی۔ جب کہ حقیقتاً وہاں انتہائی غیر معمولی سیکورٹی تھی۔ بلکہ اس روز گرینڈ حیات ہوٹل پر ایک فوجی قلعے کی سی سیکورٹی تھی، لیکن سیکورٹی کے تمام انتظامات کو انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔ ہر آنے جانے والے شخص پر سی سی ٹی وی کیمروں سے نظر رکھی جا رہی تھی اور ہوٹل میں داخل ہونے والے افراد کی میٹل ڈی ٹیکٹر تلاشی لی جا رہی تھی۔

دہلی والوں کے ہاتھ سے وقت نکلتا جا رہا تھا۔ بھارتی ایجنسیاں اپنی تاریخ کے سب سے بڑے آپریشن کی تیاری میں لگی ہوئی تھیں۔ غلطی کی ذرہ برابر بھی گنجائش موجود نہیں تھی۔ بمبئی ڈان داؤد ابراہیم نے پچھلی دو دہائیوں سے ان ایجنسیوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں اور اب انہیں حساب چکانا تھا۔ وہ داؤد ابراہیم کو اتنی بڑی سزا دینا چاہتے تھے کہ اس کی اپنی بیٹی کی شادی سے ہی اس کی لاش اٹھے۔

آئی بی افسران آپریشن کے آخری مراحل پر غور کر رہے تھے۔ نتاشہ اور ملہوترہ کو دبئی بھیجنے کے لیے جعلی دستاویزات بنوائی جا چکی تھیں۔ اب انہیں دبئی روانہ کرنے سے قبل آخری بریفنگ دینا باقی تھی۔ دونوں شوٹر اور ایک سابقہ آئی بی ڈائریکٹر ایک کمرے میں موجود تھے۔ تینوں افراد کے پاس چند بلو پرنٹ تھے، جن پر گرینڈ حیات ہوٹل کی تصاویر تھیں۔ یہ لوگ اس بات کا جائزہ لے رہے تھے کہ آپریشن کہاں سے کیا جائے گا۔ کون کون سی جگہیں آپریشن کرنے اور فرار ہونے کے لیے محفوظ تھیں۔

تینوں افراد انتہائی باریک بینی کے ساتھ منصوبے کا جائزہ لے رہے تھے کہ اسی دوران دروازہ کھلا اور ڈی سی پی کملاکار اپنے ساتھیوں سمیت اندر داخل ہو گیا۔ آئی بی افسر نے جب ایک پولیس افسر کو یوں بلا اجازت اندر آتے دیکھا تو اسے غصہ آ گیا اور وہ ڈی سی پی کملاکار پر برس پڑا۔ ڈی سی پی کملاکار نے انتہائی بڑے بڑے سیاست دانوں پر بھی ہاتھ ڈالا تھا اور ان سب چیزوں کا عادی تھا۔ اس نے دباؤ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ دونوں مجرموں نتاشہ اور ملہوترہ کو لے کر ہی جائے گا۔

بالآخر آئی بی والوں کو اوپر فون کرنا پڑا اور جب بمبئی سے اعلیٰ پولیس حکام نے کملاکار کو فون کیا تو وہ دونوں مجرموں کے بغیر واپس آنے پر راضی ہو گیا۔ البتہ کملاکار کو اس طرح ناکام لوٹنے پر بے حد ملال تھا۔ اس طرح کی صورت حال کا پیدا ہونا اس بات کا ثبوت بھی تھا کہ ملک کی دو انتہائی اہم ایجنسیوں کے مابین باہمی روابط کا انتہائی فقدان ہے۔ اگر آئی بی والے بمبئی پولیس کو اپنے ارادوں سے بروقت آگاہ کر دیتے تو اس شرمندگی سے بہرحال بچا جا سکتا تھا۔

اگلے دن کے اخبارات کے صفحۂ اول پر اس خبر کو جگہ دی گئی۔ یہ خبر ٹائمز آف انڈیا سمیت دیگر قومی اور مقامی اخباروں میں بھی شائع کی گئی۔ اس خبر سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ نتاشہ اور ملہوترہ کے ساتھ ڈیل کرنے والا ریٹائرڈ آئی بی افسر اجیت دوول تھا۔ دوول حال ہی میں بطور آئی بی چیف ریٹائر ہوا تھا۔ پنجاب میں کیا جانے والا آپریشن بلو اسٹار دوول کی وجہ شہرت بنا تھا۔ اس کے علاوہ دوول ایک بہت ہی منجھا ہوا مذاکرات کار بھی تھا۔ اس کی اس صلاحیت کا اندازہ اس وقت ہوا تھا جب اس نے IC814 کے ہائی جیکروں سے کامیاب مذاکرات کئے تھے۔ غالباً وہ واحد آئی پی ایس تھا، جسے اعلیٰ ملٹری ایوارڈ کرتی چکرا سے نوازا گیا تھا۔

ٹائمز آف انڈیا میں چھپنے والی رپورٹ نے پولیس اور میڈیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ بدنام زمانہ گینگسٹروں کے ساتھ مل کر اس انداز سے کسی آئی بی افسر کے کام کرنے کی یہ پہلی مثال سامنے آئی تھی۔ پھر جب ''ممبئی مرر'' کے صحافیوں نے اصل کہانی جاننے کے لیے دوول کا موقف حاصل کرنا چاہا تو دوول نے بات کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے صرف اتنا بیان دیا کہ ''میں گھر میں فٹ بال میچ دیکھ رہا تھا''۔

لیکن بلی تھیلے سے باہر آ چکی تھی۔ بھارتی حکومت کی جانب سے داؤد ابراہیم کو کرائے کے قاتلوں سے مروانے کا منصوبہ فاش ہو چکا تھا۔

بالآخر وہ دن بھی آ گیا، جس کا سب کو انتظار تھا۔ دعوت ولیمہ کے لیے 500 مہمانوں کو دعوت نامے بھیجے گئے تھے اور پرتکلف ڈنر کا اہتمام تھا۔ پورا ماحول انتہائی خوب صورت پھولوں سے سجایا گیا تھا، جن کی بھینی بھینی خوشبو چار سو پھیلی ہوئی تھی۔ اس دعوت کی سب سے منفرد بات یہ تھی کہ آنے والے مہمانوں کو بھارتی روایات کے مطابق جلیبیاں پیش کی گئیں۔ جلیبیاں دبئی کے ہوٹل میں پہلی مرتبہ لائی گئی تھیں۔ بمبئی میں داؤد ابراہیم کے رشتہ دار اس تقریب میں آنے کے لیے بے حد بے تاب تھے، لیکن حکومت نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی۔ یہاں تک کہ داؤد ابراہیم کی سگی بہن حسینہ پرکار کو بھی بھارت نے ویزا دینے سے انکار کر دیا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

لیکن گمان کیا جا رہا تھا کہ داؤد ابراہیم اپنی زندگی کے یہ حسین ترین لمحات کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا۔ داؤد ابراہیم بھی ولیمے کے دن تک ہر امکان کا جائزہ لیتا رہا کہ دعوت پر جایا جائے یا نہیں۔ داؤد ابراہیم جس دنیا کا باسی تھا، وہاں ہر وقت آنکھیں کھلی رکھنی ہوتی ہیں۔ ذرا سی غفلت کی بہت بڑی قیمت چکانا پڑ جاتی ہے۔ اس کی انٹیلی جنس بھی ایسے تمام حالات اور واقعات سے آگاہ رکھے ہوئے تھی۔ داؤد ابراہیم کے ساتھیوں نے داؤد ابراہیم کو متنبہ کر دیا تھا کہ اس کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ایک باپ کی حیثیت سے اس کا اپنی بیٹی کی دعوت ولیمہ سے دور رہنا انتہائی مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

داؤد ابراہیم کو آئی بی کے منصوبوں کا علم ہو چکا تھا اور وہ خود بھی محسوس کر رہا تھا کہ اس کا ولیمے میں جانا انتہائی خطرناک ہے۔ داؤد ابراہیم، نکاح اور دیگر تقریبات میں تو موجود رہا۔ لیکن اس نے دل پر پتھر رکھ کر بالآخر فیصلہ کر لیا کہ وہ دعوت ولیمہ میں شرکت نہیں کرے گا۔

البتہ داؤد ابراہیم کے غم کو کم کرنے اور اس کی شرکت کو ممکن بنانے کے لیے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ وہ تقریب کے تمام مناظر ویڈیو کانفرنسنگ سسٹم کے ذریعے دیکھ رہا تھا۔ داؤد ابراہیم کو مناظر دکھانے کیلئے خفیہ کیمرے ہوٹل کے ہر کونے میں نصب کئے گئے تھے۔ ایک جانب تو ان کیمروں کی مدد سے داؤد ابراہیم نے تقریب میں آدھی شرکت کر لی تھی۔ جبکہ دوسری جانب داؤد ابراہیم آنے والے مہمانوں پر انتہائی باریک بینی سے نظر بھی رکھے ہوئے تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کس کے کیا عزائم ہیں۔ کون اسے مبارکباد دینے آیا ہے اور کون اسے قتل ہوتا دیکھنے آیا ہے۔ کیمرے کی نظر نے ہر ایک کے عزائم کو بخوبی تاڑ لیا۔

جاوید میانداد آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے رہے۔ جب کوئی ان سے داؤد ابراہیم کی آمد کے بارے میں پوچھتا، تو جاوید میانداد صرف اتنا کہتے: ''سب آئے ہیں''۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com
PdfStuff.blogspot.com

دبئی سے فرار ہوکر ابو سالم کو کہیں پناہ نہ مل سکی

PdfStuff.blogspot.com

تین سال تک مونیکا بیدی کے ساتھ مارا مارا پھرتا رہا- جہاں گیا داؤد ابراہیم کے کارندوں نے تلاش کرلیا-لزبن کو آخری ٹھکانہ بنایا-چند دن سکون سے گزارے تھے کہ پرتگالی پولیس نے گرفتار کرلیا- بھارت نے سالم کو تحویل میں لینے کیلئے پرتگال حکومت سے قیدیوں کے تبادلے کا معاہدہ کیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

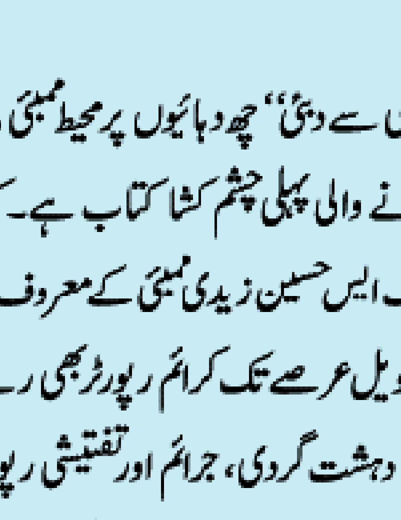

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج ممبئی ٹیرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرران ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابوسالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کئے جا رہے ہیں۔

ابوسالم کی انیس ابراہیم سے ان بن ناقابل واپسی مقام تک پہنچ چکی تھی۔ ابوسالم دبئی سے کسی ایسے مقام منتقل ہونا چاہتا تھا، جہاں اس کی جان کو خطرات لاحق نہ ہوں۔ جس دن سالم دبئی سے فرار ہوا تھا، اسے کہیں جائے پناہ نہ ملی تھی۔ وہ دوڑتا ہی چلا جا رہا تھا۔ تین سال تک وہ ایک ملک سے دوسرے ملک پناہ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ ایک مرتبہ پھر چھوٹا راجن کی تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ داؤد ابراہیم کے ہاتھ اتنے لمبے ہو چکے تھے کہ ابوسالم چھ براعظموں میں جانے کے باوجود خود کو محفوظ بنانے میں ناکامی محسوس کرتا رہا۔ ابوسالم امریکہ چلا گیا اور وہاں سے یورپ آگیا اور بالآخر جنوب مشرقی ایشیا کے خطے میں آچھپا۔

ان تین برسوں کے دوران ابوسالم کا مونیکا بیدی سے رابطہ بھی رہا۔ امریکہ میں وقت گزارنے کے دوران ابوسالم کی بیوی سمیرا جمانی بھی اس کے ساتھ تھی۔ دنیا کے مختلف ممالک میں مارے مارے پھرنے کے دوران ابوسالم کو واقعتاً یہ اندازہ ہوگیا کہ داؤد ابراہیم اپنے مخالفوں کے لیے دنیا چھوٹی کر دیتا ہے۔ وہ جہاں بھی گیا چند دن ہی سکھ کا سانس لے سکا کہ اسے تلاش کرلیا گیا۔ اس کے بعد وہ پھر مونیکا بیدی کے ساتھ ایک نئی پناہ گاہ کی جانب چل پڑتا۔

سالم اور مونیکا نے سوچا کہ کیوں نہ لاؤس کو اپنا بیس کیمپ بنائیں۔ لیکن جب انہیں خیال آیا کہ کمبوڈیا میں چھوٹا راجن کا کیمپ ہے تو انہوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ لاؤس، کمبوڈیا سے کچھ خاص دور نہ تھا۔ وہاں چھوٹا راجن ان کے لیے مصیبت کھڑی کر سکتا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کی مثال کہیں ان پر صادق نہ آجائے۔ چھوٹا راجن سے قریب رہ کر ان کے لیے آزادی کے ساتھ کام کرنا ممکن نہ ہو سکتا تھا۔ یہ دونوں مشورے کرتے رہے کہ آخر کس ملک میں جا کر آباد ہوں۔ بالآخر انہیں یورپ کچھ محفوظ دکھائی دیا، لیکن سوئٹزرلینڈ کا تصور انہوں نے چند وجوہات کی بنا پر اپنے ذہن سے نکال دیا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ بالی ووڈ کی فلموں کے لیے پسندیدہ شوٹنگ کا مقام سوئٹزرلینڈ ہی تھا۔ اس لیے یہ لوگ وہاں سے پکڑے جا سکتے تھے۔

PdfStuff.blogspot.com

مونیکا بیدی کے لیے یورپ اجنبی نہ تھا۔ وہ وہیں پیدا ہوئی تھی اور اس کی پرورش بھی وہیں ہوئی تھی۔ یورپ، مونیکا کے لیے اپنے وطن کی مانند تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی ایسے یورپی ملک میں جا کر رہا جائے جہاں انگریزی زبان عام نہ ہو اور ملک بھی ایسا ہو جہاں کے مقامی لوگوں میں سالم اور مونیکا بیدی گھل مل جائیں۔ لیکن اصل سوال اب بھی اپنی جگہ موجود تھا کہ ایسا کون سا ملک ہو سکتا ہے؟

بالآخر دونوں کی نظر پرتگال پر جا ٹھہریں اور پرتگال میں انہوں نے لزبن میں رہائش کو ترجیح دی۔ لزبن اپنے خوب صورت مناظر کی وجہ سے مشہور ہے۔ بحر وسطیٰ میں آباد لزبن اس خطے کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ اس شہر کی جانب کسی کا دھیان نہیں جائے گا اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ اس شہر کا موسم بھی ان کے لیے موزوں تھا۔

بالآخر تین سال دوڑتے دوڑتے انہوں نے لزبن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ انہوں نے سوچا کہ لزبن انہیں فرحت اور سکھ کے مستقل لمحات فراہم کر سکے گا۔ کچھ تگ و دو کے بعد انہیں ایک مناسب اور خوب صورت گھر بھی مل گیا۔ ابھی سالم نے سکھ کا سانس لیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور دوسری جانب سے ایک اجنبی شخص کی آواز سنائی دی ''ابھی انیس بھائی نے تیرا پیچھا نہیں چھوڑا ہے سالم!''۔ یہ سننا تھا کہ سالم کی رگوں میں خون جم کر رہ گیا۔ یہ فون کال سننے کے بعد سالم سکتے میں آگیا۔ ابھی اس نے اپنی دنیا آباد کرنے کے بارے میں سوچا ہی تھا کہ بے رحم دشمن نے اس کے پیروں تلے سے زمین ہی کھینچ لی۔

اب اس کے سامنے صرف دو ہی راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ اپنا بوریا بستر لپیٹے اور ایک مرتبہ پھر اپنی جان بچانے کے لیے دنیا کے کسی محفوظ کونے کی تلاش شروع کر دے یا پھر یہ کہ تھوڑی ہمت کرکے انیس بھائی سے فون پر بات کرے اور انیس بھائی کو کسی نہ کسی طرح راضی کرے۔

جہاں تک راہ فرار اختیار کرنے کا تعلق ہے تو وہ امریکہ جانا چاہتا تھا۔ لیکن 11 ستمبر کو ٹوئن ٹاور پر حملے کے بعد سے امریکہ ایسے ہندوستانیوں کے لیے کوئی محفوظ مقام نہ رہا تھا، جن کی سفری دستاویزات میں گڑبڑ تھی۔ اس واقعے کے بعد سے امریکی انتظامیہ نے آنے جانے والوں کی کڑی نگرانی شروع کر دی تھی اور اب پاسپورٹ اور دیگر سفری دستاویزات کی انتہائی سختی کے ساتھ چیکنگ کی جاتی تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

اگلے ہی لمحے اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ داؤد بھائی کو فون کیا جائے اور ان سے منت سماجت کی جائے کہ انیس بھائی کو سمجھائیں کہ بھائی جو ہو گیا سو ہو گیا، اس پر مٹی ڈالیں اور اسے خدمت کا ایک اور موقع دیں۔ پھر اسے خیال آیا کہ شاید اس سے کام نہ چلے گا اور ایک طرح سے خود ہی وہ انہیں اپنا سراغ دے دے گا اور اس طرح با آسانی ان کا نشانہ بن بیٹھے گا۔ مختلف صورتوں پر غور کر کر کے وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔ کوئی مناسب صورت تھی کہ سوجھتی ہی نہ تھی۔

ابوسالم گہری سوچ میں گم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا سے کیا ہو گیا۔ آخر داؤد بھائی اور انیس بھائی کے ساتھ معاملات اتنے کیوں بگڑ گئے۔ وہ اپنا محاسبہ کرنے لگا کہ ایک وقت تھا کہ وہ انیس بھائی کا دایاں بازو تھا اور بھائی نے اندھا اعتماد کرکے سارے معاملات اس کے حوالے کر رکھے تھے اور اب یہ وقت بھی دیکھنا تھا کہ بھائی اس کی جان کے دشمن تھے۔ داؤد ابراہیم کے کارندوں نے سالم پر دنیا تنگ کر رکھی تھی۔ جان کا خوف اسے کہیں ٹھہرنے نہیں دے رہا تھا۔ ایک زمانے کا شوٹر آج اپنی جان بچانے کے لیے دوڑتا پھر رہا تھا۔

ایک بدقسمت دن سالم کے فلیٹ پر کسی نے دستک دی۔ اس کے بعد سے حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ سالم اور مونیکا کی دنیا میں ایک بھونچال سا آگیا۔ دروازہ کھلتے ہی دونوں کیا دیکھتے ہیں کہ پرتگالی پولیس دروازے سے باہر کھڑی انہیں بتا رہی تھی کہ وہ دونوں زیر حراست ہیں۔ یہ ستمبر 2002ء کی بات ہے۔ سالم کو لزبن سے قریب ہی ایک جیل میں ڈال دیا گیا۔ ان دونوں کی خوش قسمتی تھی کہ دونوں ایک ہی جیل میں تھے، اس لیے ان کی جیل میں ملاقات بھی ہوتی رہتی تھی۔ سالم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ پولیس کو ان کے بارے میں کیسے خبر ہو گئی۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ انیس بھائی نے ان کی مخبری کر دی ہو؟ حالات و واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے سالم نے سوچا، عین ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔

سالم کو کچھ افواہیں سننے کو ملیں کہ جلد ہی اسے اور مونیکا کو کہیں منتقل کیا جانے والا ہے۔ سالم وہاں سے جانے پر خوش بھی تھا، لیکن آگے کیا ہونے والا ہے، اس بات نے اسے پریشانی میں بھی مبتلا کر رکھا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

سالم کے پاس دبئی کی شہریت تھی۔ اس لیے اسے یقین تھا کہ اسے دبئی کی کسی جیل میں ہی منتقل کیا جائے گا۔ اس نے سوچا کہ دبئی کی جیل میں اس کا وقت زیادہ اچھا اور محفوظ کٹ سکے گا۔ اسی لیے وہ کچھ مطمئن سا تھا۔ لیکن اس کی قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ اس کی امیدوں کے برعکس اسے وہاں منتقل نہیں کیا گیا۔ سی بی آئی حرکت میں آگئی اور سالم کو بھارت منتقل کروانے کی کوششیں تیز کر دی گئیں۔ یہ تو وہ سرزمین تھی، جو سالم کے جرائم کی تاریخ سے بھری پڑی تھی۔ سالم نے جب سنا تو اسے شدید پریشانی لاحق ہوئی۔ بھارت کی کسی جیل میں منتقل کئے جانے کا مطلب تو صرف اور صرف مکمل تباہی تھی۔ اس لیے سالم نے ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیئے۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ اسے بھارتی جیل میں نہ بھیجا جائے۔ جلد ہی سالم کو ایک اچھی خبر سننے کو ملی کہ پرتگال اور بھارت کے مابین قیدیوں کے تبادلے کا کوئی قانون یا معاہدہ موجود نہیں ہے۔ نیز یورپی ممالک سے اپنے مطلوبہ ملزمان کو حاصل کرنے کے بارے میں بھارتی ایجنسیوں کا ریکارڈ بھی کچھ خاص تسلی بخش نہیں رہا ہے۔

1995ء میں بھارتی حکومت نے لندن سے اقبال میمن عرف اقبال مرچی کو ڈی پورٹ کروانا چاہا، لیکن ناکام رہی۔ اس کے کئی سال بعد گلشن کمار کے قتل کی سپاری دینے کے ملزم میوزک کمپوزر ندیم سیفی کو لندن سے ڈی پورٹ کروانے میں ناکامی کا سامنا بھی اسے کرنا پڑا۔ لاکھوں روپے خرچ کرنے اور درجنوں وکیلوں کی خدمات حاصل کرنے کے باوجود بھارتی پولیس اور ایجنسیاں ان لوگوں کو اپنی تحویل میں لینے میں ناکام رہیں۔

لیکن اس مرتبہ سی بی آئی کی پوری کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح سالم ان کے ہاتھ آجائے۔ اسی اثنا میں بھارتی حکومت نے کوششیں کرکے قیدیوں کے تبادلے کے سلسلے میں پرتگال سے ایک معاہدہ کرلیا اور اس طرح سالم کے ہندوستان منتقل کئے جانے کے امکانات ایک مرتبہ پھر روشن ہو گئے۔ البتہ پرتگالی حکومت نے ابوسالم کو بھارتی حکام کے حوالے کرنے سے پہلے کئی یقین دہانیاں حاصل کیں۔ سی بی آئی نے جرائم کی ایک لمبی فہرست پرتگالی حکومت کے سامنے رکھ دی، جن میں ابوسالم کو ملزم ٹھہرایا گیا تھا۔ ان الزامات میں گلشن کمار کا قتل بھی شامل تھا۔

اسی قانونی جنگ کے دوران مونیکا بھی ابوسالم سے بیزار ہو چکی تھی۔ اب ان کی ملاقاتیں بہت کم ہوتی تھیں اور جو ہوتی بھی تھیں، ان میں کوئی گرم جوشی باقی نہ رہی تھی۔

بالآخر جنوری 2005ء میں سی بی آئی سالم کو اپنی تحویل میں لینے میں کامیاب ہو گئی۔ ایک خصوصی طیارے کے ذریعے سالم کو قاہرہ کے راستے بھارت لایا گیا۔ جیسے ہی سالم اور مونیکا بمبئی ایئرپورٹ پہنچے، سی بی آئی ڈپٹی انسپکٹر جنرل اوم پرکاش، ڈی ایس پی دویندرا پردیسی اور دیگر انسپکٹروں پر مشتمل ایک ٹیم انہیں وہاں لینے پہنچ گئی۔

سالم کو پرتگال میں تین سال قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ پرتگال کی حکومت نے سالم کو بھارتی تحویل میں دینے سے قبل یہ شرائط عائد کی تھیں کہ اس پر جبر و تشدد نہیں کیا جائے گا۔ سزائے موت نہیں دی جائے گی اور قید کی سزا پچیس برس سے زائد نہیں دی جائے گی۔

پرتگال سے قاہرہ اور قاہرہ سے بھارت کے سفر کے دوران مونیکا اور سالم ساتھ بیٹھے رہے، لیکن مونیکا نے اسے دیکھا تک نہیں۔ دونوں بمبئی ایئرپورٹ پر بطور میاں بیوی اترے، لیکن اجنبیوں کی طرح الگ الگ راستوں پر چل پڑے۔ سالم کو آرتھر جیل روڈ جیل میں 10x10 فٹ کے سیل میں رکھا گیا۔ یہ سیل انڈہ نما بنایا گیا تھا۔ جہاں قیدیوں کو انتہائی نگہداشت کے تحت قید تنہائی میں رکھا جاتا تھا۔ بمبئی پولیس والے اس مرتبہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتے تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ ان کی ذرا سی غفلت کی وجہ سے داؤد ابراہیم کے لوگ سالم کو ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ البتہ جب انہیں کچھ تسلی ہو گئی کہ ایسا کچھ نہیں ہونے والا تو انہوں نے سالم کو بیرک نمبر 10 میں منتقل کر دیا۔

PdfStuff.blogspot.com

یہ مخصوص بیرک کئی بڑے بڑے گینگسٹرز کا گھر رہ چکی ہے۔ اس بیرک کو بے حد آرام دہ بنایا گیا ہے۔ اس بیرک میں سالم کے دوست احباب بھی اس سے ملنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ اسے اچھا کھانا بھی ملنے لگا تھا جو کہ اس کا بھتیجا اسے لا کر دیا کرتا تھا۔ اس بیرک میں سالم کی ملاقات بہت سے گینگسٹرز سے ہوئی، جن کے ساتھ کبھی اس نے اچھا وقت گزارا تھا۔ اس لیے وہ اس بیرک میں بہت خوش تھا۔ البتہ جب 1993ء میں بمبئی حملوں کے بارے میں عدالت نے فیصلہ کر دیا تو بہت سے گینگسٹرز اپنی سزا پانے کے لیے وہاں سے بھیج دیئے گئے اور ابوسالم ایک مرتبہ پھر اداس ہو گیا۔ اس کے بعد سالم وہاں خطرناک قیدیوں سے ملتا رہا، جو وہاں آتے اور جاتے رہے۔ کچھ جان پہچان والے تھے اور کچھ انجان۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

PdfStuff.blogspot.com

دنیا کے بااثر افراد میں داؤد ابراہیم کا پچاسواں نمبر تھا

PdfStuff.blogspot.com

فوربز میگزین نے 2009ء کی فہرست میں اوباما کو پہلا۔ من موہن سنگھ کو انیسواں نمبر دیا تھا۔ بھارتی حکومت داؤد ابراہیم کو عالمی مطلوبہ افراد کی فہرست میں شامل کرا کے بھی گرفتار نہ کرا سکی۔ آج بھی بھارتی سیاستدانوں سے بمبئی ڈان کے روابط ہیں۔ بالی ووڈ فلمیں ڈی کمپنی کی سرمایہ کاری کے بغیر کامیاب نہیں ہوتیں۔ بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

چھبیس دسمبر 2010ء کو داؤد ابراہیم کی 55 ویں سالگرہ تھی اور اس کی سالگرہ کا اس سے بہتر تحفہ اسے نہیں مل سکتا تھا کہ فوربز میگزین نے دنیا کے بااثر ترین افراد سے متعلق 2009ء کی فہرست میں داؤد ابراہیم کا نام پچاسویں نمبر پر شائع کیا۔ اس فہرست میں سب سے اوپر امریکی صدر بارک اوباما کا نام تھا۔

عجیب بات ہے کہ ہندوستان سے راہ فرار اختیار کرنے والا یہ بمبئی ڈان اپنے ہی وطن کے وزیراعظم سے اس فہرست میں کچھ ہی نیچے ہے۔ بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ کو اس فہرست میں 19 ویں نمبر پر رکھا گیا ہے۔ من موہن سنگھ سے صرف ایک قدم پیچھے اسی فہرست میں ہمیں اسامہ بن لادن کا نام ملتا ہے۔ اس فہرست میں بااثر 67 کی تعداد میں سیاست دانوں، بزنس مین، مذہبی شخصیات، میڈیا پرسنز اور منشیات فروشوں کے نام شامل کئے گئے ہیں۔

فوربز کے ایڈیٹر کے مطابق مذکورہ فہرست مرتب کرنے کے لیے چار باتوں کو پیمانہ بنایا گیا ہے۔ اولاً، یہ کہ ایسا شخص اپنے اثر ورسوخ سے دنیا میں کتنی تعداد میں لوگوں پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔ ثانیاً، اس کے کارندے کس حد تک مالیاتی مسائل اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہیں۔ ثالثاً، ان کی طاقت کثیرالجہتی ہے یا نہیں اور آخراً یہ کہ ایسے شخص کی جانب سے قوت کا بھرپور استعمال کیا بھی جاتا ہے یا نہیں۔

ان معیارات کی بنیاد پر بارک اوباما کے بعد روسی وزیراعظم ولادیمیر پیوٹن اور چینی وزیراعظم ہوجن تاؤ کو رکھا گیا ہے۔ اسی فہرست میں پوپ بینی ڈکٹ XVI کو ساتواں نمبر ملا ہے۔ داؤد ابراہیم کے علاوہ جوکیمن گزمین وہ واحد گینگ لارڈ ہے، جسے اس فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ انڈر ورلڈ میں گزمین کا سفر اور اس کا خاندانی پس منظر داؤد ابراہیم سے بڑی حد تک مماثلت رکھتا ہے۔ گزمین کے نصف درجن سے زائد بہن بھائی تھے اور داؤد ابراہیم کی طرح اس کی بچپن کی زندگی بھی کسمپرسی کے عالم میں گزری تھی۔ البتہ گزمین کا والد اس کے ساتھ شریک رہا، جبکہ داؤد ابراہیم کے والد ابراہیم کاسکر ایک پولیس کانسٹیبل تھے اور ان کا اثر ورسوخ بمبئی میں اپنے علاقے کی مخصوص مسلم کمیونٹی تک محدود تھا۔

ایک مشابہت جو دونوں گینگ لارڈز میں پائی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں گینگ لارڈز نے 20 برس کی عمر میں انڈر ورلڈ میں اہمیت اختیار کرلی تھی اور پھر اس کے بعد ان کا نام اس دنیا میں اوپر ہی اوپر جاتا رہا۔ میکسیکو کی انڈر ورلڈ سے تعلق رکھنے والے گزمین کے اثاثے ایک بلین امریکی ڈالر تک جا پہنچے ہیں۔ البتہ داؤد ابراہیم کی دولت کے اعداد وشمار میسر نہیں ہوسکے ہیں۔

گو کہ گزمین فوربز کی فہرست میں داؤد ابراہیم کے مقابلے میں اوپر نظر آتا ہے، لیکن یو ایس بزنس میگزین کے مطابق طاقت کے استعمال اور اثر ورسوخ کے اعتبار سے داؤد ابراہیم گزمین پر سبقت لیے ہوئے نظر آتا ہے۔

داؤد ابراہیم نے اپنی انڈر ورلڈ سلطنت کو انتہائی احتیاط اور سمجھداری سے چلانے میں کئی سربراہان ریاست کو بھی مات دے دی ہے۔

اپنی انتہائی کوششوں کے بعد بالآخر بھارت نے امریکیوں سے یہ بات منوالی کہ عالمی دہشت گردی میں داؤد ابراہیم کا ہاتھ بھی ملوث ہوسکتا ہے۔ گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد امریکی، مطلوبہ افراد کی فہرست کو بڑی فراخ دلی کے ساتھ وسعت دے رہے تھے۔ انہوں نے اس فہرست میں داؤد ابراہیم کا نام بھی شامل کرلیا۔

PdfStuff.blogspot.com

بھارتی حکومت نے 9/11 اور اسامہ بن لادن کے ساتھ داؤد ابراہیم کا تعلق جوڑنے کی غرض سے 93ء بمبئی بم دھماکوں کو بطور مثال پیش کیا۔ ان کا موقف تھا کہ ایسا شخص جو اس بری طرح بمبئی شہر کو ہلا سکتا ہے، صرف اسی نے ٹوئن ٹاورز کو گرانے میں اسامہ بن لادن کو معاونت فراہم کی ہوگی۔

بالآخر 16 اکتوبر 2003ء کے دن یو ایس ٹریژری ڈپارٹمنٹ کی جانب سے باقاعدہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ بحوالہ ایگزیکٹو آرڈر نمبر 13224 داؤد ابراہیم کو عالمی سطح پر مطلوبہ افراد کی فہرست میں شامل کیا جائے۔ اس کے بعد سے امریکا اور دیگر ممالک میں داؤد ابراہیم کے بینک اکاؤنٹس اور اثاثوں کو منجمد کر دیا گیا۔ اقوام متحدہ کے ممبر ممالک سے بھی ایسا ہی کرنے کو کہا گیا۔ اسی ایگزیکٹو آرڈر میں داؤد ابراہیم کو اسامہ بن لادن سے بھی منسلک کر دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اسامہ بن لادن کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنے میں داؤد ابراہیم کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس ایگزیکٹو آرڈر کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسے بھارت کی خواہشات کے عین مطابق جاری کیا گیا تھا۔

اس کے بعد سے امریکی سی آئی اے نے داؤد ابراہیم کی حرکات وسکنات پر نظر رکھنا بھی شروع کردی۔ البتہ ان باتوں سے داؤد ابراہیم کے بزنس پر کچھ خاص فرق نہ پڑا۔ کرکٹ کے سٹے اسی طرح چلتے رہے اور بالی ووڈ کی کوئی فلم داؤد ابراہیم کی سرمایہ کاری کے بغیر کامیاب نہ ہوسکتی تھی۔ داؤد ابراہیم کا بزنس بھارت، ساؤتھ ایشیا، انڈونیشیا، ملائیشیا اور متحدہ عرب امارات میں اسی طرح چلتا رہا۔

جس وقت امریکی حکومت کی جانب سے داؤد ابراہیم کے خلاف آرڈر جاری کئے گئے، اس وقت بھارتی ڈپٹی وزیراعظم ایل کے ایڈوانی نے جو کہ امور خارجہ بھی دیکھ رہے تھے، بڑے طمطراق کے ساتھ کہا تھا کہ آج امریکا نے بھی بھارتی موقف کی تائید کردی ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی مخلوط حکومت نے اول روز سے ہی امریکا پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا کہ داؤد ابراہیم کو بھارت لاکر مقدمات کا سامنا کرنے پر مجبور کیا جائے اور وہ جہاں کہیں بھی ہو اسے بھارت لایا جائے۔ بی جے پی حکومت نے معاملات کو آگے بڑھانے کے لیے داؤد ابراہیم کے کاروبار سے متعلق پوری دنیا سے ڈیٹا اکٹھا کیا اور امریکی انتظامیہ کے حوالے کیا اور داؤد ابراہیم کو افغان طالبان کے ساتھ بھی منسلک کیا، تاکہ امریکا سنجیدگی کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھائے۔

بھارتی خفیہ ایجنسیاں اس سلسلے میں امریکی سی آئی اے کے ساتھ مل کر کام کررہی تھیں۔ ایڈوانی انتظامیہ نے داؤد ابراہیم کے خلاف امریکا کو بہت سے ثبوت فراہم کئے کہ داؤد ابراہیم اب محض ایک ڈان نہیں رہا، بلکہ شپنگ انڈسٹری، میڈیا، ڈرگ ٹریفکنگ اور اسلحے کی ترسیل میں وہ بے پناہ قوت حاصل کرچکا ہے۔ بھارت کے مطابق ڈی کمپنی کا سی ای او اب ایک بہت ہی طاقتور شخص بن چکا تھا۔ اس کے بعد مزید امریکی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے ایڈوانی نے امریکا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ داؤد ابراہیم کی سرگرمیاں نہ صرف امریکی، بلکہ اسرائیلی مفادات کے بھی خلاف جاری ہیں۔

PdfStuff.blogspot.com

اس سلسلے میں بھارتی ایجنسیوں نے امریکی انتظامیہ کو باور کرانے کی کوشش کی کہ ممباسا کے واقع میں بھی ڈی کمپنی ملوث تھی۔ کینیا کے شہر ممباسا میں 2002ء میں اُس ہوٹل کو بموں سے اڑا دیا گیا تھا، جہاں اسرائیلی ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس جہاز کو اڑانے کی بھی کوشش کی گئی جس میں اسرائیلی یہودی سوار تھے۔ اسی لیے دبئی سے انیس ابراہیم کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ آئی بی اور را کے اہلکاروں نے پوری کوشش کی تھی کہ امریکا کو یقین دلایا جائے کہ ممباسا میں موجود ڈی کمپنی کے ویئر ہاؤس نے اس کارروائی میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اس آپریشن کا چیف انیس ابراہیم تھا۔ کینیا میں ڈی کمپنی کے ایک اہلکار مدو چتور کو بھی چار سال قبل گرفتار کرلیا گیا تھا۔

البتہ امریکی ایگزیکٹو آرڈر اور بھارتی انٹیلی جنس کچھ بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ بالآخر بھارتی حکومت یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ شاید امریکا اس سلسلے میں سنجیدہ ہی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے امریکا اور بھارت کے تعلقات میں کچھ سرد مہری بھی آئی۔

داؤد ابراہیم آج بھی بھارت کی سرزمین سے دور بیٹھ کر بھارت پر اپنا اثر ورسوخ ظاہر کررہا ہے۔ آج بھی بالی ووڈ اس کے زیر اثر ہے۔ بلکہ اس نے بالی ووڈ کے بعد ہالی ووڈ میں بھی کامیاب بزنس کیا ہے۔ آج بھی کئی بھارتی سیاست دانوں سے اس کے روابط ہیں اور آج بھی بھارتی پولیس والوں کو داؤد ابراہیم جس کی چاہے سپاری دیتا ہے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

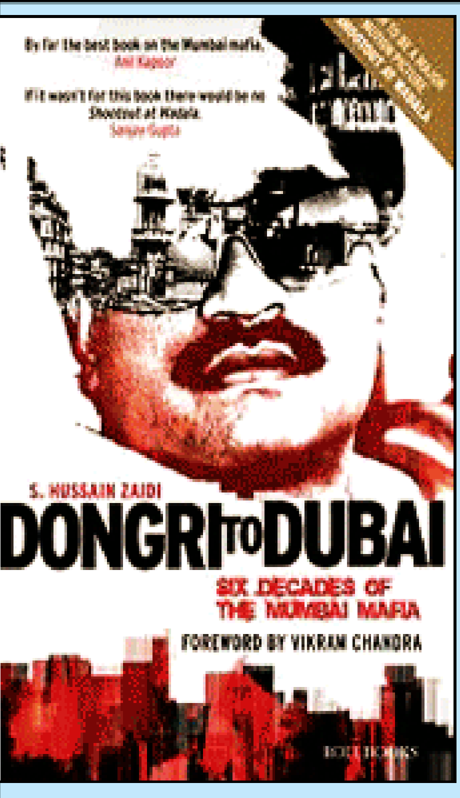

''ڈونگری سے دبئی'' چھ دہائیوں پر محیط ممبئی مافیا پر لکھی جانے والی پہلی چشم کشا کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف ایس حسین زیدی ممبئی کے معروف صحافی ہیں، جو طویل عرصے تک کرائم رپورٹر بھی رہے اور اس وقت دہشت گردی، جرائم اور تفتیشی رپورٹنگ کے حوالے سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ایشین ایج، ممبئی میرر، مڈڈے، انڈین ایکسپریس اور دیگر اخبارات اور جرائد سے بھی وابستہ رہے۔ انگریزی میں لکھی جانے والی ان کی دیگر دو تصانیف ''بلیک فرائیڈے'' اور ''مافیا کوئن آف ممبئی'' سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایس حسین زیدی ٹی وی چینل ایچ بی او کی جانب سے تیار کی جانے والی فلم ''ٹیرر ان ممبئی'' کے ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اس فلم میں ممبئی حملوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''ڈونگری سے دبئی'' نامی کتاب میں انہوں نے ممبئی انڈر ورلڈ کے قیام اور ان کے اہم کرداروں حاجی مستان، کریم لالہ، وارداراجن، چھوٹا راجن اور ابو سالم پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کا مرکزی کردار داؤد ابراہیم ہے، جو ایک پولیس والے کا بیٹا ہونے کے باوجود جرائم کی دنیا میں کھو گیا۔ ''دبئی سے ڈونگری'' میں داؤد ابراہیم کے گروہ کے بننے، ممبئی میں سب سے پہلے ''سپاری'' (پیسے کے عوض قتل کے احکامات دینا) نکالے جانے اور گینگ مافیا کے بھارتی فلم انڈسٹری بالی ووڈ کے ساتھ روابط جیسے واقعات کی بتدریج نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ داستان ایک ایسے شخص (داؤد ابراہیم) کے گرد گھومتی ہے۔ جس نے بہادری، چالاکی اور مضبوط اعصاب کی بنیاد پر خود کو ''ڈان'' منوایا۔ مذکورہ کتاب جرائم کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے واقعات کو تحقیقی انداز میں بھی پیش کرتی ہے۔ ''امت'' کے قارئین کے لیے کتاب کے منتخب اقتباسات ترجمہ کرکے سلسلہ وار شائع کئے جارہے ہیں۔

جمعۃ المبارک 21 دسمبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

قسط نمبر 59

ترجمہ: عبدالقادر

بمبئی بم دھماکوں کے بعد داؤد ابراہیم سے رابطہ خواب بن گیا

انڈرورلڈ ڈان سے کسی صحافی کا بات کرنا ناممکن ہوچکا تھا- آخرکار انڈین ایکسپریس انٹرویو کا وقت لینے میں کامیاب ہوگیا- لیکن اس کے لئے کچھ شرائط رکھی گئیں- رابطہ چھوٹا شکیل نے کرایا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

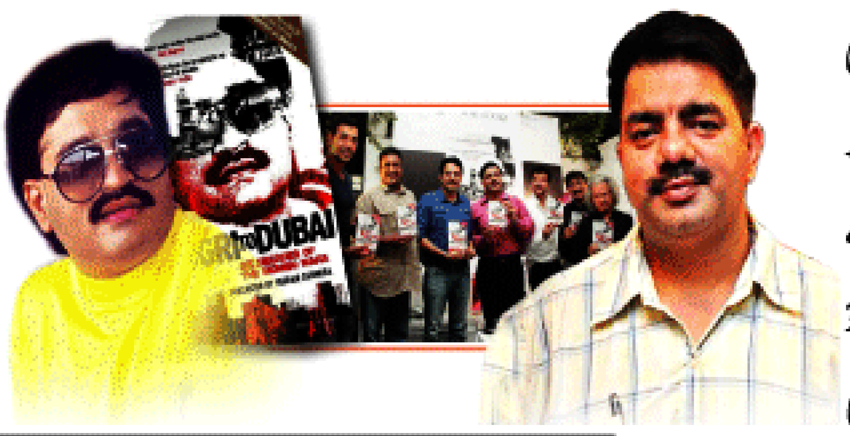

90ء کی دہائی میں جب میں نے بمبئی مافیا پر قلم اٹھایا، داؤد ابراہیم، بمبئی کے ساحلوں سے کہیں دور جاچکا تھا۔ اس کا نام پورے شدومد کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اس وقت سامنے آیا، جب 1993ء میں یکے بعد دیگرے بم دھماکوں سے بمبئی شہر لرز اٹھا۔ یہی وہ وقت تھا، جب وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے ملک کو لائسنس راج سے چھٹکارا دلانے کا تہیہ کرلیا تھا۔ نرسمہا راؤ کی پالیسیوں کے نتیجے میں بالآخر بھارت آزاد معاشی پالیسیوں سے روشناس ہوا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں بھارتی معیشت میں بھاری بھرکم سرمایہ کاری نے دھوم مچادی۔ مواقع کی اس بہتی گنگا میں بمبئی مافیا نے بھی ہاتھ دھوئے، جس کے بالی ووڈ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ بمبئی میں ریئل اسٹیٹ کا کاروبار بھی خوب چمکنے لگا۔ بمبئی شہر میں اس وقت ایک ہی ڈان موجود تھا، جس کا نام ارون گاؤلی تھا۔ البتہ ارون گاؤلی کا زیادہ تر وقت اس دوران جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزرا تھا۔ اشون نائیک اس دوران مفرور تھا۔ جبکہ داؤد ابراہیم دبئی جاچکا تھا۔ بمبئی میں کاروباری معاملات انیس ابراہیم کی زیر نگرانی چل رہے تھے۔ ابوسالم نے انیس ابراہیم کو بہت فوائد پہنچائے، لیکن ایک جانب انیس ابراہیم اور ابوسالم کے تعلقات خراب ہوگئے تو دوسری جانب چھوٹا راجن، داؤد ابراہیم کو چھوڑ کر چلا گیا۔ چھوٹا راجن اور داؤد ابراہیم کے مابین کچھ عرصہ چپقلش چلتی رہی، جس کا اثر خون خرابے کی صورت میں بمبئی شہر میں دیکھنے کو ملتا تھا۔ البتہ چھوٹا راجن نے کبھی کھل کر داؤد ابراہیم کے سامنے آنے کی جرأت نہ کی۔ بلکہ اپنی جان بچانے کے لیے چھپتا رہا۔

میرا تعلق اس نسل سے بعد کی نسل سے ہے، جس نے داؤد ابراہیم کو بمبئی کی گلیوں میں ڈان بنتے دیکھا ہے۔ بلکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں، جن کی وجہ سے مافیا کو زک پہنچی۔ میری کہانیاں مافیا ڈانوں کی کمین گاہوں کی نشان دہی، ان آپریشنوں کی چشم کشائی، بالی ووڈ سے ان کے تعلقات اور ان کی رنگ رلیوں پر مبنی تھیں۔ میں نے کئی ڈانوں سے بنفس نفیس ملاقاتیں کرکے ان کی کہانیاں سنیں۔ دگدی چاول کے ڈان، ارون سے میری ملاقات ساؤتھ بمبئی میں واقع ہرسل سینٹرل جیل اورنگ آباد میں ہوئی۔ اسی طرح جب جنوب مشرقی ایشیا کے ایک ملک میں میری ملاقات چھوٹا راجن سے ہوئی تو اس کی زبان داؤد ابراہیم کے لیے انگارے اگل رہی تھی۔ اس کے علاوہ میں نے داؤد ابراہیم کے دست راست چھوٹا شکیل، ابوسالم اور اشون نائیک سے بھی بات کی۔ البتہ بطور کرائم رپورٹر میرے کیریئر میں اب تک ایک تشنگی باقی تھی اور اس تشنگی کو بجھانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا، یعنی سب ڈانوں کے ڈان، داؤد ابراہیم کا انٹرویو۔

اس وقت تک بہت سے صحافی داؤد ابراہیم کے بارے میں لکھ رہے تھے، لیکن اس سے رابطے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ گوکہ 1993ء سے قبل کچھ صحافیوں نے داؤد ابراہیم کے انٹرویو کئے تھے، لیکن 1995ء سے تو داؤد ابراہیم، میڈیا کے ریڈار سے یکسر غائب ہوچکا تھا۔

اسی اثنا میں، میں نے بمبئی میں چھوٹا شکیل کے نیٹ ورک پر کام کرنا شروع کردیا۔ اس دوران میرا رابطہ چھوٹا شکیل کے حوالہ آپریٹروں، گینگ سرغناؤں اور دیگر افراد سے رہا۔ کچھ ہی عرصہ بعد میں پہلا بھارتی صحافی تھا، جس نے براہ راست چھوٹا شکیل سے رابطہ قائم کرلیا۔

چھوٹا شکیل سے کچھ عرصہ بات رہی اور اس کے بعد ایک روز میں نے چھوٹا شکیل سے فرمائش کرڈالی کہ مجھے داؤد ابراہیم سے ایک انٹرویو کرنا ہے۔

بالآخر چھوٹا شکیل اس انٹرویو کے لیے راضی ہوگیا۔ لیکن انٹرویو کے لیے چند شرائط طے کی گئیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ میں انٹرویو کسی تبدیلی یا تحریف کے بغیر شائع کروں گا اور دوسری شرط یہ تھی کہ داؤد ابراہیم تک پہنچانے والے شخص سے میں پھر کبھی رابطہ نہیں کروں گا۔ یہ اس انٹرویو کی ایک بہت بڑی قیمت تھی۔

PdfStuff.blogspot.com

اس طرح سے اس انٹرویو کا انتظام ہوا۔ مجھے ہدایات دی گئی تھیں کہ مجھے صبر کے ساتھ انتظار کرنا ہے۔ داؤد ابراہیم نے اپنی سہولت دیکھتے ہوئے مجھ سے رابطہ کرنا تھا۔ کافی عرصے تک میرے ذرائع کی جانب سے مجھے کوئی خبر نہ ملی۔ اسی دوران آؤٹ لک میگزین میں کہانی چھپی، جس میں داؤد ابراہیم کو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ کہانی داؤد ابراہیم کو اتنی بری لگی کہ اس نے اپنے کارندوں کو آؤٹ لک کے دفتر پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ پورے دفتر کو الٹ پلٹ دیا گیا۔ البتہ نہ تو کسی کو مارا گیا، نہ زخمی کیا گیا۔

چند دنوں بعد مجھے اپنے ڈیجیٹل پیجر پر ایک پیغام موصول ہوا کہ مجھے ایک فون نمبر پر کال کرنی ہے۔ اس وقت میں ایک رکشے میں سوار تھا۔ میں فوراً ہی رکشے سے اترا اور ایک مقامی ہوٹل سے اس نمبر پر رابطہ کیا۔ مجھے چند منٹ انتظار کرنے کو کہا گیا اور پھر اسی نمبر سے مجھے فون آیا۔

دوسری جانب سے انتہائی شائستگی سے میرا حال چال پوچھا گیا۔ انداز لکھنوی تھا۔ یہ سن کر میں نے سوچا کہ ڈان نے کسی انتہائی مہذب فون اٹینڈنٹ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا ”جناب، آپ کا اسم گرامی؟“ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب فون کے اس جانب آنے والی آواز نے کہا ”میں داؤد ابراہیم بول رہا ہوں، آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے“۔

میری داؤد ابراہیم سے 15 منٹ تک گفتگو ہوتی رہی۔ اس دوران داؤد ابراہیم نے کہا کہ میں انسانیت کا دشمن نمبر ایک نہیں ہوں اور پتہ نہیں کیونکر میرا نام بمبئی بم دھماکوں میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ میں نے کہا ”ٹھیک ہے، میں آپ کی باتیں ریکارڈ کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے ایک تفصیلی انٹرویو دے سکتے ہیں؟“۔ یہ انٹرویو بذریعہ فون و فیکس کیا جانا تھا۔ طے یہ پایا تھا کہ اگر داؤد ابراہیم کو کوئی سوال اچھا نہ لگا تو اسے بذریعہ فیکس دہرایا نہیں جائے گا۔

مجھے وقت، تاریخ اور ایک پی سی او کا نمبر دیا گیا، جہاں مجھے انتظار کرنا تھا۔ داؤد ابراہیم نے اپنے وعدے کے عین مطابق بھارت کے معیاری وقت کے مطابق دوپہر 1:40 پر مجھ سے رابطہ کیا۔ یہ انٹرویو پچاس منٹ تک چلتا رہا۔

بعدازاں میں نے اپنے ایڈیٹر یعنی انڈین ایکسپریس کی ایڈیٹر مینل بگھیل سے رابطہ کیا۔ وہ اس خبر سے خوش ہوئیں جیسا کہ میری ہر بڑی خبر سے خوش ہوا کرتی تھیں۔ ایڈیٹر کے مطابق میں نے بھارتی صحافت میں ایک نئی تاریخ رقم کردی تھی۔ بھارت سے جلاوطن ہونے کے بعد داؤد ابراہیم کا یہ پہلا میڈیا انٹرویو تھا۔

یہ انٹرویو انڈین ایکسپریس کے ستمبر 1997ء کے شمارے میں صفحہ اول پر شائع کیا گیا تھا۔ اخبار نے انٹرویو کا انٹرو اس طرح دیا تھا۔

بھارتی انڈرورلڈ مافیا کے سب سے بڑے ڈان اور بھارت کو انتہائی مطلوب شخص داؤد ابراہیم نے چار سال کی طویل خاموشی کے بعد انڈین ایکسپریس کے صحافی سید حسین زیدی کو 45 منٹ طویل انٹرویو دیا۔ یہ انٹرویو ایک خفیہ مقام سے دیا گیا۔ اس انٹرویو کے دوران داؤد ابراہیم نے کہا کہ بمبئی دھماکوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سوالات اور جوابات قارئین کی نذر ہیں۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

”مافیا کوئنز“ اتوار سے
امت میں ملاحظہ فرمائیں

”مافیا کوئنز“......”ڈونگری سے دبئی“ کے مصنف بھارتی صحافی ایس حسین زیدی کی دوسری بیسٹ سیلر کتاب ہے۔ بمبئی کے رہائشی آج بھی داؤد ابراہیم، کریم لالہ اور حاجی مستان کے ناموں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ جن کے بارے میں حسین زیدی اپنی کتاب ”ڈونگری سے دبئی“ میں چشم کشا حقائق پیش کرچکے ہیں۔ اسی کاوش کو آگے بڑھاتے ہوئے مصنف نے ”مافیا کوئنز“ تحریر کی۔ یہ انڈرورلڈ مافیا میں خواتین کے کردار پر لکھی گئی منفرد کتاب ہے۔ جو اتوار سے ”امت“ میں قسط وار شائع کی جارہی ہے۔

ہفتہ 22 دسمبر 2012ء
روزنامہ امت کراچی/حیدرآباد

آخری قسط

ترجمہ: عبدالقادر

PdfStuff.blogspot.com

بابری مسجد کی شہادت نے داؤد ابراہیم کی سوچ کو تبدیل کر دیا تھا

پندرہ برس قبل انڈین ایکسپریس کو دیئے جانے والے انٹرویو میں داؤد ابراہیم کا کہنا تھا، بابری مسجد شہید کر کے ایک بار پھر بھارتی مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کا جائزہ لینے پر مجبور کیا گیا- بمبئی ڈان نے بم دھماکوں سمیت لگائے جانے والے تمام الزامات مسترد کر دیئے تھے- بالی ووڈ فلموں میں سرمایہ کاری سے بھی انکار کیا- بھارتی مصنف کی کتاب سے اقتباسات

کتاب ''ڈونگری سے دبئی'' کے مصنف ایس حسین زیدی اس وقت معروف اخبار، انڈین ایکسپریس سے وابستہ تھے، جب انہوں نے داؤد ابراہیم سے تہلکہ خیز انٹرویو کیا۔ کتاب میں شائع اس انٹرویو کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

> **''مافیا کوئنز'' کل سے امت میں ملاحظہ فرمائیں**
>
> ''مافیا کوئنز''...... ''ڈونگری سے دبئی'' کے مصنف بھارتی صحافی ایس حسین زیدی کی دوسری بیسٹ سیلر کتاب ہے۔ بمبئی کے رہائشی آج بھی داؤد ابراہیم، کریم لالہ اور حاجی مستان کے ناموں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ جن کے بارے میں حسین زیدی اپنی کتاب ''ڈونگری سے دبئی'' میں چشم کشا حقائق پیش کر چکے ہیں۔ اسی کاوش کو آگے بڑھاتے ہوئے مصنف نے ''مافیا کوئنز'' تحریر کی۔ یہ انڈر ورلڈ مافیا میں خواتین کے کردار پر لکھی گئی منفرد کتاب ہے۔ جو کل سے 'امت' میں قسط وار شائع کی جا رہی ہے۔

زیدی: اس وقت آپ دنیا کے کس حصے میں موجود ہیں؟

داؤد ابراہیم: میں دنیا کے کسی بھی حصے میں جا سکتا ہوں۔ مجھے ماسوائے بھارت کے کہیں کوئی مسئلہ نہیں۔ کیونکہ بھارت میں میرے خلاف کئی جھوٹے اور سیاسی مقدمات کئے جا چکے ہیں۔

زیدی: یہ خبریں بھی سننے میں آ رہی ہیں کہ آپ نے پڑوسی ملک میں رئیل اسٹیٹ میں بہت سرمایہ کاری کی ہے اور فی الوقت بھی آپ کئی شاپنگ مال اور پلازہ کی تعمیر میں ملوث ہیں؟

داؤد ابراہیم: (حیرانگی کے ساتھ) کیا؟ یہ ایک انتہائی فضول اور احمقانہ خبر ہے۔

زیدی: کیا فی الوقت آپ نے اپنے گینگ کی سرگرمیوں سے دوری اختیار کر رکھی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو آج کل ان سرگرمیوں کو کون دیکھ رہا ہے؟

داؤد ابراہیم: میرا تعلق کسی حد تک بمبئی انڈر ورلڈ مافیا سے رہا ہے۔ اس کے علاوہ میں کسی گینگ میں ملوث نہیں رہا تو پھر فی الحال گینگ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا؟

زیدی: آپ اپنے بھتے کے دن بدن بڑھتے نیٹ ورک اور ڈرگ مافیا کی پھیلتی ہوئی سلطنت کے بارے میں کیا کہیں گے؟

داؤد ابراہیم: انتہائی احمقانہ بات ہے۔ میں نے کبھی کسی سے بھتہ نہیں لیا۔ یہ بے بنیاد الزامات ہیں۔

زیدی: اور آپ کا منشیات کا کاروبار؟

داؤد ابراہیم: زیدی صاحب، چونکہ میں آپ کی عزت کرتا ہوں اس لیے اس قسم کے بے بنیاد سوالوں کو برداشت کر رہا ہوں۔ میں کبھی کسی ڈرگ بزنس کا حصہ نہیں رہا ہوں۔ بلکہ میرا تو ان لوگوں سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے جو اس کاروبار کا حصہ ہیں۔ مجھے نفرت ہے منشیات سے اور ان لوگوں سے جو اس کا کاروبار کرتے ہیں۔

PdfStuff.blogspot.com

زیدی: کیا اس بات میں حقیقت نہیں ہے کہ آپ کے آدمیوں میں سے اعجاز پٹھان آپ کے لیے ڈرگز کے معاملات کو دیکھتا ہے؟

داؤد ابراہیم: فضول بات۔ نہ ہی اعجاز پٹھان میرا آدمی ہے اور نہ ہی میرے لیے کوئی کاروبار کرتا ہے۔

زیدی: پھر آپ کیخلاف اتنے سارے الزامات کیونکر ہیں؟

داؤد ابراہیم: جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں ہندوستان میں موجود نہیں ہوں۔ دنیا کی کون سی پڑھی لکھی قوم ہوگی جو اپنے ملک سے باہر بیٹھے کسی بندے کو اپنے ملک میں منشیات کا کاروبار کرنے کی اجازت دے گی؟ بھارت کے قانون نافذ کرنے والے ادارے مجھ سے اور میرے خاندان سے بغض وعناد رکھنے کے باوجود آج تک میرے خلاف منشیات کا ایک چھوٹا سا مقدمہ بھی ثابت نہیں کر سکے ہیں۔ حال ہی میں میرے خلاف شروع کی جانے والی نفرت انگیز مہم بھی اپنے اندر سیاسی عزائم رکھتی ہے۔ لیکن اس پروپیگنڈے کے پیچھے موجود سرکردہ افراد انٹرنیشنل اینٹی نارکوٹکس ایجنسیوں کو دھوکا نہیں دے سکتے۔

زیدی: کیا آج بھی آپ خود کو محب وطن بھارتی تصور کرتے ہیں؟

داؤد ابراہیم: آپ کے خیال میں کسی شخص کے اس ملک کے بارے میں کیا جذبات ہو سکتے ہیں جہاں وہ اور اس کے گھر والے پیدا ہوئے ہوں؟ نہ صرف میں بھارت میں پیدا ہوا اور میری پرورش وہاں ہوئی، بلکہ آج بھی اس ملک میں ان گنت لوگ مجھے اپنا بھائی مانتے ہیں۔

زیدی: تو پھر آپ نے ان بم دھماکوں کا منصوبہ کیوں بنایا، جس میں 300 سے زائد افراد ہلاک ہو گئے؟

داؤد ابراہیم: یہ بم دھماکے دراصل میرے اور ان لوگوں کے درمیان ایک خلیج حائل کرنے کی سازش تھی جو مجھے چاہتے ہیں، جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ میں ایک مرتبہ پھر دہراتا ہوں کہ بمبئی بم دھماکوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ہر روز اخبارات میں خبریں پڑھتا ہوں کہ یہاں بم دھماکہ ہو گیا اور وہاں بم دھماکہ ہو گیا۔ ان بم دھماکوں کے پیچھے لوگوں کی مذمت بھی کی جاتی ہے۔ لیکن کیا آج تک کسی اخبار نے ان لوگوں کی مذمت کی جن کی سربراہی میں بابری مسجد کو شہید کیا گیا اور 140 ملین بھارتی مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ایک مرتبہ پھر اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کا جائزہ لیں؟

زیدی: ٹھیک ہے، لیکن مجھے یہ بتایئے کہ آپ فلم انڈسٹری کے لوگوں کو کیوں ڈراتے، دھمکاتے اور مارتے ہیں؟

داؤد ابراہیم: یہ ایک بے بنیاد بات ہے۔ میں آج فلمی دنیا کے لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ انہیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس بات کی بھی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ میرے نام سے انہیں ڈرا دھمکا رہے ہیں میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

زیدی: فلم انڈسٹری میں آپ کے کون کون سے دوست ہیں؟

داؤد ابراہیم: باہمی عزت وتکریم کی بنیاد پر میرے کئی لوگوں سے مراسم ہیں۔ چونکہ اس وقت شکوک وشبہات کی ایک فضا قائم ہے اس لیے ان کے نام لینا مناسب نہیں سمجھتا۔

زیدی: کیا آپ کو گلشن کمار کے قتل کا علم تھا؟

داؤد ابراہیم: مجھے اس خبر کا صرف اس وقت پتہ لگا جب رائٹر نے بمبئی سے یہ خبر شائع کی۔

زیدی: کیا یہ بات صحیح ہے کہ ابو سالم نے یہ قتل آپ کو اعتماد میں لیے بغیر کیا؟

داؤد ابراہیم: پتہ نہیں آپ کیا بات کر رہے ہو۔ پریس اور بمبئی پولیس کو ان لوگوں سے بات کرنی چاہئے جنہیں قاتلوں کے بارے میں مکمل معلومات ہوں۔ وہ اہم لوگ تمام رازوں سے پردہ اٹھانے کے لیے تیار بھی ہیں۔ اب پولیس کو چاہئے کہ بمبئی میں ہونے والے ہر قتل کا ملبہ مجھ پر ڈالنا بند کرے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں 1947ء میں نہیں تھا۔ وگرنہ یہ لوگ تو تقسیم ہند کا الزام بھی مجھ پر ہی دھر دیتے۔

زیدی: کیا فلموں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں؟

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم: نہیں۔

زیدی: ندیم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ معصوم ہے یا مجرم؟

داؤد ابراہیم: میں کسی ندیم کو نہیں جانتا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میری کبھی ندیم سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ کسی سیانے کو چاہئے کہ پولیس والوں کو مشورہ دے کہ پرچھائیوں کا پیچھا کرنا چھوڑ دیں۔

زیدی: بمبئی پولیس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں ماورائے عدالت قتل صحیح ہیں؟

داؤد ابراہیم: بمبئی پولیس زوال پذیر ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ بمبئی پولیس بھارت کی بہترین پولیس ہوا کرتی تھی۔ اب یہی پولیس ہے کہ جھوٹے مقدمات بنا کر معصوم لوگوں کو پھانس لیتی ہے اور پھر جھوٹے پولیس مقابلوں میں انہیں ٹھکانے لگا دیا جاتا ہے۔ بمبئی پولیس، بمبئی کے لوگوں کی نظروں میں گرتی جا رہی ہے۔

زیدی: کون سی سیاسی جماعت سے آپ کے قریبی تعلقات ہیں؟

داؤد ابراہیم: سچ تو یہ ہے کہ بابری مسجد کی شہادت سے قبل میں بہت ہی آزاد سیاسی تصورات کا حامی تھا اور مختلف قومی سیاسی پارٹیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ لیکن بابری مسجد کی شہادت کے بعد اب میرے سیاسی تصورات یکسر بدل چکے ہیں۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ بھارت کے مسلمانوں کو صرف اور صرف مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہئے۔

زیدی: گاؤلی اور راجن کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

داؤد ابراہیم: کون؟

زیدی: ارون گاؤلی اور چھوٹا راجن، جو کہ آپ کے مخالفین میں سے ہیں بلکہ آپ کی جان کے دشمن ہیں؟

داؤد ابراہیم: میرے نزدیک وہ عام لوگوں کی طرح ہیں۔ بلکہ گلی میں گھومنے پھرنے والے آوارہ لڑکے۔

زیدی: کیا اشون نائیک کو آپ کی سرپرستی حاصل ہے؟

PdfStuff.blogspot.com

داؤد ابراہیم: نہیں۔

زیدی: کیا آپ کو ڈان کہلانا اچھا لگتا ہے؟ کیا آپ عام لوگوں کی طرح اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ وقت گزار پاتے ہیں؟

داؤد ابراہیم: میں ایک بزنس مین ہوں، ڈان نہیں۔ جہاں تک میری گھریلو زندگی کا تعلق ہے میں ایک بھرپور گھریلو زندگی گزارتا ہوں۔

زیدی: کیا آپ نے کبھی بھارت واپس آنے کے بارے میں سوچا ہے؟

داؤد ابراہیم: کئی مرتبہ۔ ایک مرتبہ بھارت کی حکومت میرے خلاف تمام جھوٹے مقدمات ختم کر دے اور وہ مقدمات بھی جو کہ میرے خاندان والوں اور میرے دوستوں کے خلاف ہیں تو میں پہلی ہی فلائٹ سے بمبئی کے لیے روانہ ہو جاؤں گا اور اس کے بعد میں جامع مسجد میں جا کر نماز شکرانہ بھی ادا کروں گا۔

PdfStuff.blogspot.com

یہ داؤد ابراہیم کا ستمبر 1997 میں شائع کیا جانے والا آخری انٹرویو تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد بھی اس نے صحافیوں سے گفتگو کی ہو، لیکن اس نے کبھی کسی کو اپنی گفتگو شائع کرنے کی اجازت نہیں دی۔ میری داؤد ابراہیم سے جب کبھی بھی گفتگو ہوئی، میں نے اسے ذہین اور حاضر جواب پایا۔ اس نے ہمیشہ ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ میرے تمام سوالات کے جوابات دیئے اور کبھی کسی سوال پر اشتعال انگیزی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ نہ کبھی اس نے نفرت کا اظہار کیا اور نہ ہی ڈان ہونے کا۔ البتہ وہ پولیس کے محکمے میں اپنے انتہائی مضبوط نیٹ ورک کی موجودگی سے انکار کرتا رہا۔

داؤد کو یہ بات ہرگز پسند نہیں تھی کہ اسے برا بھلا کہا جائے یا عوام کے سامنے اس کے منفی تصور کو پیش کیا جائے۔ اسے آؤٹ لک کا وہ آرٹیکل ایک نظر بھی نہ بھایا جس میں اسے ملک کے غدار کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ وہ ڈان بننا چاہتا تھا، کیونکہ وہ ڈونگری کا لڑکا تھا۔ ڈونگری کا وہ لڑکا جس نے حاجی مستان، کریم لالہ اور باشو دادا جیسے ڈانوں کو پچھاڑ دیا تھا۔ اس کی ترقی میں اس کی ذہانت کے ساتھ ساتھ اس کی قسمت نے بھی بہت ساتھ دیا۔

☆☆☆☆☆